APPROVED
By WWW.ATTABLIG.COM at 11:17 am, Oct 26, 2010

تاریخ دعوت وعزیمت

مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رح

مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنو

سلسلۂ مطبوعات مجلس

APPROVED
By WWW.ATTABLIG.COM at 11:17 am, Oct 26, 2010

تاریخ دعوت و عزیمت

حصۂ سوم

* حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ
* سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ
* حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

سوانح حیات — صفات و کمالات — تجدیدی و اصلاحی کارنامے

تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

APPROVED
By WWW.ATTABLIG.COM at 11:18 am, Oct 26, 2010

جملہ حقوق محفوظ

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ ——— جولائی ۲۰۰۶ء

نام کتاب ——— تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ سوم)

نام مصنف ——— مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

صفحات ——— ۳۳۶

تعداد ——— ایک ہزار

قیمت ——— RS.100/-

طابع ——— کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ

ناشر ——— مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

Post Box No. 119
Nadwatul Ulama
Lucknow.
Tel : 0522-2740539
Fax : 0522-2740806
e-mail : info@airpindia.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
حرفِ آغاز	۹
باب اوّل	
۱۹ ——— ۵۱	
ہندوستان میں چشتی سلسلہ اور اسکے اکابر شیوخ	۱۱
عالم اسلام کا نیا روحانی وفکری مرکز	۱۹
اسلامی ہند کے معمار	۲۱
ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق	۲۲
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	۲۴
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ	۳۱
حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ	۳۶
باب دوم	
۵۲ ——— ۱۰۱	
سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے حالات و کمالات	
نام و نسب	۵۲
ابتدائی تعلیم و تربیت	۵۳
فقر وفاقہ اور والدہ کی تربیت	۵۴
شیخ کبیرؒ سے مناسبت اور قلبی کشش	۵۴
دہلی کا سفر	۵۵
دہلی میں طالب علمی	۵۵
استاذ کے محبوب	۵۶
علمی امتیاز و تفوق	۵۶
حفظ مقامات اور اس کا کفارہ	۵۷
حدیث کی اجازت	۵۷
قلبی بےچینی اور انجذاب الی اللہ	۵۸
والدہ صاحبہ کا انتقال	۵۸
والدہ کی یاد	۵۸
والدہ کا یقین و توکل	۵۸
ایک تمنائے خام	۵۹
اجودھن کی پہلی حاضری	۶۰
طالب یا مطلوب	۶۰
مرید کی خاطر	۶۰
بیعت	۶۱
سلسلۂ تعلم کا اجرا یا انقطاع؟	۶۱
شیخ کبیرؒ سے درس	۶۲
درس کی لذت	۶۲
خود شکنی کی تربیت	۶۳
فیصلہ کن موقع	۶۳

مضمون	صفحہ
ایک رفیق کی ملامت	۶۵
کتنے بار حاضری ہوئی	۶۶
شیخ کی نوازشیں	۶۶
رخصت اور وصیت	۶۷
ایک دُعا کی درخواست	۶۷
اجودھن سے دہلی کو	۶۸
تصفیۂ حقوق	۶۹
دہلی کی قیام گاہیں	۷۰
فقر و فاقہ	۷۲
غیر کے واسطے کے بغیر	۷۳
غیاث پور کا قیام	۷۴
رجوعِ عام	۷۶
فقیر منعم	۷۷
بیداری پر پہلا سوال	۷۸
دنیا سے تنفر اور بذل و عطا	۷۸
زمین و جائداد سے پرہیز	۷۸
فقیر کا شاہی دسترخوان	۷۹
شیخؒ کی غذا	۸۱
ترتیب	۸۱
سلاطینِ عہد سے بے تعلقی	۸۱
سلطان علاء الدین کا امتحان اور عقیدت	۸۳
بادشاہ کے آنے سے معذرت	۸۴

مضمون	صفحہ
گھر کے دو دروازے	۸۴
غمِ اسلام	۸۴
سلطان قطب الدین کی مخالفت اور اُس کا قتل	۸۶
غیبی لنگر	۸۸
غیاث الدین تغلق کا عہد اور سرکاری مجلس مناظرہ	۸۹
مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہ کی زبان سے	۹۲
دہلی کی تباہی	۹۳
نظام الاوقات	۹۴
امیر خسرو کی خصوصیت	۹۴
شب کی تیاری	۹۵
سحری	۹۶
تسبیح کے وقت	۹۶
دن میں	۹۷
دلداری و تربیت	۹۷
قربِ سفر	۹۷
خلفائے کبار کو اجازت نامے اور ان کی محبت و مواخات	۹۷
وفات کا حال	۹۸

باب سوم

۱۰۲ —— ۱۱۲

(اخلاق و صفات)

مضمون	صفحہ
جامع اوصاف	۱۰۲
اخلاص	۱۰۳
دشمن نوازی	۱۰۵
پردہ پوشی و نکتہ نوازی	۱۰۷
شفقت و تعلق	۱۰۸
غمخوارئ عام	۱۰۹
چھوٹوں پر شفقت	۱۱۱

باب چہارم

۱۱۳ —— ۱۲۵

(اذواق و کیفیات)

مضمون	صفحہ
محبت و ذوق	۱۱۳
سماع	۱۱۵
مزامیر سے نفرت و ممانعت	۱۱۷
سماع میں آپ کی کیفیت	۱۲۰
ذوقِ قرآن	۱۲۲
شیخ سے تعلق	۱۲۳
جماعت کا اہتمام اور بلند ہمتی	۱۲۴
شریعت کی پابندی اور اتباعِ سُنّت کا اہتمام	

باب پنجم

۱۲۶ —— ۱۳۴

(افادات و تحقیقات)

مضمون	صفحہ
علمی پایہ	۱۲۶
علمی و ادبی مناسبت	۱۲۶
حدیث و فقہ پر نظر	۱۲۷
بلند علوم مضامین	۱۲۹
علوم صحیحہ شرعیہ	۱۳۰
حلال مانع راہ خدا نہیں	۱۳۰
قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں	۱۳۱
ترکِ دنیا کی حقیقت	۱۳۱
طاعت لازم و متعدی	۱۳۲
کشف و کرامات حجابِ راہ	۱۳۲
علوم انبیاءؑ و اولیاءؒ	۱۳۲
دنیا کی محبت اور عداوت	۱۳۳
مراتب تلاوتِ قرآن	۱۳۳

باب ششم

۱۳۵ —— ۱۵۴

(فیوض و برکات)

مضمون	صفحہ
تجدید ایمان و توبۂ عام	۱۳۵
بیعت ایک عہد و معاہدہ	۱۳۷
عمومِ بیعت کی حکمت	۱۳۹

مضمون	صفحہ
عمومی زندگی پر اثر	۱۴۱
عشق کا روز بازار	۱۴۷
خلفاء کی تربیت	۱۴۷
چشتی خانقاہیں	۱۴۹
مریدین با اختصاص	۱۵۰

باب ہفتم

۱۵۵ —— ۱۷۲

(حضرت خواجہؒ کی تعلیم و تربیت کے اثرات)

مضمون	صفحہ
آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات	۱۵۵
سلاطین وقت سے بے رغبتی اور حق گوئی کے نمونے	۱۵۶
اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی	۱۶۰
اشاعت اسلام	۱۶۶
خدمت و اشاعت علم	۱۷۰
خاتمۂ کلام	۱۷۲

مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

۶۶۱ھ —— ۷۸۶ھ

باب اول

۱۷۵ —— ۱۸۵

(ولادت سے بیعت تک)

مضمون	صفحہ
خاندان	۱۷۷
ولادت	۱۷۹
تعلیم	۱۷۹
مولانا شرف الدین ابو توامہ سے تلمذ اور سنار گاؤں کا سفر	۱۸۰
ازدواج	۱۸۲
مراجعت وطن	۱۸۲
سفر دہلی اور انتخاب شیخ	۱۸۴

باب دوم

۱۸۶ —— ۱۹۴

(ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ اور اس کے مشائخ کبار)

مضمون	صفحہ
خواجہ نجم الدین کبریٰؒ	۱۸۶
ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد	۱۸۹
سلسلۂ فردوسیہ ہندوستان میں	۱۹۰
خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ	۱۹۰
خواجہ رکن الدین فردوسیؒ	۱۹۳
خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ	۱۹۴

باب سوم

۱۹۶ —— ۲۰۲

(مجاہدہ و خلوت، قیام و سکونت اور ارشاد و تربیت)

مضمون	صفحہ
دہلی سے واپسی	۱۹۶

مضمون	صفحہ
شورش عشق	۱۹۷
راہگیر کے جنگل میں	۱۹۷
بہار کی حکومت اور خانقاہ کی تعمیر	۱۹۹
افادہ و ارشاد	۲۰۲

باب چہارم

۲۰۵ —— ۲۲۲

(صفات و خصوصیات)

مضمون	صفحہ
قناعت	۲۰۵
علو اخلاق	۲۱۰
رحمت و شفقت	۲۱۲
دنیا سے بے لوثی و بے تعلقی	۲۱۵
علو ہمت	۲۱۶
تجرید و تفرید	۲۱۸
امر بالمعروف اور مسلمانوں کے معاملات کی فکر	۲۲۱
اتباع سنت	۲۲۲

باب پنجم

۲۳۶ —— ۲۳۹

(وفات)

مضمون	صفحہ
نماز جنازہ اور تدفین	۲۳۶
اولاد و اعقاب	۲۳۷
ممتاز مریدین و خلفاء	۲۳۸
تصنیفات	۲۳۹

باب ششم

۲۴۰ —— ۲۴۷

(مکتوبات)

مضمون	صفحہ
مکتوبات اور ان کا علمی و ادبی پایہ	۲۴۰
مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوب الیہ	۲۴۵
مضامین کا ماخذ	۲۴۷

باب ہفتم

۲۴۹ —— ۲۶۶

(مقام کبریا)

مضمون	صفحہ
بے نیازی سلطان عالم	۲۴۹
دریائے رحمت کا جوش	۲۶۱
صلائے عام	۲۶۳
کریم نکتہ نواز	۲۶۴
توبہ کی تاثیر	۲۶۶

باب ہشتم

۲۶۷ —— ۲۸۱

(مرتبۂ انسانیت)

مضمون	صفحہ
ایک انقلاب انگیز دعوت	۲۶۷
خالق کی نظر خاص	۲۶۸
امانت محبت	۲۷۰
حاصل وجود	۲۷۲
بار امانت	۲۷۳

مضمون	صفحہ
ذرۂ خاک کا اقبال	۲۷۴
سیرِ آگہی کا حال	۲۷۶
مسجود و محمود	۲۷۸
دلِ آگاہ	۲۷۹
شکستہ تر، عزیز تر	۲۸۱
محبت کی فرمانروائی	۲۸۱
بابِ نہم (۹)	
۲۸۳ —— ۲۹۵	
(تحقیقات و علومِ عالیہ)	
بلند و لطیف علوم و مضامین	۲۸۳
وحدۃ الشہود	۲۸۳
تغیر صفات میں ہے، نہ کہ ذات میں	۲۸۶
تیز رفتار کی حرکت نظر میں نہیں آتی	۲۸۷
خواہشاتِ نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں شکستگی مقصود ہے	۲۸۹
کرامت بھی ایک بت ہے	۲۹۱
کشوف و کرامات اور استدراج	۲۹۲
فضیلتِ خدمت	۲۹۴
نفس کی اصلاح کا معیار	۲۹۵
بابِ دہم (۱۰)	
۲۹۸ —— ۳۱۲	
(حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت)	
ایک اصلاحی و تجدیدی کارنامہ	۲۹۸
نبوت ولایت سے افضل ہے	۲۹۹
انبیاءؑ کی ایک سانس تمام اولیاءؒ کی پوری زندگی سے افضل ہے	۳۰۲
انبیاءؑ کا جسم اور اولیاءؒ کا قلب	۳۰۲
شریعت کا لزوم و دوام	۳۰۳
شریعت کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے	۳۰۴
بقاءِ شریعت کا راز	۳۰۵
ایک بلیغ مثال	۳۰۵
علماء اور مشائخِ کاملین کا اسوہ	۳۰۷
شریعت کی شرط	۳۰۹
اتباعِ محمدیؐ سے چارہ نہیں	۳۱۰
سلسلۂ فردوسیہ کی اشاعت اور اس کے بعض مرکز	۳۱۱
حضرت مخدوم صاحبؒ کے بعض دوہے اور ہندی فقرے	۳۱۲

سپاہِ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوتِ خرد است

(اقبالؒ)

APPROVED
By WWW.ATTABLIG.COM at 11:18 am, Oct 26, 2010

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

الحمد للہ کہ تاریخ دعوت وعزیمت کا تیسرا حصّہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے دوسرے اور تیسرے حصّے کے درمیان اتنا طویل وقفہ پیش آیا کہ مصنّف کی طبیعت افسردہ اور شائقین مایوس سے ہوگئے، اس عرصہ میں مصنّف کے کوتاہ قلم سے متعدد کتابیں نکلیں اور شائع ہوئیں، جتنی تاخیر ہوتی جا رہی تھی اُتنا ہی یہ اندیشہ بڑھ رہا تھا کہ خدانخواستہ یہ مفید سلسلہ بہت سے قدیم مصنفین کی اہم کتابوں اور خود اپنے بعض سلسلۂ تصانیف کی طرح ناتمام نہ رہ جائے، شاید ایسا ہی ہوتا اور کم سے کم یہ کہ یہ وقفہ طویل سے طویل تر ہوتا، اگر اس میں ایک قابلِ صد احترام اور واجب التعمیل اشارہ اور تقاضا شامل نہ ہوتا۔

میرے مربّی رُوحانی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہم[1] نے تاریخ دعوت وعزیمت کو بار بار سُن کر اور بار بار اپنی مجالس میں پڑھوا کر، تصنیف اور مصنّف کی عزت و ہمت

[1] افسوس ہے کہ ان اوراق کی تحریر کے ایک سال بعد ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء کو حضرت نے وفات پائی

بڑھائی، ان دو جلدوں کے بعد حضرت موصوف نے تیسری جلد کا تقاضا فرمایا اور اپنے خادم کو اُس کی تکمیل کی بار بار ہدایت فرمائی، بارہا ایسا ہوا کہ میں باہر سے حاضرِ خدمت ہوا، تو پہلا سوال یہی فرمایا گیا کہ تیسرا حصّہ مکمل کرلیا؟ بعض مرتبہ میں نے اپنی اُلجھنیں عرض کیں سُنتے ہی ارشاد ہوا کہ تیسرا حصّہ تو مکمل ہی کر لیجئے! پھر جب حضرت والا کو یہ معلوم ہوا کہ یہ حصّہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس اللہ سرہٗ کے تذکرہ پر مشتمل ہو گا تو اپنے تعلق روحانی اور نسبتِ خاص کی بنا پر حضرت کی طرف سے اس کا اور بھی تقاضا ہوا، ادھر اس عاجز کا یہ حال ہو گیا تھا گویا اس نے قلم رکھ دیا ہے اور اس موضوع سے مناسبت جاتی رہی ہے، یہاں تک کہ جون ۱۹۶۱ء میں ایک بار جب حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت کی مجلس مُبارک میں حضرت خواجہ کے ملفوظات کا وہ مجموعہ پڑھا جا رہا تھا، جو **افضل الفوائد** کے نام سے امیر خسروؒ کی طرف منسوب ہو کر لاہور سے شائع ہوا ہے، اور ایک عزیز دوست تحفۃً لائے تھے، یہ مجموعہ ایسے غیر مستند مضامین اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے کہ اس کا سننا بھی تحقیقی اور تاریخی ذوق رکھنے والوں پر بلکہ مذاق سلیم پر سخت بار ہے، اس کی نسبت امیر خسروؒ کی طرف قطعاً مشکوک ہے۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز جنکے اور سلطان المشائخ کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ اور وہ بھی حضرت چراغؒ دہلی کا ہے، اور جو اسی خانوادۂ عالی کے چشم و چراغ اور محرم اسرار ہیں۔ صاف فرماتے ہیں کہ **فوائد الفواد** کے علاوہ ملفوظات کے جتنے مجموعے مشہور ہیں باد ہوائی ہیں[1]۔ مجلس میں یہ کتاب پڑھی جا رہی تھی،

---

[1] "ملفوظ شیخ نظام الدین کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آں معتبر است و ملفوظہائے دیگر کہ از اں شیخ بستہ اند ہمہ باد ہوا است" (جوامع الکلم ص ۱۳۴)

حضرت کبھی کبھی اس کے مضامین پر استعجاب کا اظہار فرماتے، نیم باز مگر دلنواز نگاہیں جو کبھی کبھی مصنف پر بھی پڑ جاتیں اشارہ میں کہتیں کہ اگر کوئی مستند کتاب موجود ہوتی تو ایسی غیر مستند کتابوں کی کیا ضرورت تھی؟ یہ نگاہ دل میں تیر کی طرح پار ہو گئی اور وہیں دل نے فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں اس کام کو انجام دینا ہے، اور یہ ارمغان پیش کرنا ہے۔

اِس کام میں توقف ہونے کا ایک سبب راہ کی دشواریاں بھی تھیں، ہندوستان کے اولیائے کرام، داعیانِ اسلام اور مشائخ عظام کے تذکرہ میں بیشمار کتابیں لکھی گئیں، ان میں بڑی بڑی ضخیم تصنیفات بھی ہیں، لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کے لئے بیٹھتا ہے جن سے ان کے اصل کمالات، ان کی دینی و تبلیغی مساعی، اُن کی تعلیم و تربیت کے نتائج اُن کے مزاج و مذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہ حالات سبق آموز شوق انگیز اور ہمت آفریں ہوں، اور بحیثیت ایک جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منظرِ عام پر آئیں اور اُن کی سوانح کا صحیح ڈھانچہ سامنے آجائے تو اس کو سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات صدہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتابوں کی مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر بھی مواد حاصل نہیں ہوتا، عظیم ترین شخصیتوں کے تذکروں اور سوانح حیات میں اتنے بڑے بڑے خلا نظر آتے ہیں جن کو کسی قیاس اور عبارت آرائی سے بھرا نہیں جا سکتا۔ پوری پوری کتاب خوارق و کرامات محیر العقول واقعات اور عجائبات سے بھری ہوتی ہے اور ضروری معلومات کا افسوسناک فقدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے مؤرخ کو (جس نے اپنی علمی اور تصنیفی ضرورت سے ہندوستان کی تاریخ کا ایسا وسیع مطالعہ کیا ہے جس کی نظیر دورِ حاضر میں ملنی مشکل ہے، اور اعیان و مشاہیر ہند کا تذکرہ آٹھ

ضخیم جلدوں میں مرتب کیا ہے[1]) اس صورتِ حال پر اس طرح شکوہ سنج پایا گیا :۔

" ملک کی بدمذاقی دیکھئے کہ ابتدا سے اب تک ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر نہیں اُترتی جس کتاب کو اُٹھا کر دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ رزم بزم کا کوئی افسانہ ہے۔ قرنا و کوس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی ملے گا تو چنگ و رباب کے ذکر سے اُس کو آپ خالی نہ پائیں گے، اگر مقفّٰی عبارتوں اور مسجع فقروں کے خارزار میں آپ کا دامن اُلجھ گیا تو یہ بھی ملنے کا نہیں، ایسی حالت میں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی علمی زندگی کی صحیح تصویر ایسے ناتمام مرقع میں پائیں ـــــــ کچھ ان بزرگوں کے حالات کی کتابیں ملتی ہیں جو کسی سلسلۂ طریقت کے ساتھ مربوط تھے، مگر اس بدمذاقی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ آپ ان کتابوں سے ان کے نام و نسب، نشو و نما، تعلیم و تربیت، طریقۂ ماند و بود اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ ملے گا، قرنا و کوس کا تو یہاں کچھ کام نہیں، مگر چنگ و رباب یہاں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا مصنف کا سارا زور اُن کے کشف و کرامت کے بیان کرنے پر صَرف ہو جاتا ہے اور اس کو اس حد تک پہونچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماوراء کوئی اور ہستی نظر آتے ہیں، وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں نہ اور خصائصِ انسانی سے اُن کو سروکار ہے نہ علمی مشاغل سے ان کو کچھ واسطہ ہے "

[1] نزہۃ الخواطر عربی ۱ تا ۸، جو پانچ ہزار شخصیتوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانونِ فطرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالیدِ ثلاثہ و عناصرِ اربعہ پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قائم رکھیں[1] "

اس وقت کا اگر آپ عملی تجربہ کرنا چاہیں تو ہندوستان میں سلسلۂ چشت کے بانی بلکہ ایک طرح سے اس ملک میں سلسلۂ اسلامی کے بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے تذکرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے، اور اُن سے حضرت کی کوئی مختصر سوانح مرتب کرنے کی کوشش کیجئے۔ شاید یہ خیال ہو کہ وہ مسلمانوں کا ابتدائی عہد تھا، تصنیف و تالیف کے دور کا پورے طور پر آغاز نہیں ہوا تھا اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اسی دور میں ہم کو قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی کی طبقاتِ ناصری اور نور الدین محمد عوفی کی کتاب لبابُ الالباب بھی ملتی ہے، یہ دونوں کتابیں ساتویں صدی کی تصنیفات ہیں، لیکن اگر اس کو کسی طرح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (متوفی ۶۶۶ھ) ایک عظیم روحانی پیشوا اور جلیل القدر مصلح تھے جنھوں نے اپنے زمانہ کو متاثر کیا اور ایک ایسے شہر میں زندگی گذاری جو اپنے عہد میں ہندوستان کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا، سیاسی حالات میں اعتدال و استقرار بھی پیدا ہو چکا تھا لیکن اس عظیم الشان شخصیت کی سوانح نگاری اور اس کے کارناموں کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے مواد کی بے حد کمی ہے، مگر خوارق و تصرفات اور کشف و کرامات کے واقعات کی کوئی کمی نہیں۔

اس لحاظ سے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور حضرت مخدوم الملک

[1] یادِ ایام (تاریخ گجرات) ص ۵۸ و ۵۹ از مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ مصنف نزہۃ الخواطر، و گلِ رعنا م (۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء)

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری جو آٹھویں صدی کی دو نامور شخصیتیں اور عظیم الشان روحانی پیشوا اور مصلح ہیں، خاص امتیاز و انفرادیت رکھتے ہیں، کئی صدیوں تک کسی شیخ طریقت اور کسی دینی شخصیت کے حالات اتنی روشنی میں نہیں ہیں جتنے ان دونوں بزرگوں کے۔ یہ مواد اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتا ہے کہ وہ ان حضرات کے ملفوظات اور مکتوبات سے ماخوذ ہے، یا معاصر تاریخوں اور اُن کے خدام و مریدین کی کتابوں سے، اس لحاظ سے مورخ کو یہاں کم سے کم دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انتخاب و تحقیق کا کام یہاں بھی ضروری ہے کہ واقعات و سنین میں سخت انتشار و تضاد نظر آتا ہے۔

لیکن ان دونوں شخصیتوں کے انتخاب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اُن سے متعلق تاریخی مواد آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے، یہ بات اور بھی بہت سی شخصیتوں کو حاصل ہے، اس انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ہندوستان میں (جو ساتویں صدی کے بعد سے عالم اسلام کا مرکز اعصاب اور احیاء و تجدید کی تحریکوں کا منبع ہے) ان دونوں حضرات نے روحانی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی، اور اپنے زمانہ اور بعد کی نسلوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔

حالات و تعلیمات کے انتخاب میں مصنف نے ہمیشہ اُن اجزاء و مضامین کو اہمیت دی ہے جو اس نسل کے لئے مفید، سبق آموز، قابلِ تقلید، عام فہم اور دلنشیں ہوں، اور جن سے غلط فہمی اور غلط روی کا کم سے کم اندیشہ ہو، وہ خود بھی فلسفۂ الٰہیات اور فلسفۂ اخلاق سے کم مناسبت رکھتا ہے اور اپنے قارئین کو بھی اس امتحان میں ڈالنا نہیں چاہتا، اس کے نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبت، درد و سوز، جذبۂ اتباعِ سنت، عزیمت، علوِ ہمت، ذوقِ دعوت و تبلیغ، اصلاحِ اعمال و اخلاق، اور صحیح علوم و دینی حکم و معارف ان بزرگوں کا

اصل جوہر اور اُن کی سوانح حیات کا اصل پیغام ہے۔ راقم سطور نے سیرت سید احمد شہیدؒ کے مقدمہ میں اپنے مسلک کی معذرت اور وضاحت کرتے ہوئے ایک شعر لکھا تھا جو صورتِ حال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے، اسی کا اعادہ یہاں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ؎

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

شاید مصنف کی دوسری ذمہ داریاں اور نہ ختم ہونے والے مشاغل اتنی جلدی کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دیتے اور اس میں مزید تاخیر ہوتی، مگر اپنے وطن (رائے بریلی) کی سئی ندی کے سیلاب نے ایک گاؤں (میدان پور) میں محصور کر کے اس کا سامان فراہم کر دیا کہ جو کام مہینوں میں ہوتا وہ خدا کی مدد سے چند ہفتوں میں ہو گیا۔ وللہ جنود السمٰوات والارض۔

مصنف کا اخلاقی فرض اور احسان شناسی ہے کہ وہ اپنے محسنین و معاونین کا شکریہ ادا کرے۔ قدیم مآخذ میں مصنف سب سے زیادہ سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد اور فوائد الفواد کے مصنف امیر حسن علاء سنجری کا ممنونِ احسان ہے کہ انھوں نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی سوانح حیات و تعلیمات کا سب سے زیادہ مفصل اور مستند مواد فراہم کیا۔ حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے حالات میں سیرۃ الشرف سے بڑی مدد اور رہنمائی حاصل ہوئی اور اس سے قدیم تر مآخذ کا پتہ چلا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی تصنیفات اور مضامین ہمیشہ کی طرح بڑے مفید اور مددگار ثابت ہوئے، کاش انکو دونوں حضرات کی مکمل سوانح حیات مرتب کرنے کا موقع ملتا، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس موضوع سے فطری مناسبت اور ذوق اور تاریخ ہندوستان کا وسیع علم عطا فرمایا تھا۔ والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحیؒ کی بیش قیمت تصنیف نزہۃ الخواطر نے حسب معمول تاریخ و تذکرہ

کے ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کا کام دیا، اور مصنف نے اس سے اِس طرح مدد لی اور بار بار رجوع کیا جیسے کوئی طالب علم لغت اور ڈکشنری سے بار بار مدد لیتا ہے، اِس موضوع پر وسیع مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اُن کی نظر کتنی وسیع و عمیق تھی اور ان کا انتخاب و مذاق کتنا پاکیزہ اور شائستہ ہے۔

اپنے معاونین میں ناچیز مصنف جناب مولوی سیّد نجم الہدیٰ صاحب ندوی دسنوی اور عزیز گرامی مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی کا ممنون ہے جنھوں نے حضرت مخدوم الملکؒ کی سوانح حیات اور تصنیفات میں سے بعض نادر چیزیں فراہم کیں۔ عزیزی مولوی شاہ شبیر عطا ندوی سلّمہٗ (جن کو تاریخی و علمی ذوق اپنے نامور والد سے ورثہ میں ملا ہے) سے بھی بعض ضروری معلومات کے حصول میں مدد ملی۔ عزیز سعید مولوی سیّد مُشرف علی ندوی بھی مصنف کے شکریہ کے بڑے مستحق ہیں مصنف نے کتاب کا بڑا حصّہ املا کیا اور آں عزیز نے بڑی ہمت اور محنت سے لکھا۔ مولوی اقبال احمد صاحب اعظمی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بھی وقتاً فوقتاً مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں اور عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرماوے اور اُنکے عمل کو قبول کرے۔

وَالحَمدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّاٰخِراً، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیرِ خَلقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحبِہٖ اَجمَعِین

ابوالحسن علی
مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ
لکھنؤ

۱۱ر صفر ۱۳۸۲ھ
۱۴ر جولائی ۱۹۶۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

ہندوستان میں چشتی سِلسلہ اور اُسکے اکابر شیوخ

عالمِ اسلام کا نیا رُوحانی و فکری مرکز

چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی عیسوی) اسلامی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے، اس صدی کے آخر میں وسیع اسلامی دنیا میں ایک ایسے نئے وسیع ملک کا اضافہ ہو رہا تھا جو قدرتی خزانوں اور انسانی صلاحیتوں سے مالامال تھا اور جس کے لئے مستقبل قریب میں اسلامی دعوت کا عالمگیر مرکز اور اسلامی علوم کا محافظ و امین بننا مقدر ہو چکا تھا۔

اس صدی کے اوائل میں نیم وحشی تاتاریوں نے عالمِ اسلام پر مور و ملخ کی طرح یورش کی، ملک کے ملک اُن کی بربریت اور وحشیانہ مظالم سے تاراج اور بڑے بڑے نامی گرامی شہر جو کبھی علم و تہذیب کے علمبردار اور مدارس و خانقاہوں سے یکسر گلزار ہو رہے تھے بے چراغ ہو گئے، شہروں کا امن و سکون، زندگی کا نظم و نسق اور شرفا کی عزت و ناموس خاک میں مل گئے، بخارا، سمرقند، رے، ہمدان، زنجان، قزوین، مرو، نیشاپور، خوارزم اور بالآخر مرکزِ خلافت دارالسلام بغداد اس فتنۂ جہاں سوز

کی لپیٹ میں آگیا اور قدیم تہذیب کا مدفن بن کر رہ گیا، اس بلائے ناگہانی سے عالمِ اسلام کی چولیں ہل گئیں، اور پوری قدیم اسلامی دنیا پر سیاسی زوال اور فکری و علمی اضمحلال کے سیاہ بادل چھا گئے، اس وقت اس پورے عالمِ اسلام میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا جو اس فتنۂ عالم آشوب سے محفوظ رہ گیا تھا۔ یہاں تازہ دم، قوی اور پُرجوش ترکی النسل خاندانوں کی حکومت تھی، جو اُن تاتاریوں اور مغلوں سے بخوبی پنجہ آزمائی کر سکتے تھے اور اپنی ایمانی قوت اور نئے اسلامی جوش کی بناء پر جنگی قوت اور شجاعت میں نہ صرف اُن کے حریف بلکہ اُن سے فائق تھے، تاتاری اور مغل ہندوستان پر بار بار حملے کرتے رہے اور پسپا ہوتے رہے، صرف سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں چنگیزی مغلوں نے پانچ بار ہندوستان پر حملہ کیا۔ پہلا حملہ ۶۹۶ھ میں ہوا، چوتھے اور پانچویں حملے میں سلطان کی طرف سے ملک تغلق (ملک غازی) نے جوہرِ مردانگی دکھائے اور مغلوں کو اس طرح شکستِ فاش دی کہ،۔

"دراں روز باز مغول را ہوس ہندوستان بردلِ سرد شد، و دندانِ طمع کند گشت[1]" (اُس دن سے مغلوں کی ہندوستان کی ہوس سرد ہوگئی، اور اُن کے دندانِ حرص و آز ہمیشہ کے لئے کھٹے ہوگئے)۔

ان خصوصیات کی بناء پر عالمِ اسلام کے بہترین خاندان جن کو اپنا ناموس اور ایمان عزیز تھا اور بہترین دل و دماغ جو اپنے بدقسمت وطن میں سکون و اطمینان سے محروم ہوگئے تھے۔ ہندوستان کے جدید دارالامن اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کر آئے۔ لائق ترین انسانوں اور شریف ترین خاندانوں کا یہ سیلاب ایران، ترکستان و عراق کی طرف سے باربار

[1] منتخب التواریخ ص ۱۸۶ و تاریخ فیروز شاہی از ضیاء برنی ص ۲۵۱ و ص ۳۰۲ و ص ۳۲۰ و ص ۳۲۳۔

اُمنڈتا رہا اور اُن کی وجہ کر دہلی ایک بین الاقوامی شہر اور رشکِ بغداد و قرطبہ بن گئی، نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہر اور قصبات شیراز و یمن کی ہمسری کرنے لگے۔ مورخین ہندوستان ضیاء الدین برنی وغیرہ جب ان شریف و نجیب خاندانوں، اساتذۂ وقت، علماء نامدار اور مشائخ کبار کی فہرست سناتے ہیں جو فتنۂ تاتار میں ہندوستان ہجرت کر کے آ گئے تھے اور ہنگامۂ درس و تدریس اور ارشاد و تلقین گرم کئے ہوئے تھے نیز جنھوں نے سلطنت کی نازک ترین ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں، اور ملک کی زیب و زینت کا باعث تھے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالمِ اسلام کا جوہرِ شرافت و فضیلت یہیں آگیا تھا[1]۔

اس انقلاب سے ہندوستان نہ صرف عالمِ اسلام کا ایک اہم حصہ بن گیا تھا، بلکہ تاریخ کا صاف اشارہ تھا کہ وہ اسلام کی فکری و رُوحانی قوت، علمی تحریکات اور احیاء و تجدید کا نیا مرکز بن رہا ہے، اور فکرِ اسلامی اور دعوت و عزیمت کے مورخین کو اب مسلسل کئی صدیوں تک اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرنی پڑے گی۔

اسلامی ہند کے معمار

اسلامی دنیا کے لئے ہندوستان کی دریافت اور یافت "نئی دنیا" کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا، اگرچہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہوگئے تھے اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا، اور اس برصغیر (ہند) میں جابجا اعیانِ اسلام کے مراکز و خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھیں جیسے:۔ ع

بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (از ضیاء برنی) ص ۱۱۱ و ص ۱۱۲۔

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندرِ اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر، اور تحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حصے میں تھی، اور آخری طور پر اس کی رُوحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح حضرت خواجۂ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتیؒ (م ۶۲۷ھ) کیلئے مقدر ہو چکی تھی۔

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور رُوحانی سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھل پھول رہے تھے، اپنے اپنے وقت پر ان میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہونچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا حصہ ہے۔ شکر اللہ مساعیھم۔ لیکن ہندوستان کی رُوحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پودا نصب کرنے کیلئے (جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا) حکمتِ الٰہی نے چشتی سلسلہ کو انتخاب فرمایا۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ۔

ان اسرارِ الٰہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پا سکتی، چشتیوں پر اس مُلک کا حق ہمسائگی بھی تھا، ان کا سلسلہ اس مُلک کے ہمسایہ مُلک ایران میں فروغ پا رہا تھا۔ اپنے درد مند مزاج اور نسبتِ عشقیہ کی بنا پر بھی جو سلسلۂ چشتیہ کا سرمایہ ہے اس سلسلہ کو ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشقِ الٰہی کا نخچیر بنا لینا آسان تھا کہ زمانۂ قدیم سے محبت و درد اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔

ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق

غرض ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بنا پر قدرتِ الٰہی نے ہندوستان میں اسلام کے تحفظ اور اشاعت کے لئے اس سلسلہ کو انتخاب فرمایا، اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رُخ کرنے کا اشارۂ غیبی ہوا، سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنانِ عزیمت موڑی

وہ خواجہ ابو محمد چشتیؒ[1] تھے، جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی۔ مولانا جامیؒ نفحات الانس میں لکھتے ہیں: ــــــ

وقتے کہ سلطان محمود بہ غزو سومنات[2]	جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف
رفتہ بود خواجہ را در واقعہ نمودند کہ	گیا ہوا تھا خواجہ ابو محمد کو اشارۂ غیبی ہوا
بمددگاری وے باید رفت، در سن ہفتاد	کہ اس کی مدد کیلئے جائیں، وہ ستّر برس
سالگی با درویشے چند متوجہ شد چوں	کی عمر میں چند درویشوں کیساتھ روانہ ہوئے
آں جا رسید بہ نفس مبارک خود با مشرکان	اور وہاں پہونچ کر بنفسِ نفیس جہاد میں
و عبدۂ اصنام جہاد کرد[3]۔	شرکت فرمائی۔

[1] خواجہ ابو محمد چشتی (م ۴۰۹ھ یا ۴۱۱ھ) خواجہ ابو احمد چشتی کے فرزند و خلیفہ تھے، جو خواجہ ابو اسحٰق شامی کے خلیفۂ اعظم اور خواجہ ناصر الدین ابو یوسف کے شیخ و مرشد تھے، خواجہ ناصر الدین ابو یوسف خواجہ قطب الدین مودود کے شیخ ہیں، اور وہ حاجی شریف زندنی کے۔ حاجی شریف زندنی کے خلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ ان کے خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔

[2] سلطان محمود نے سومنات پر حملہ ۴۱۶ھ میں کیا، اگر خواجہ ابو محمدؒ کا سنہ وفات مذکورۂ بالا صحیح ہے تو اس سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ غالباً مولانا جامی کی مراد حملۂ ہندوستان سے ہے انھوں نے اس کو حملۂ سومنات سے تعبیر کیا ہے کہ ہندوستان سے باہر سب سے زیادہ اسی کارنامہ کی شہرت ہوئی۔ سومنات پر حملہ کرنے سے پہلے ہندوستان پر محمود کے ۸ حملے ہو چکے تھے ان میں سے کسی حملے میں (اغلب ہے کہ پہلے حملے میں) شیخ ابو محمدؒ ساتھ رہے ہوں گے۔

[3] نفحات الانس ص ۲۲۳

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

لیکن جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کیلئے مقدر تھی، خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور مستحکم اسلامی مرکز رشد و ہدایت کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سجزی[1] کیلئے مقدر ہو چکا تھا۔

[1] خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اصل وطنی نسبت سجزی ہے، جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی سے سنجری بن گیا۔ قدیم مسودات و اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں سجزی ہی لکھا اور بولا جاتا تھا۔ سجزی کی نسبت سجستان کی طرف ہے۔ قدیم جغرافیہ نویس عام طور پر اس کو خراسان کا ایک حصہ مانتے ہیں، موجودہ زمانے میں اس کا اکثر حصہ ایران میں شامل ہے، اور باقی افغانستان میں۔

اس علاقہ کا پایۂ تخت زرنج تھا، جس کے کھنڈر اب زاہدان کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں سجستان کے حدود غزنین تک تھے۔ (احسن التقاسیم)

بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک سجز، سجستان کے ایک خاص مقام کا نام ہے، جس کی طرف نسبت سجزی آتی ہے، کبھی کبھی پورے سجستان کی طرف بھی سجزی کہہ کر نسبت کرتے ہیں۔

جغرافیہ خلافت شرقی کے مصنف جی بی اشرینج نے ۳۰ صفحوں میں سجستان کا جغرافیہ بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیستان فارسی لفظ سگستان سے ماخوذ ہے، عرب اسے سجستان کہتے ہیں۔ اس ملک کی زمین نشیب میں ہے اور جھیل زرہ کے گرد اور اس کے مشرق میں واقع ہے۔ دریائے ہلمند اور جس قدر دریا اس جھیل میں گرتے ہیں ان سب کے ڈیلٹا اسی زمین میں پڑتے ہیں۔

فارسی میں سیستان کو نیمروز (یا جنوبی ملک) بھی کہتے ہیں، اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یوں بیان ہوئی ہے کہ سیستان خراسان کے جنوب میں واقع ہے ص۳۳۵ و ص۳۴۵۔

قدیم تر مورخین (جن میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی بھی شامل ہیں جو حضرت خواجہ کے کمسن معاصر ہیں[1]) کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ سلطان شہاب الدین غوری کے اس لشکر کے ساتھ تھے جس نے والیٔ اجمیر رائے پتھورا (پرتھوی راج[2]) کو شکست دی، اور ہندوستان کی فتح کی تکمیل کی۔

[1] قاضی صاحب کی ولادت ۵۸۹ھ میں ہوئی۔ ۱۲

[2] پرتھوی راج یا رائے پتھورا (۱۱۷۵ – ۱۱۹۲ء) سومیشور کا بیٹا تھا جو اجمیر کے چوہان حکمراں خاندان کے بانی ارنو راجہ کا فرزند اور اس خاندان کے نامور فرمانروا وگرہ راجہ عرف وسل دیو کا بھائی تھا۔ "سومیشور" کا دہلی کے تومر راجپوت حکمراں خاندان اور اجمیر کی چوہان شاخ پر یکساں اقتدار تھا۔ سومیشور دہلی کے آخری تومر فرمانروا انندپال (اننگ پال) کا داماد تھا اور اس رشتہ سے پرتھوی راج دہلی کے آخری فرمانروا کا نواسہ ہوتا تھا۔ انندپال کی کوئی اولاد نرینہ تھی، اُس نے پرتھوی راج کو متبنّیٰ کیا تھا، اس کے انتقال پر دہلی کی سلطنت پرتھوی راج کے حصے میں آئی اور اجمیر کی سلطنت اس نے اپنے باپ سومیشور سے وراثت میں پائی، اس طرح وہ راجپوتوں کی دو طاقتور مرکزی سلطنتوں دہلی و اجمیر کا مالک ہوا، چونکہ اجمیر سے اس کا آبائی اور وطنی تعلق تھا اور وہ اُس کی دادھیالی گدی تھی اس لئے اغلب ہے کہ اس کا زیادہ تر قیام اجمیر میں رہتا تھا، اس وجہ سے اجمیر اُس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا — پرتھوی راج اپنی ذات سے بڑا حوصلہ مند، منچلا، فنونِ سپہ گری میں طاق اور بہادر راجپوت تھا، اس نے بہت سی جنگوں میں نمایاں فتوحات حاصل کیں، جنھوں نے ایک صدی تک اس کے نام کو زندہ اور روشن رکھا۔ قنوج کے راجہ جے چند کی بیٹی کو سویمبر سے لے آنے کی وجہ سے وہ اُن داستانوں اور نظموں کا ہیرو بن گیا جو اب تک شمالی ہند میں گائی اور پڑھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی سپہ گری، حوصلہ مندی اور فتوحات کی بنا پر ہندوستان کے دورِ آخر کے بہادر راجپوتوں اور طاقتور فرمانرواؤں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، لیکن اس کی آخری شکست نے اسکی عظمت پر پردہ ڈال دیا، اور تاریخ ہند نے اس کا قصور معاف نہیں کیا۔ ۱۱۹۱ء (۵۸۷ھ) میں

(بقیہ ۲۶ پر)

اس فتح میں ان کی دعاؤں، توجہات اور روحانیت کا بہت بڑا حصہ تھا[1]۔

بعد کے مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان (جو ۵۸۸ھ سے ۶۰۲ھ تک جاری رہے) ابتدائی سنین ہی میں اجمیر میں جو اس وقت راجپوت طاقت و حکومت اور ہندو مذہب و روحانیت کا بہت بڑا مرکز تھا[2]، قیام اختیار

(۱ کا بقیہ حاشیہ) جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا، پرتھوی راج نے ترائن (حال تروڑی) کے مقام پر جو تھانیسر سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، ایک منظم فوج کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور سلطان کو شکست فاش دی۔ اگلے سال یعنی ۱۱۹۲ء میں سلطان نے بڑی تیاری اور نئے عزم کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ دوبارہ حملہ کیا، پرتھوی راج تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی میدان میں لایا، ۱۵۰ راجپوت راجگان اپنی فوجوں کیساتھ تھے پرتھوی راج نے شکست کھائی، گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا اور اس طرح راجپوتوں کی آزاد سلطنت اور ہندوستان کی قدیم فرمانروائی کا خاتمہ ہوا ——— (پروفیسر ایشوری پرشاد اور دوسرے مورخین باختصار)

۱ طبقات ناصری ص ۔ فرشتہ ص ۔ منتخب ص ۔

۲ اجمیر سے ۷ میل شمال پشکر، ایک مشہور مذہبی تیرتھ گاہ تھی جس کی یاترا کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے، اس کی جھیل کو جو مذہبی تقدس حاصل تھا اس میں صرف مان سروور کی جھیل اس کی ہمسری کر سکتی ہے ——— پشکر کی جھیل کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ برہما نے یہاں یگ کیا، اور یہاں پر سرسوتی اپنے پانچ دھاراؤں سے برکت ہوتی ہیں ——— (اجمیر ڈسٹرکٹ گزیٹیر ص ۱)

فرمالیا تھا۔ ابھی غوری کے حملوں نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا تھا، اور اس کی ترکتازیاں شمالی مغربی ہندوستان تک محدود تھیں کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ رائے پتھورا نے کسی مسلمان کو (جو غالباً اس کے دربار سے متعلق تھا) اذیت پہونچائی، حضرت خواجہ نے اس کی سفارش کی، پتھورا نے متکبرانہ اور توہین آمیز جواب دیا اور کہا کہ "یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور ایسی اونچی اونچی باتیں کہتا ہے جو کسی نے نہ دیکھیں نہ سنیں" حضرت خواجہ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ "ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے (محمد غوری کو) دے دیا"۔ اس کے بعد ہی محمد غوری نے حملہ کیا، پتھورا نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی[1]۔

بہرحال واقعہ کی جو ترتیب ہو اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت و استحکام سے پیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و روحانی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، یہ فیصلہ ان کی اولوالعزمی، عالی ہمتی اور جرأت ایمانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایان مذاہب و فاتحین عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال و اخلاص، ان کے توکل و اعتماد، ان کے زہد و قربانی اور ان کے درد و سوز نے ہندوستان کے لئے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کر دیا اور جو سرزمین ہزاروں برس سے صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید کی صدا سے ناآشنا تھی وہ علماء و اولیاء کی سرزمین اور علوم اسلامیہ اور کمالات دینیہ کی محافظ و امین بن گئی، وہ اس کی فضائیں اذانوں سے اور دشت و جبل اللہ اکبر کی صداؤں اور اس کے شہر و دیار قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے ایسے گونجے کہ صدیوں سے عالم اسلام گوش بر آواز ہے۔ ع جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے۔

۱ سیر الاولیاء ص ۴۵، مآثر الکرام

سیرالاولیاء کے مصنف نے بڑی صداقت وبلاغت سے لکھا ہے :۔

مملکت ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب	ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی
ہمہ دیار کفر و کافری و بت و بت پرستی بود،	کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی، اہلِ ترد
و متمردان ہند ہر یکے دعوائے انا ربکم الاعلیٰ	"انا ربکم الاعلیٰ" کی صدا لگاتے تھے
می کردند و خدائے را جل وعلا شریک میگفتند	اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو
سنگ و کلوخ و دار و درخت و ستور و گاؤ	شریک کرتے تھے، اور اینٹ، پتھر،
سرگین آں را سجدہ می کردند و بظلمت کفر	درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے
قفل دل ایشاں منظلم و محکم بود۔ ؎	کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور
ہمہ غافل از حکم دین و شریعت	مقفل تھے، سب دین و شریعت کے حکم سے
ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر	غافل، خدا و پیمبر سے بے خبر تھے، نہ کسی نے
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ	کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے
نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر	اللہ اکبر کی صدا سُنی، آفتاب اہلِ یقین
وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقیں کہ	حضرت خواجہ معین الدینؒ کے قدم مبارک کا
بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار	اس ملک میں پہونچنا تھا کہ اس ملک کی
بنور اسلام روشن و منور گشت۔ ؎	ظلمت نورِ اسلام سے مبدل ہو گئی،
از تیغ او بجائے صلیب و کلیسا	ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر
در دار کفر مسجد و محراب و منبر است	شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر
آنجا کہ بود نعرہ و فریاد مشرکاں	نظر آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں
اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر است	سے معمور تھی وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

و ہر کہ ازیں دیار مسلمان شد و تا روز قیامت	اس ملک میں جس کو دولتِ اسلام ملی
مسلمان خواہد شد و فرزندان ایشاں تا	اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے
توالد و تناسل است مسلمان خواہند	مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی
بود و آں طائفہ را کہ بہ تیغ اسلام از	اولاد در اولاد، نسل در نسل سب ان کے
دار حرب در دار اسلام خواہند آورد	نامۂ اعمال میں ہوں گے اور اس میں قیامت
الی یوم القیمۃ مثوبات آں بنار گاہ	تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرۂ اسلام
با جاہ شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی	وسیع ہوتا رہے گا قیامت تک اس کا
قدس اللہ سرہ العزیز بمتابعت حضرت	ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی
او واصل و متواصل خواہند بود	کی رُوح کو پہونچتا رہے گا۔
انشاء اللہ العزیز۔[1]	

اس طرح ہندوستان اور ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور اُن کے مخلص وعالی ہمت بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حسنات اور کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے، مولانا غلام علی آزاد نے صحیح لکھا ہے :۔

لاشک بزرگانِ چشت عنبر سرشت را حقی	اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگانِ سلسلۂ
است قدیم بر ولایت ہند[2]	چشت کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے۔

اور صاحب سیر الاقطاب کا یہ لکھنا بھی صحیح ہے :۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۴۷ ۔ [2] ماثر الکرام ص ۸ ۔

بہ ہندوستان بیُمن قدوم میمنت لزومش — ہندوستان میں انکے دم قدم کی برکت سے
طریقۂ اسلام ظاہر گشت و سیاہی کفر و — اسلام کی اشاعت ہوئی، اور کفر کی
شرک از عرصۂ روزگار بزدود[۱] —— — ظلمت یہاں سے کافور ہوئی ——

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حیات ہی میں ہندوستان کی سیاسی مرکزیت اور اقتدار اجمیر سے دہلی منتقل ہوگیا، اور اجمیر نے اپنی اہمیت بہت کچھ کھودی۔ خواجہ بزرگؒ نے دہلی میں اپنے جانشین، خلیفۂ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بٹھایا اور خود اجمیر ہی میں مقیم رہے جہاں تبلیغ و ارشاد اور تعلیم و تربیت اور مشغولی بحق میں اپنی بقیہ زندگی پوری کردی، کسی قدیم تاریخی ماخذ میں ان تبلیغی مساعی کی تفصیلات اور ان کے نتائج و اثرات کا مستند و معین طریقہ پر تذکرہ نہیں ملتا، عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر و عظیم تعداد میں بندگانِ خدا نے اُن سے ایمان و احسان کی دولت پائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے ——— ابو الفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے :———

عزلت گزین باجمیر شد و فراواں چراغ — اجمیر میں عزلت گزیں ہوئے اور اسلام کا چراغ
برافروخت، واز دم گیرائے او گروہا گروہا — بڑی آب و تاب سے روشن کیا، انکے انفاس قدسیہ سے
مردم بہرہ برگرفتند[۲] —— — جوق در جوق انسانوں نے ایمان کی دولت پائی۔

تقریباً نصف صدی ارشاد و تلقینِ اسلام کی اشاعت اور دعوتِ اسلام و اہل قلوب کی

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۰۱
[۲] آئین اکبری (سر سید اڈیشن) ص ۲۷۰

تعلیم و تربیت اور یادِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ سال کی عمر میں ۶۳۳ھ[۱] میں اس وقت رحلت فرمائی جب ہندوستان میں اُن کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دارالحکومت دہلی میں ان کا جانشین و تربیت یافتہ شیخ وقت (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ارشاد و ہدایت کے کام میں سرگرم و منہمک تھا، اور ان کا عقیدت مند و حلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع و استحکام اور عدل گستری و خلق پروری میں مشغول تھا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

خواجہ قطب الدین بختیارؒ قصبۂ اوش[۲] (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے، ڈیڑھ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے تربیت کی۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے، مولانا ابو حفص اوشیؒ سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد کا سفر کیا، وہاں اُس خضرِ طریقت سے ملاقات و ملازمت کا شرف حاصل ہوا جس کی رہبری سے کمال و تکمیل کے مدارج تک پہونچنا مقدر تھا اور جس کے ہاتھوں اور جس کی شرکت میں ہندوستان میں اسلام کا "چشمۂ حیواں" جاری ہونا تھا، فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کی تاریخی و بابرکت مسجد میں ممتاز و جلیل القدر علماء و شیوخ کی موجودگی میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شیخ کے حکم و ہدایت سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا جو نوخیز و وسعت پذیر اسلامی سلطنت کا دارالحکومت تھا، اور جو ایک طرف عالی ہمت سلطان

[۱] سنہ وفات میں اختلاف ہے، عام طور پر تین سنہ لکھے گئے ہیں: ۶۳۳ھ، ۶۳۲ھ، ۶۳۶ھ۔ صاحب سیر الاقطاب نے آفتاب ملک ہند سے سنہ وفات ۶۳۳ھ استخراج کیا ہے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے بھی یہی سنہ وفات مانا ہے۔ ۱۲

[۲] یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ وہ فرغانہ کے نواحی میں ایک بڑا شہر ہے۔

بادشاہوں کی قدردانی و جوہر شناسی کی وجہ سے، دوسری طرف تاتاری حملوں کی بناء پر علماء و شرفاء و اہلِ کمال کا ملجا و ماویٰ بن گیا تھا، اور عالمِ اسلام کا جوہر وہاں منتقل ہو رہا تھا۔

سلطان شمس الدین التمش نے شایانِ شان پذیرائی کی، آپ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا، اور سلطان کی کسی پیشکش (دیہہ و جاگیر) کو قبول نہ فرمایا، اور پہلے کیلوکھری میں پھر ملک عزالدین کی مسجد کے قریب فقیرانہ و درویشانہ زندگی اختیار کی[۱]۔ سلطان برابر عقیدت کیساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا، اور اس کی عقیدت برابر ترقی کرتی رہی، اہلِ شہر کا ایسا رجوعِ عام ہوا کہ شیخ الاسلام وقت شیخ نجم الدین صغریٰ کو کبیدگی اور شکایت پیدا ہو گئی۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے خلیفہ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے تو شیخ نجم الدینؒ نے جو اُن کے قدیم دوست تھے شکایت کی، حضرت خواجہؒ نے اپنے مرید رشید سے فرمایا:——

بابا بختیار ہم یکبار چنیں مشہور شدی کہ	بابا بختیار اتنی جلدی ایسے مشہور ہو گئے کہ
خلق از دست تو شکایت کردن گرفت	بندگانِ خدا کو تم سے شکایت پیدا ہونے لگی،
ازیں جا برخیز و در اجمیر بیا و بنشیں من	یہاں سے چلو اور اجمیر آؤ وہاں قیام اختیار
پیش تو بایستم[۲]۔	کرو، میں تمھارے سامنے (خادمانہ) کھڑا رہوں گا۔

شیخ نے وہ ارشاد فرمایا جو ایک ایسے عالی تربیت شیخ کو فرمانا چاہیے جو کمالِ اخلاص و ربانیت کو پہونچ چکا تھا، مردانِ راہ و واصلینِ بارگاہ ادنیٰ مخلوق کی شکایت و آزردگی کو گناہ سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ شیخ الاسلام کی کبیدگی کو، پھر آپ مرکزِ اسلام میں انتشار و پراگندگی کو پسند نہیں کرتے تھے جس کا اس رنجش سے خطرہ تھا، آپ نے لطیف طریقہ پر یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ اگر یہاں کے اہلِ فضل

۱؎ فرشتہ ج ۲ ص ۳۷ ۲؎ سیرالاولیا ص ۵۳

تمھاری قدر و منزلت اور مقام سے واقف نہیں تو میں تو واقف ہوں اور یہ کہ یہاں خادم و مخدوم و شیخ و مرید کا کوئی امتیاز نہیں وہاں تم مخدومانہ رہو گے میں خادمانہ —— خواجہ قطب الدینؒ نے وہی جواب دیا جو ایک مرید رشید کو دینا چاہیے تھا، عرض کیا:——

مخدوم مرا چہ محل آں باشد کہ پیش	مخدوما! میں تو آپکے سامنے کھڑے ہونے کا
مخدوم تو انم ایستاد فکیف بنشینم[۱]	بھی اہل نہیں بیٹھنے کی کیا مجال؟۔

شیخ نے اجمیر چلنے کا حکم دیا اور مرید صادق بے چون و چرا و بلا تامل تیار ہو گیا، لیکن جب شہر کے باہر قدم نکالا تو شیخ کو معلوم ہو گیا کہ یہ مقبولیت و ہر دلعزیزی من جانب اللہ ہے اس میں نفسانیت و انانیت کو دخل نہیں، اور یہ کہ اُن کے مرید رشید نے ساری دلی کو اپنا عاشق و پروانہ بنا لیا ہے:—

شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردید	خواجہ قطب الدین اپنے شیخ کیساتھ اجمیر روانہ
ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شورا فتاد	ہوئے اس اطلاع سے شہر دہلی میں ایک شور
ہمہ اہلِ شہر مع سلطان شمس الدین	برپا ہو گیا، اہلِ شہر مع سلطان شمس الدین
دُنبال برآمدند ہرجا شیخ قطب الدین	شہر سے نکل کر آپ کے پیچھے ہو لئے، جہاں
قدم می گذاشت خلائق خاک آں زمین	خواجہ قطب الدین کا پاؤں پڑتا تھا لوگ خاک پاکو
بہ تبرک برمی داشت و نہایت اضطراب	تبرک بنا کر اٹھا لیتے تھے لوگ بڑے بیقرار اور
و زاری می نمودند[۲]۔	آہ و زاری میں مصروف تھے۔

ایک دل کو خوش کرنے کیلئے اور ایک جزئی مصلحت کی خاطر لاکھوں خدا کے بندوں کے دل کو مجروح و زخمی کرنا جائز نہ تھا، مرشد نے مرید رشید کو اجمیر لیجانے کا ارادہ فسخ کیا، اور فرمایا:——

۱؎ سیرالاولیا ص ۵۳ ۲؎ ایضاً ص ۵۳

بابا بختیار، ہمدریں مقام باش کہ خلائق از	بابا بختیار! تم یہیں رہو، اسلئے کہ خدا کی اتنی
بیرون آمدن تو در اضطراب و خراب است	مخلوق تمھارے باہر جانے سے تباہ حال ہے
روا ندارم کہ چندیں دلہا خراب و کباب	میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل دکھائے
باشند، برو ایں شہر را در پناہ تو	اور جلائے جائیں، جاؤ ہم نے اس شہر کو
گذاشتیم [1]	تمھاری پناہ میں چھوڑا۔

سلطان شمس الدین نے جس کا دار الحکومت اس نعمت سے محروم ہوا جا رہا تھا، شیخ کا شکریہ ادا کیا، اور خواجہ قطب الدینؒ شہر دہلی واپس آئے، اور خواجہ معین الدینؒ اجمیر واپس ہوئے۔

خواجہ قطب الدینؒ نے دہلی واپس آکر اور اپنے بوریائے فقر پر بیٹھ کر سرگرمی سے ارشاد و تربیت کا کام انجام دینا شروع کیا۔ انھوں نے "سرکار دربار" سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں رکھا، اور نہ صرف اس کو اپنی زندگی کا اصول بنایا بلکہ اپنے سلسلہ کا اصول بنا دیا، کہ فقر و استغنا کے ساتھ اور "دربار" سے دور رہ کر اپنا کام کرنا ہے، لیکن اس بے تعلقی و بے نیازی کے باوجود عوام و خواص اور شاہ و گدا سب اُن کے عقیدت مند و حلقہ بگوش تھے

جملگی عالم از صدور و ائمہ، دعا گوئی و	ساری دنیا، اعیان و اکابر دعا گوئی اور
معتقدی نہادند [2]	نیاز مندی میں مصروف تھے۔

سلطان شمس الدین ہفتہ میں دو بار حاضری دیتا اور اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتا [3]۔ دہلی میں جو نہ صرف ہندوستان کا دار الحکومت بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت و تجدید اسلام کا نیا مرکز تھا، اور جہاں عالم اسلام کے ممتاز ترین علماء و اساتذہ، سادات و شرفا اور مشائخ و

۱ سیر الاولیاء ص۵۳ ۲ اخبار الاخیار ص۲۳ ۳ تاریخ فرشتہ ص۱۹۱

اہل سلسلہ اور دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع تھے، اشاعت طریق و تربیت قلوب اور نئی اُبھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کی رہنمائی کا کام اپنے دامن فقر و استغنا کو ذرہ برابر آلودہ اور ترکئے بغیر انجام دینا بڑا نازک اور مشکل تھا، اور اس کے لئے پہاڑ کی سی استقامت اور ہوا کی سی سُبک روی اور سُبک گامی کی ضرورت تھی جس سے کسی شیشے کو ٹھیس نہ لگے۔ خواجہ صاحبؒ نے بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس نازک اور دشوار کام کو انجام دیا۔ اُن کو اس خدمت کے لئے طویل زمانہ نہیں ملا، اپنے شیخ کے بعد تو مشکل سے ۴، ۵ سال وہ زندہ رہے [1] لیکن ان کی ذات سے ہندوستان میں نہ صرف سلسلۂ چشتیہ کی بُنیاد پڑ گئی، بلکہ جن مقاصدِ عالیہ کے لئے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے ہندوستان کو اپنے قیام اور کام کے لئے انتخاب کیا تھا وہ صدیوں کیلئے محفوظ ہو گئے۔

ابھی اُن کی عمر ۵۰ سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ عشق و محبتِ الٰہی کی وہ آگ جس کو اُنھوں نے صبر و ضبط کے فانوس میں مقید اور ہدایت و تربیتِ خلق کی مصلحت سے مغلوب کر رکھا تھا بھڑکی، اور جذبِ الٰہی کا غلبہ ہوا ؎

صدائے تیغ تو آمد، بزم زندہ دلاں
کدام سر کہ در و ذوق ایں سرود نماند

ایک مرتبہ شیخ علی سگزی [2] کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی، قوال نے شعر پڑھا ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

۱ اگر حضرت خواجہ معین الدینؒ کا سنہ وفات ۶۲۷ھ بھی تسلیم کر لیا جائے تو خواجہ قطب الدینؒ کو انکے بعد صرف ۶ سال ملتے ہیں۔
۲ بعض تذکروں میں سجزی درج ہے۔ ۱۲

خواجہ قطب الدینؒ پر وجد طاری ہوگیا، خانقاہ سے قیام گاہ پر تشریف لائے وہی مدہوشی اور تحیّر کا عالم تھا، اُسی شعر کی فرمائش تھی، فرمائش کی تعمیل کی جاتی تھی، چار شبانہ روز عالمِ تحیّر میں رہے، لیکن جب نماز کا وقت آتا ہوش آجاتا، نماز ادا کرتے، پھر اُسی شعر کی فرمائش کرتے، شعر پڑھا جاتا اور عالمِ تحیّر میں چلے جاتے پانچویں رات کو انتقال کیا[1]۔ یہ واقعہ ۶۳۳ھ کا ہے[2]۔

انتقال سے پہلے عید کے روز عید گاہ سے قیام گاہ کی طرف واپس آرہے تھے کہ ایک ایسے میدان سے گزر ہوا جہاں کوئی قبر یا آبادی نہ تھی، خواجہؒ وہاں ٹھہر گئے، اور دیر تک کھڑے رہے۔ کسی خادم نے عرض کیا کہ :۔ عید کا دن ہے اور خلقت منتظر، آپ نے یہاں کیوں توقف فرمایا؟ " ارشاد ہوا :۔ " مرا از زمین بوئے دلہا می آید " (مجھے یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے)۔ دوسرے وقت زمین کے مالک کو بُلا کر اپنے صرفِ خاص سے اُس کو خرید فرمایا، اور اُس کو اپنے دفن کیلئے تجویز کیا، وہیں مدفون ہوئے[3]۔

حضرت خواجہؒ کے خلفاء کی تعداد (جن کے نام تذکرہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں) ۱۰۹ سے کم نہ تھی، لیکن آپ کی جانشینی اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کے کاموں اور مقاصد کی تکمیل و توسیع کی سعادت حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے حصے میں آئی۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ

جس طرح حضرت خواجہ معین الدینؒ ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے مؤسّس و بانی ہیں خواجہ فرید الدینؒ اس کے مجدد اور اس سلسلہ کے آدمِ ثانی ہیں۔ آپ ہی کے دو خلفاء سُلطان المشائخ حضرت خواجہ

[1] سیر الاولیاء بروایت حضرت خواجہ نظام الدینؒ۔

[2] بعض تذکروں میں ۶۳۴ھ بجائے ۶۳۳ھ کے۔

[3] سیر الاولیاء بروایت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (مشہ)۔ اب یہ جگہ قطب صاحب کے نام سے مشہور ہے۔

نظام الدین دہلویؒ اور حضرت شیخ علاء الدین علی صابر پیران کلیریؒ کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیلا، اور اُن کے خلفاء و اہلِ سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ و قائم ہے۔ ع

گنج و گنجخانہ با مہر و نشان است

حضرت خواجہؒ کا نام مسعود لقب فرید الدین تھا، عام طور پر گنج شکر کے لقب سے مشہورِ عالم ہیں[1]۔ آپ نسباً فاروقی ہیں، جد بزرگوار قاضی شعیب تاتاریوں کے ہنگامہ میں کابل سے لاہور تشریف لائے، کچھ عرصہ قصور میں قیام فرمایا، قصبۂ کھینوال کی قضاۃ و جاگیر عطا ہوئی۔ یہیں ۵۶۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ صغر سنی میں ملتان کا سفر کیا (جو اُس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا علمی و دینی مرکز تھا) شہر کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب " النافع " پڑھی، وہیں ۵۸۴ھ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت ہوئی اور اُن سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ فرید الدینؒ آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ تعلیم کے سلسلہ کو خیر باد کہہ کر ہم رکاب ہو جانے کا عزم کیا، شیخ کامل نے منع کیا اور تکمیل کی ہدایت کی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جاکر علوم کی تکمیل کی[2]۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخؒ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ شیخؒ نے ان کے قیام کیلئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی، جہاں وہ ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہوگئے، سلوک کی تکمیل کے بعد

[1] اس لقب کی حقیقت و تاریخ میں مختلف اقوال ہیں، یقین کیساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

[2] راحت القلوب میں جو آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اس سفر اور دوسری سیاحتوں کی بڑی تفصیل موجود ہے لیکن چونکہ اس کتاب کی نسبت صحیح نہیں ہے اس پر اعتماد نہیں کیا گیا، بعض دوسری کتابوں میں بھی بعض دوسری تفصیلات ہیں۔ ۱۲

خلافت سے سرفراز ہوئے، اور شیخ کی اجازت سے ہانسی میں قیام اختیار کیا، جو اُن کے ایک مخلص (جو بعد میں خلفائے کبار میں ہوئے) شیخ جمال الدین خطیب ہانسی کا وطن تھا۔ شیخ کا انتقال ہوا تو وہ ہانسی میں تھے، انتقال کے تیسرے روز دہلی پہونچے، مزارِ شیخ پر فاتحہ پڑھی۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے شیخ کی وصیت کے مطابق اُن کا خرقہ اور دوسری امانتیں سپرد کیں، یہ گویا جانشینی کا اعلان تھا۔ شیخؒ نے دوگانہ پڑھ کر اس کو زیب تن کیا اور شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی کی آمد اور شیخؒ کی جانشینی کا تیسرا روز تھا کہ ہانسی سے آپ کا ایک آشنائے قدیم و معتقد سرہنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا، خادموں نے اندر جانے نہیں دیا، معتقدین و خدام کے ہجوم سے اس بے دیش کو ملاقات میسر نہ آئی، منتظر تھا کہ ایک روز حضرت شیخؒ باہر تشریف لائے، سرہنگا قدموں پر گر گیا، اور رو کر کہا کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا، اب یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں! شیخؒ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھے کہ تنبیہ غیبی ہے، دہلی میں سکونت عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں، اپنی مزید تکمیل و ترقی مطلوب تھی۔ آپ نے اسی وقت اپنے دوستوں سے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدینؒ نے تو آپ کو اس جگہ پر بٹھایا ہے آپ کہاں جاتے ہیں؟۔ فرمایا کہ:۔ پیرؒ نے اپنی امانت سپرد کر دی ہے، شہر میں رہوں یا بیابان میں وہ ساتھ ہے۔[1]

ہانسی کا قیام اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہاں سکون اور گمنامی رہے گی۔ یہاں خواجہ قطب الدینؒ کے ایک مرید مولانا نور ترک کی وجہ سے (جنھوں نے اہلِ ہانسی کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کر دیا) آپ کی شہرت ہو گئی اور خلق نے ہجوم کیا۔ آپ نے کھتوال کا رُخ کیا جو وطن قدیم تھا۔ کھتوال ملتان سے

[1] سیر الاولیاء (ص[illegible])

قریب تھا، اور اُن کی شہرت اور عظمت کا آوازہ اب دُور دُور بلند ہو رہا تھا۔ آپ نے اجودھن[1] کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ:۔ وہاں کے لوگ دیر اعتقاد اور ناآشنا ہیں اور جگہ بھی غیر معروف ہے۔ لیکن یہاں بھی بہت جلد رجوع شروع ہو گیا، اور خلائق نے ہر طرف سے ہجوم کیا، آفتابِ شہرت و عظمت نصف النہار پر تھا اور اُس کی شعاعیں دُور دُور پہونچ رہی تھیں، اور طالبین خدا کے قلوب کو گرم کر کے کھینچ کھینچ کر لا رہی تھیں۔ تھوڑے دنوں میں مرجعیت یہاں تک بڑھی کہ آنے والوں کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آتا، آدھی رات تک دروازے کھلے رہتے۔

ابتدائے قیام میں عرصہ تک نہایت تنگی اور عُسرت و فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گذاری۔ پیلو کے پھل اُبال لئے جاتے اور اُن میں کچھ نمک ڈال کر فقراء کو تقسیم کر دیئے جاتے اور خود بدولت اپنے مہمانوں اور خادموں کے ساتھ تناول فرماتے۔ توکل و تجرید کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ افطار کیلئے لقمہ اُٹھایا، فرمایا:۔ اس میں کچھ بے اصلی معلوم ہوتی ہے؟۔ خادم نے عرض کیا کہ:۔ نمک نہ تھا، ایک دانگ کا نمک قرض لیکر ڈال دیا، فرمایا، تم نے بے اصولی کی، میرے لئے اس کا کھانا روا نہیں۔[2] کچھ عرصہ کے بعد یہ حال ہوا کہ دن رات مطبخ شاہی گرم رہتا اور آدھی رات گئے تک کھانے والوں کا سلسلہ رہتا، جو آتا اس خوانِ نعمت سے حصہ پاتا۔ جو شخص بھی آتا کسے باشد اپنا حصہ پاتا۔[3]

شفقت و دلداری سب کے ساتھ یکساں تھی۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ:۔ عجب قوت اور عجب طرزِ زندگی تھا جس کا تحمل کسی سے ہونا آسان نہیں۔ نئے آنے والے جو کبھی نہیں آئے، اور دیرینوں کے ساتھ رہنے والے سب کے یکساں لطف و مہربانی اور توجہ و التفات کے ساتھ پیش آتے،

[1] اجودھن کو اب پاک پٹن کہتے ہیں، اور وہ ضلع منٹگمری پاکستان کا ایک قصبہ ہے۔
[2] سیر الاولیاء (ص۶۶)۔ [3] ایضاً (ص۶۷)۔

مولانا بدر الدین اسحٰق فرماتے ہیں کہ :- "میں خادم خاص تھا جو بات کہنی ہوتی مجھ سے فرماتے تھے، خلوت و جلوت میں یکساں حال تھا، ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہ تھا۔ برسوں خدمت کرنے اور ساتھ رہنے کے باوجود کوئی تفاوت نہ دیکھا۔"[1]

ایک بار سلطان ناصر الدین محمود کا پورا لشکر جو بادشاہ کے اوچ اور ملتان کے سفر میں ہمرکاب تھا، خواجہؒ کی زیارت کیلئے اجودھن حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ :-

"ہجوم قابو سے باہر تھا، آخر کار خدام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت خواجہؒ کے پیراہن کی آستین بالاخانہ سے لٹکا دی۔ اہل لشکر آتے تھے اور اُس کو بوسہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ آستین تار تار ہوگئی۔ مجبوراً آپ مسجد میں تشریف لائے اور خدام سے فرمایا کہ :- میرے گرد حلقہ بنالو، کوئی اس حلقہ کے اندر نہ آنے پائے۔ لوگ آتے تھے اور حلقہ کے باہر کھڑے ہو کر سلام کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔ اچانک ایک بوڑھا فراش حلقہ توڑ کر اندر آگیا اور شیخ کے پاؤں پر گر گیا، پاؤں پکڑ کر بوسہ لیا اور کہا :- شیخ فریدؒ! تنگ آگئے، اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا اس سے زیادہ شکریہ ادا کرو۔ شیخ نے یہ سُنکر نعرہ مارا، اور اُس فراش کو بہت نوازا، اور اُس سے معذرت کی۔"[2]

سُلطان ناصر الدین نے خود حاضری کا قصد کیا۔ نائب السلطنت غیاث الدین بلبن نے جو ہمرکاب تھا عرض کیا کہ :- "لشکر بہت ہے اور اجودھن ایک بے آب و گیاہ مقام ہے، اگر فرمان ہو تو میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں، اور جہاں پناہ کی طرف سے معذرت اور ہدیہ و فتوح پیش کروں۔" چنانچہ کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لیکر حاضر ہوا، اور نقد اور فرمان پیش کیا۔ شیخؒ نے فرمایا: "یہ کیا ہے؟" غیاث الدین نے کہا کہ :- "یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمان سلطانی ہے۔" شیخؒ نے تبسم فرمایا، اور کہا کہ :-

[1] سیر الاولیاء ص [illegible] [2] ایضاً ص [illegible]

"نقد تو ہم کو دے دو اور فرمان واپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں" یہ کہہ کر ساری رقم اُسی وقت درویشوں میں تقسیم کر دی۔[1]

سلطان غیاث الدین حضرتؒ سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا، دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرتؒ کی دُعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا، حضرت خواجہؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار سے ایک سفارشی رقعہ لکھا، جو سفارش و بے نیازی کا عجب مجموعہ ہے، فرماتے ہیں :-

"میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دینگے تو حقیقی عطا کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے، اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا آپ معذور ہوں گے۔"[2]

حضرت شیخ فرید الدینؒ کے اپنے نامور معاصرین اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ کبار سے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور وہ اُن کے پورے مرتبہ شناس اور قدردان تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ جو سلسلۂ سہروردیہ کے نامور شیخ اور ہندوستان کے عظیم ترین رُوحانی پیشواؤں اور داعیوں میں گذرے ہیں، ان کے ہم عصر تقریباً ہم عمر تھے۔[3] دونوں کے بڑے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے، اور آپس میں بہت دلچسپ اور بے تکلفی کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ شیخ فرید الدینؒ شیخ بہاء الدین کو "شیخ الاسلام" کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔

[1] سیر الاولیاء ص [illegible] و ص [illegible]۔ [2] اخبار الاخیار۔ اصل رقعہ فصیح عربی میں ہے۔

[3] شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت سنہ ۵۶۶ھ کی ہے اور شیخ کبیر کی ولادت سنہ ۵۶۹ھ کی۔

دونوں کے خلفاء اور مریدین بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑے خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ایک دوسرے کا اعتراف اور بزرگ داشت کرتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ اور شیخ کبیرؒ کے خلیفہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان بڑی محبت اور گہرا تعلق تھا۔

حضرت خواجہ فریدالدینؒ کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وہ ذوق و شوق درد و عشق اور جذب الٰہی و خدامستی ہے جس نے حضرت خواجہ نظام الدین و حضرت علاء الدین علی صابر جیسے عاشقوں اور دردمندوں کی تربیت کی، اور جو اجودھن کی اس دکانِ عشق کا خاص سودا تھا۔

حضرت خواجہ نظام الدینؒ ایک روز کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ کبیرؒ (حضرت خواجہ فریدالدینؒ) حجرے میں تھے، سر برہنہ تھا اور چہرے کا رنگ متغیر، حجرے میں والہانہ کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے۔ ؎

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم

مقصود من خستہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گذرے، مجھ مسکین و بیچارے کا دونوں جہان میں مقصود آپ ہی ہیں آپ ہی کے لئے جیتا ہوں، آپ ہی کے لئے مرتا ہوں)۔

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے پھر یہی شعر پڑھتے تھے اور حجرے کا چکر لگاتے تھے پھر سجدے میں پڑ جاتے تھے، دیر تک یہی کیفیت رہی۔[1]

[1] سیر الاولیاء ص۱۲۳

خشیت و رقت کا بڑا غلبہ تھا، کوئی عبرت انگیز و رقت خیز بات سنتے یا مجلس میں کوئی عاشقانہ شعر پڑھا جاتا یا کسی بزرگ کا کوئی مؤثر واقعہ سنتے تو بے اختیار روتے، بعض اوقات دھاڑیں مار کر روتے، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا اور دونوں چیزوں (روزہ اور حفظ قرآن) کی اپنے خلفائے خاص و مریدانِ با اختصاص کو وصیت و تاکید فرماتے تھے۔[1]

سماع کا بڑا ذوق تھا کسی نے کہا کہ علماء کو اس میں اختلاف ہے۔ فرمایا:۔

سبحان اللہ یکے سوخت و خاکستر شد — سبحان اللہ! ایک جل بھی اور راکھ بھی ہو گیا

دیگرے ہنوز در اختلاف است۔[2] — دوسرا ابھی اختلاف ہی کر رہا ہے۔

ساری زندگی کا اصول اہلِ دول و اربابِ حکومت سے بے تعلقی، کنارہ کشی، اخفائے حال اور درویشانہ زندگی تھا۔ اپنے مشائخ کرام کا مسلک جان کر اور اسی میں خلوص کی حفاظت اور طریقہ کی اشاعت کا راز سمجھ کر اس روش پر سختی اور مضبوطی سے قائم تھے۔ ان کے ایک برادر طریقت شیخ بدرالدین غزنویؒ نے (جو حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے خلفائے کبار میں سے تھے) بعض اعیانِ سلطنت سے خصوصی تعلق رکھا تھا، اور اس نے اُن کے لئے دہلی میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور اُن کی مخصوص طریقے پر خدمت کرتا تھا۔ انقلاب روزگار سے جب وہ امیر عتاب شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت و کلفت پیش آئی، آپ نے شیخ کبیرؒ سے دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے جواب میں لکھا کہ:۔

"جو اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہو گا جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا، آپ تو پیرانِ پاک کے معتقدین میں ہیں پھر اُن کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی اور اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت خواجہ قطب الدینؒ

[1] ملاحظہ ہو حالات حضرت سلطان المشائخؒ ص۱۰ [2] سیر الاولیاء ۱۲۰

اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دُکان جمائیں، اُن کا شیوہ تو گمنامی و بے نشانی تھا۔[1]

ان کے اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوعِ عام اور امرا و خواص کی عقیدت مندی کے انتقال سے پہلے پھر عسرت اور تنگی کا دور شروع ہو گیا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ۔

"حضرت شیخ شیوخ العالم کو آخر عمر میں کہ انتقال کا زمانہ قریب تھا تنگی پیش آئی، میں ماہِ رمضان میں موجود تھا اتنا تھوڑا کھانا آیا کرتا تھا کہ موجود لوگوں کو کافی نہ ہوتا تھا، کسی رات بھی میں نے ان دنوں سیر ہو کر کھانا نہ کھایا، سامان بھی جو دیکھنے میں آتا تھا بہت معمولی اور برائے نام تھا، میں جب رخصت ہونے لگا تو حضرتؒ نے خرچ کے لئے مجھے ایک سلطانی[2] عطا فرمایا۔ اُس روز مولانا بدرالدین اسحٰق کے ذریعہ پیغام پہنچا کہ آج توقف کریں کل جائیں، جب افطار کا وقت ہوا تو حضرت شیخؒ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، مجھے معلوم ہوا تو میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوا تھا، اجازت ہو تو اُس سے کچھ کھانے کا انتظام کر لیا جائے؟ حضرتؒ نے اجازت مرحمت فرمائی اور بڑی دُعائیں دیں۔"[3]

صاحبِ سیر الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی روایت سے وفات کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں :-

[1] سیر العارفین ص۳۳ ماخوذ از بزم صوفیہ [2] سکہ (غالباً اُس وقت کا روپیہ)

[3] سیر الاولیاء ص۶۶

"محرم کی پانچ تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی، عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہو گئی، ایک گھڑی کے بعد ہوش آیا تو دریافت کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پڑھ لی ہے۔ فرمایا دوبارہ پڑھ لوں کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور پھر بے ہوش ہو گئے، اس مرتبہ بیہوشی زیادہ سخت اور طویل تھی، پھر ہوش آیا اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دو بار پڑھ چکے ہیں، فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں، کون جانے کیا ہو؟ تیسری مرتبہ پھر پڑھی، اسکے بعد واصل بحق ہوئے۔"[1]

تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ[2] ہے۔ اجودھن (پاک پٹن) میں مدفون ہوئے بعد میں سلطان محمد تغلق نے گنبد تعمیر کیا۔

حضرت خواجہؒ کے پانچ فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں، فرزندوں کے نام یہ ہیں :- شیخ نصر الدین نصر اللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدرالدین سلیمان، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب۔ صاحبزادیوں کے نام :- بی بی مستورہ، بی بی فاطمہ، بی بی شریفہ۔

[1] سیر الاولیاء ص۶۹ [2] صاحب سیر الاولیاء نے متعدد مقامات پر ۶۶۹ھ کے ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو حضرت خواجہؒ کی زندگی سے متعلق ہیں، بعض مقامات پر حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی تحریر کا حوالہ ہے کہ حضرت خواجہؒ نے مجھ سے یہ فرمایا، فلاں ہدایت کی، اگر ان سنین کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو سنہ وفات ۶۶۴ھ جو عام طور پر مشہور اور زیادہ تر کتابوں میں مذکور ہے مشکوک ہو جاتا ہے، اور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت خواجہؒ کی وفات اسکے بعد ہوئی، بعض دوسری کتابوں میں بعد کے سنین درج ہیں ان میں قرین قیاس ۶۷۰ھ ہے، جو خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخزن الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے۔

حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد ان کے تیسرے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمانؒ باپ کے سجادہ پر بیٹھے، اُن کے فرزند و سجادہ نشین شیخ علاء الدین اجودھنیؒ تقدس و اتقا میں مشہور تھے۔ محمد تغلق بھی اُن کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوگیا تھا۔[1] اللہ تعالیٰ نے رُوحانی سلسلہ کی طرح حضرت خواجہؒ کی اولاد اور خاندان کو بھی بڑی برکت عطا فرمائی، ہندوستان کے مختلف حصوں میں یہ خاندان آباد ہے اور بالعموم فریدی کہلاتا ہے۔

حضرت خواجہؒ کے خلفاء میں پانچ حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ شیخ بدرالدین اسحٰقؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ علی احمد صابرؒ، اور شیخ عارفؒ۔

شیخ جمال الدین (احمد بن محمد) خطیب ہانسوی حضرت خواجہؒ کے بڑے عزیز خلیفہ و معتمد خاص تھے، انہیں کی خاطر حضرت خواجہؒ نے ۱۲ سال ہانسی میں قیام فرمایا تھا، آپ جب کسی کو خلافت نامہ لکھ کر دیتے تھے تو فرماتے تھے کہ ہانسی جاکر شیخ جمال الدین کو دکھا دینا، اگر شیخ جمال الدین صاد فرماتے تو آپ بھی اس کو قبول کرتے اگر وہ نامنظور فرماتے تو آپ بھی نامنظور فرماتے، اور فرماتے کہ جمال کا پھاڑا ہوا سیا نہیں جا سکتا فرماتے تھے کہ جمال میرا جمال ہے۔[2]

شیخ جمال الدین نے اپنے شیخ کی زندگی میں ۶۵۹ھ میں انتقال کیا۔ شیخ قطب الدین منور (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عزیز خلیفہ) ان کے پوتے ہیں۔

شیخ بدرالدین اسحٰق بن علیؒ سادات بخارا میں سے تھے حضرت خواجہ فریدالدینؒ کے خلیفہ، خادم اور داماد تھے حضرت خواجہ نظام الدینؒ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اپنے شیخ کی صحبت و تعلیم کا نمونہ تھے

[1] سیرالاولیاء، ص ۱۹۶

[2] نزہۃ الخواطر ماخوذ از سیرالاولیاء و اخبارالاخیار وغیرہ۔

آنکھیں ہمیشہ پُر آب رہتی تھیں، رقت کا بڑا غلبہ تھا جس سے ضعف بصارت ہوگیا تھا کسی نے کہا کہ آپ ذرا آنسو روکیں تو میں آپ کے استعمال کے لئے سرمہ بنا دوں؛ فرمایا کہ آنکھوں پر میرا قابو نہیں، اُن کی عبادت و ریاضت کو دیکھ کر شیخ کبیرؒ کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ نہایت جید الاستعداد اور فاضل اجل تھے۔ مُدت تک دہلی کی مشہور درسگاہ مدرسۂ معزیہ میں درس دیا، تکمیل علم کیلئے بخارا تک کا سفر کیا، فارسی و عربی میں بے تکلف و آبدار شعر کہتے تھے، مضامین علیہ کو نظم کرنے کی خاص قدرت تھی، صرف کے مسائل میں ایک منظوم رسالہ ہے۔ خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے امام نماز تھے، انھیں کے صاحبزادے تھے، ۶ جمادی الاخریٰ ۶۹۰ھ میں وفات پائی۔[1]

شیخ عارف کو حضرت خواجہؒ نے خلافت دے کر سیوستان روانہ کیا تھا، انھوں نے حضرت خواجہؒ کو خلافت نامہ واپس کیا اور عرض کیا کہ یہ کام بہت نازک ہے، یہ مسکین اس کارِ عظیم کا اہل نہیں، مجھے آپ کی دُعا اور عنایت کافی ہے، پھر آپ کی اجازت سے حج بیت اللہ کو گئے اور واپس نہ آئے۔[2]

شیخ کبیر علاء الدین علی بن احمد صابر نسباً اسرائیلی تھے، ترک و تجرید اور زہد و مجاہدہ میں انکی نظیر نہ تھی پیران کلیر میں عرصہ تک عبادت و افادہ میں مشغول رہ کر ۱۳ ربیع الاول ۶۸۹ھ یا ۶۹۰ھ میں وفات پائی، حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی آپ ہی کے خلیفہ تھے۔[3]

[1] نزہۃ الخواطر ج ۱۔

[2] سیرالاولیاء ص ۱۸۲ و ص ۱۸۵

[3] نزہۃ الخواطر ج ۱۔ عجیب بات ہے کہ شیخ علی احمد صابر کے حالات سے معاصر تذکرے اور تاریخیں خاموش ہیں، سیرالاولیاء میں امیر خورد نے ان کا تذکرہ ضمناً اس طرح کیا ہے کہ (بقیہ ص ۴۸ پر)

سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدینؒ پہلے چشتی شیخ ہیں جن کے اثرات اُنکی زندگی میں سارے ہندوستان میں پھیلے اور جنھوں نے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ اور ہر طبقہ کو متأثر کیا، اور حکومت سے لیکر عوام و غربا تک کو اپنے حلقۂ عقیدت و اثر میں لیا۔ اسی کے ساتھ وہ

(صٓ۴۷ کا بقیہ حاشیہ) اشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو شبہ ہے کہ یہ حضرت شیخ علی احمد صابر پیران کلیری کا تذکرہ ہے یا اسی نام کے کسی اور بزرگ کا۔ امیر خورد لکھتے ہیں:۔

بندہ از خدمت والد خود رحمۃ اللہ علیہ سماع دارد	بندہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ
کہ درویشے بود بزرگ صاحب نعمت کہ او را شیخ	ایک عالی مرتبہ درویش تھے جن کو شیخ علی صابر
علی صابر گفتندے، در درویشی قدمے ثابت و نفسے	کہتے تھے، درویشی میں راسخ اور صاحب نسبت و تاثیر
گیرا داشت و ساکن قصبۂ دیگری بودے و پیوند بخدمت شیخ	قصبہ دیگری کے رہنے والے تھے۔ حضرت شیخ
شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز داشت	فرید الدینؒ سے نسبت ارادت رکھتے تھے، اور
و او از حضرت شیخ شیوخ العالم اجازت بیعت بود (ص۱۸۵)	آپنے اُن کو اجازت بیعت دے رکھی تھی۔

معاصر یا زمانہ قریب کے تذکروں میں خواہ اُن کا تذکرہ بالکل نہ ہو یا سرسری و مختصر ہو اُن کے سلسلہ کے مشائخ کبار کے حالات اُن کا علوشان، اُن کے علوم و مقامات، اہل بصیرت کا اس سلسلہ کی مقبولیت پر اتفاق اور عالم میں اُسکے فیوض و برکات و آثار شاہد ہیں کہ بانی سلسلہ نہایت عالی نسبت، عالی مقام، اور عنداللہ مقبول تھے، اس سے بڑھ کر خود تاریخ کی شہادت بھی نہیں ہو سکتی اور نہ تاریخ کی یہ پہلی غفلت اور چوک ہے، زمانۂ سابق میں بھی بہت سی باکمال شخصیتیں تاریخ کی تیز نگاہوں سے بچ گئیں اور زاویہ خمول میں رہیں۔

اس سلسلہ (صابریہ چشتیہ) میں بڑے نامور مشائخ، عارف و محقق و مصلح پیدا ہوئے مثلاً حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردولویؒ جن کی ذات بابرکات کو بعض اہل نظر نے نویں صدی کا مجدد بھی شمار کیا ہے (بقیہ صٓ۴۹ پر)

ہندوستان کے پہلے شیخ طریقت اور مرشد روحانی ہیں جن کے حالات سب سے زیادہ تفصیل و وضاحت اور استناد کے ساتھ ملتے ہیں، ان کے مشائخ نے نہ کوئی تصنیف کی نہ اُن کے خلفا نے اپنے شیوخ کے ملفوظات و حالات جمع کئے، نہ انھوں نے اپنے شیخ کے ملفوظات و حالات کا کوئی مجموعہ تیار کیا،[۱] لیکن اُن کے ملفوظات و حالات جمع کرنے کا

(صٓ۴۸ کا بقیہ حاشیہ) حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادیؒ، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔ ہمارے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ سے حفاظت و تجدید دین کا عالمگیر کام لیا، اور اس وقت سب سے زیادہ وسیع متحرک و فعال یہی سلسلہ ہے دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم کی تعلیمی خدمت اور مولانا تھانویؒ کی تصنیفات و مواعظ سے اور پھر آخر میں مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک دعوت و تبلیغ سے اس سلسلہ کے فیوض عالمگیر ہوئے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں صحیح لکھا ہے کہ:۔

"گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا" (ص۲۳۴)۔

آج بھی رائے پور میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی خانقاہ سلسلۂ چشتیہ کی قدیم خانقاہوں کی یکسوئی، سرگرمی، یادِ حق کی مشغولی اور درد و محبت کی گرم بازاری کی یاد تازہ کرتی ہے۔ (افسوس ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد یہ خانقاہ بھی گزشتہ خانقاہوں کی فہرست میں شامل ہو گئی، کل شیئ ھالک الا وجھہ۔ ع
عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

[۱] حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ملفوظات خیر المجالس میں ہے:۔ فرمایا میرے حضرت (بقیہ ص۵۰ پر)

خاص اہتمام کیا گیا، اِس سلسلہ میں دو بڑے قیمتی و مستند ماخذ ہیں، ایک فوائد الفواد جو امیر حسن علا سجزی (م ۷۳۷ھ) کی تالیف ہے۔ حضرت خواجہؒ نے اس کو لفظاً لفظاً سُنا اور تحسین فرمائی اور حضرت خواجہؒ کے اصحاب و خدام نے اس کی صحت کو عام طور پر تسلیم کیا اور حرزِ جاں بنایا۔[1] دوسرا سیر الاولیا جو امیر خورد سیّد محمد مُبارک علوی کرمانی (م ۷۷۰ھ) کی تصنیف ہے۔ امیر خورد خورد سالگی میں حضرت خواجہؒ سے بیعت ہوئے اور ان کی صحبت کی سعادت حاصل کی، پھر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے رجوع کیا، اُن کے والد نورالدین مبارک بن سیّد محمد کرمانی (م ۷۲۹ھ) حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے رفیق قدیم اور مخلص و بے تکلف دوستوں میں تھے، اس کتاب میں زیادہ تر ان سے روایت ہے۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے بھی سُنی ہوئی بہت سی باتیں درج ہیں، اپنے چشم دید حالات اور سُنے ہوئے ملفوظات بھی ہیں، حضرت خواجہؒ کے حالات و سوانح اور ان کے خلفائے کبار کے حالات و کمالات کا یہ مفصل و مستند ذخیرہ ہے۔ ان دو کتابوں کی وجہ سے خاص طور پر حضرت خواجہؒ کے حالات، ذوق، رجحانِ طبع، تعلیم و تربیت کے طریقے، اصلاحی و تبلیغی کوشش، انکے فیوض و برکات اور اثرات محفوظ ہو گئے اور تاریخ کی روشنی اور گرفت میں آ گئے۔

(ص ۴۹ کا بقیہ حاشیہ)

پیر و مرشد جناب سلطان الاولیا قدس اللہ سرّہ العزیز فرماتے تھے میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی اس واسطے کہ خدمت شیخ الاسلام حضرت فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور باقی خواجگانِ چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرے میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔ (سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص ۳۵)

[1] اس میں ۳ شعبان ۷۰۷ھ سے ۹ شعبان ۷۲۲ھ تک کی مختلف مجالس کے ملفوظات ہیں۔ ۱۲۰

اسی شخصیت کی عظمت و تاثیر اور حالات و مآخذ کی سہولت کی وجہ سے دعوت و عزیمت کی ایک مرکزی و عہد آفریں شخصیت کی حیثیت سے ان کی ذات کو انتخاب کیا گیا، کتاب کے آئندہ ابواب اسی اجمال کی تفصیل کیلئے ہیں۔

باب ۲ دوم

سُلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ

حالات و کمالات

نام و نسب محمد نام نظام الدین لقب و عرف عام، والد ماجد کا نام احمد بن علی، سادات حسینی میں سے تھے، ننھیال بھی سادات میں تھا، دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے، اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور رہے، وہاں سے بدایوں آئے۔

۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی[1]، بدایوں (قدیم بداؤں) شرفاء و سادات کا قدیم مسکن تھا، بہت سے سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران و خراسان سے آکر یہاں سکونت اختیار کرلی تھی[2]۔

---

[1] صاحب سیر الاولیاء نے آپ کی عمر شریف کا حساب لگا کر اس سنہ کی تعیین کی ہے۔ ۱۲

[2] بداؤں دو میل لمبا دریائے سوتھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے، اس زمانہ میں بہت آباد (بقیہ ص ۵۳ پر)

ابتدائی تعلیم و تربیت حضرت نظام الدین پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں اس دُرِ یتیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا، کتابیں پڑھنے کے قابل ہوئے تو مولانا علاء الدین اصولی[1] کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک اُن سے تعلیم حاصل کی، قدوری ختم کی تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستارِ فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ اُستاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے، میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا، بابا خاطر جمع رکھو، میں اس کی تدبیر کروں گی۔ چنانچہ روئی خرید

(صفحہ ۵۲ کا بقیہ حاشیہ) اور پُر رونق مقام تھا، اور دہلی کیلئے سرحدی شہر کا کام دیتا تھا۔ چنانچہ پرانی دہلی کے ایک دروازے کا نام دروازۂ بداؤں تھا (نزہۃ الخواطر)۔

قلعۂ بداؤں کے موجودہ کھنڈر اس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دے رہے ہیں۔ ۱۱۹۶ء میں سلطان محمد غوری کے جرنیل قطب الدین ایبک نے اسے فتح کیا اور اپنے غلام ملک شمس الدین التمش کو امیر بداؤں مقرر کیا۔ التمش نے یہاں ۱۲۲۳ء میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی، جو اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کی اہمیت کا مزید ثبوت درکار ہو تو وہ اس سے ملتا ہے کہ دہلی کے دو بادشاہ التمش اور اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ دونوں تخت نشینی سے پہلے بداؤں کے گورنر رہ چکے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بذیل بداؤں)۔

منقول از مقالاتِ دینی و علمی، مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے۔ (جلد اول ص ۲۲)۔ ۱۲

[1] مولانا علاء الدین علی الاصولی شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مریدین میں تھے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر اخفاء حال کا بڑا اہتمام تھا، صبر و رضا کے ساتھ زندگی گذارتے تھے اور اوقاتِ عزیز کو افادہ و عبادت میں مشغول و معمور رکھتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر، بحوالہ فوائد الفواد)۔

اُس کو کتوایا اور بہت جلد پگڑی تیار کر کے دی[1]۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء و صلحاء وقت کی دعوت کی۔ خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک پیچ باندھا، اور حاضرین مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی[2]۔

فقر وفاقہ اور والدہ کی تربیت

اس چھوٹے سے شریف گھرانے میں جو سایۂ پدری سے محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ حضرت شیخ خواجہؒ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے یہ بات سُنکر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ غلہ گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اُس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، آخر وہ غلہ ختم ہوا، اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں یہ سُنکر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سُرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا[3]۔

شیخ کبیرؒ[4] سے مناسبت اور قلبی کشش

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا بارہ سال کا رہا ہوں گا، یا کچھ کم زیادہ اس وقت میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابوبکر خراط کے نام سے مشہور تھا، ابوبکر قوال بھی کہتے تھے میرے اُستاد کے پاس آیا، وہ ملتان ہو کر آرہا تھا۔ اُسنے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پاس سے آرہا ہوں۔ اُس نے ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے، کہ وہاں کے لوگ ایسے

---

[1] سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص۱۴۵۔ [2] ایضاً (ص۹۶)۔

[3] سیر الاولیاء (ص۱۱۳)۔

[4] شیخ کبیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی ذات ہے۔۱۲

ذاکر شاغل ہیں، اوراد و نوافل کا ایسا انہماک ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ مامائیں اور لونڈیاں بھی چکی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں، اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا، مگر کوئی چیز میرے دل میں نہ جمی، اسکے بعد اُسنے بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن آیا، وہاں میں نے ایسا بادشاہ دین دیکھا اُسنے شیخ الاسلام شیخ فرید الدینؒ کا تذکرہ کیا، یہ سُنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی، اور اُن کی محبت و ارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ مجھے اُن کا نام لینے میں مزا آنے لگا، اور میں ہر نماز کے بعد مزے لیکر اُن کے نام کی رٹ لگاتا[1]۔

دہلی کا سفر

سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے[2]۔

دہلی میں طالب علمی

آپنے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا، یہ مدت تین چار سال کی تھی، دہلی میں اس وقت بڑے نامور اساتذہ جمع تھے[3]۔ یہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہدِ حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہدِ وزارت تھا، اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک[4] ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہورِ روزگار ہوئے استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری و مشغولیت کے ساتھ اُس زمانے کے

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۰۰)۔ فوائد الفواد (ص۱۴۹)۔

[2] یہ سیر الاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خواجہ صاحب اجودھن گئے، اور حضرت خواجہ فرید الدینؒ سے بیعت کی، بیعت کے وقت آپ نے اپنی عمر بیس سال بیان کی ہے (سیر الاولیاء ص۱۰۰) اسلئے سیر العارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ پچیس سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لے گئے۔۱۲ [3] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی (ص۱۱۳)۔۱۲

[4] یہ صدر محاسب یا اکاونٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو دیا جاتا تھا۔۱۲

علماء کی طرح درس و تدریس کا شغل بھی جاری تھا۔ حضرت خواجہؒ اُن کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔

اُستاد کے محبوب

مولانا شمس الدین کو حضرتؒ سے تعلق خاص تھا، اور وہ اُن کے محبوب ترین شاگرد تھے۔ آپ جس حجرۂ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اُس میں کسی شاگرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی، مگر حضرت خواجہؒ اور اُن کے دو رفیق مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون سے مستثنیٰ تھے۔[1]

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر دیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے؟ حضرت خواجہؒ نے خود یہ قصہ بیان کرتے ہوئے تبسم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی سے مزاح فرماتے تو کہتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی قصور کروں، لیکن مجھ سے ناغہ ہو جاتا یا دیر میں جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فرمائیں گے، لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے۔ ؎

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے ٭ آئی و بما کنی نگاہے

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحبؒ آبدیدہ ہو گئے اور سب سُننے والوں پر رقت طاری ہو گئی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے، میں ہزار معذرت کرتا مگر منظور نہ فرماتے۔[2]

علمی امتیاز و تفوق

حضرت خواجہؒ نے اپنی ذہانت، مناسبت خداداد اور محنت سے اپنے رفقاء کے درمیان علمی امتیاز و تفوق پیدا کر لیا، علمی مباحثوں اور سوال جواب میں (جو قدیم نظام تعلیم کا ایک اہم جزو اور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) آپ کی طلاقتِ لسانی اور قوتِ استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث کرتے طلبہ لاجواب ہو جاتے اور محفل پر

---

[1] سیر العارفین۔ [2] فوائد الفواد ص۱۶۵

آپ کے علم و ذہانت کا سکہ بیٹھ جاتا، چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام الدین بحّاث اور مولانا نظام الدین محفل شکن کے لقب سے پکارنے لگے۔[1]

حفظِ مقامات اور اس کا کفارہ

اُس زمانہ کے نصاب میں مقاماتِ حریری داخلِ درس تھی، عام طور پر طلبہ اُس کے سمجھ لینے اور اُس کے مشکل الفاظ و مفردات کے یاد کر لینے پر اکتفا کرتے تھے، لیکن حضرت خواجہؒ نے اپنے علمی ذوق اور بلند ہمتی سے اُس کے چالیس مقامے حفظ کئے، بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" حفظ کی۔[2]

حدیث کی اجازت

آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے مشہور محدث شیخ محمد بن احمد الماریکلی مشہور کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ) سے پڑھی، جو مصنف مشارق الانوار علامہ حسن ابن محمد الصغانی کے براہِ راست شاگرد تھے۔ فقہ میں اُن کو بیک واسطہ صاحب ھدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی سے تلمذ تھا، آپ نے اُن سے "مشارق الانوار" کا درس لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔[3]

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۰۱)۔ [2] ایضاً (ص۱۰۱)۔

[3] سیر الاولیاء (ص۱۰۱)۔ اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الاولیاء میں بلفظہ منقول ہے، ۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ تاریخ درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر (سنہ ولادت ۶۳۶ھ کے حساب سے) ۴۳ سال تھی اور یہ واقعہ شیخ کبیر کی وفات (۶۶۴ھ) کے تیرہ سال کے بعد اور اس وقت کا ہے جب آپ مسند ارشاد و تربیت پر متمکن تھے اور آپ کی شہرت دُور دُور پہونچ چکی تھی۔ اجازت نامہ میں آپ کے لئے "الشیخ الامام العالم الناسک السالک" اور "مقبول المشائخ الکبار منظور العلماء الاخیار الابرار" کے الفاظ ہیں، اس عمر و شہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصول اجازت سے آپ کے علمی ذوق اور علو ہمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قلب کی بےچینی اور انجذاب الی اللہ

حضرت خواجہؒ اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مشغول تھے، اور ان کی بلند ہمتی اور عزیمت اس سلسلہ میں کسی کسلمندی اور تساہل کی روادار نہ تھی لیکن دل کسی اور چیز کو ڈھونڈھتا تھا، اس بحث و مباحثہ اور علوم ظاہری کی فضا میں ان کی طبیعت متوحش ہو جاتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں کہ جب لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا تھا ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کے بیچ میں سے چلا جاؤں گا، اگرچہ یہ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے، اور ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے لیکن اکثر میری طبیعت متوحش ہو جاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا، بس کچھ دن تمہارے یہاں مہمان ہوں۔ امیر حسن علاء سجزی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔ فرمایا: ہاں۔

والدہ صاحبہ کا انتقال

دہلی کے قیام میں حضرت خواجہؒ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔

والدہ کی یاد

ایک روز مدت کے بعد حضرت خواجہ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا، ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پورے طور پر سننے میں نہیں آتا تھا۔ اسی حالت میں یہ شعر پڑھا۔

افسوس دمے کہ ہیچ تدبیر نکرد ۔ شبہائے وصال را بزنجیر نکرد[1]

والدہ کا یقین و توکل

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں: ایک دن نیا چاند دیکھ کر حاضر ہوا اور قدم بوسی کی اور نئے چاند کی مبارکباد معمول کے مطابق پیش کی۔ فرمایا کہ: آئندہ مہینہ کے چاند کے موقع پر کس کی قدم بوسی کروگے؟ میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے، میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا۔

[1] فوائد الفواد (ص ۱۰)۔

میں نے کہا کہ: مخدومہ! مجھ غریب بیچارہ کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں؟ فرمایا: اس کا کل جواب دوں گی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا کہ: جاؤ آج رات شیخ نجیب الدین کے یہاں رہو۔ ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا، آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بلا رہی ہیں۔ میں ڈرا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہا ہاں، جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ: کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا، اب میں اس کا جواب دیتی ہوں غور سے سنو! فرمایا تمہارا دایاں ہاتھ کون سا ہے؟ میں نے ہاتھ سامنے کر دیا، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: خدایا! اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جان بحق تسلیم ہوئیں۔ میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر جاتیں تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔[1]

ایک تمنائے خام

اس وقت دار الحکومت دہلی کی پوری فضا خاص طور پر طلبہ اور علماء کے حلقے قضا و افتا کے تذکروں، ان منصبوں پر علماء کی تقرری اور قاضیوں اور مفتیوں کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کے قصوں سے معمور و گرم تھے۔ حضرت خواجہؒ اپنی فطری سعادت اور اعلیٰ روحانی استعداد کے باوجود اس وقت کم سن اور نوجوان تھے۔ علمی امتیاز اور معاشی تنگ حالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جاہ و منصب کا ولولہ اور امنگ پیدا ہوتی تو فطرت انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ آپ نے ایک دن شیخ نجیب الدین متوکلؒ سے عرض کیا کہ دعا کیجیے کہ میں قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نجیب الدینؒ خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت خواجہ سمجھے کہ انھوں نے سنا نہیں۔ دوبارہ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ: دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نے فرمایا: قاضی مت ہو، کچھ اور چیز ہو۔[2]

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۵۱)۔ [2] فوائد الفواد (ص ۲)۔

اجودھن کی پہلی حاضری

حضرت خواجہؒ اجودھن حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ کبیرؒ کے برادرِ حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکل سے متعارف ہو چکے تھے، اور کچھ عرصہ اُن کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا، اُن کی صحبت اور گفتگو نے شیخ کبیرؒ کے ساتھ محبت کی اس چنگاری میں جو کسنی اور بدایوں کے قیام ہی سے طبیعت میں ودیعت تھی، اشتعال و حرکت پیدا کر دی آپ نے شیخ کبیرؒ کی خدمت میں حاضری کا عزم کر لیا، اور بالآخر آپ انکی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

طالب یا مطلوب؟

اپنی اس ملاقات اور پہلی حاضری کا حال خود ہی بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ میں جب شیخ کبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔ ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ ❊ سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

میں نے چاہا کہ پائے بوسی کے اشتیاق کو جو عرصۂ دراز سے بے چین کئے ہوئے تھا ذرا تفصیل سے بیان کروں لیکن شیخ کے رعب و جلال سے زبان اور قوتِ گویائی نے ساتھ نہ دیا، اتنا ہی کہہ سکا کہ قدم بوسی کا سخت اشتیاق تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا: "لکلِ داخلٍ دهشةٌ" "ہر نئے آنے والے پر رعب ہوتا ہی ہے" [1]

مرید کی خاطر

شیخ کبیرؒ نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس پردیسی طالب علم کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی جائے۔ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کروں گا۔ کتنے معزز فضلا کتنے حافظ کلام اللہ، کتنے عاشقانِ خدا زمین پر سو رہے ہیں، میں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظمِ خانقاہ

لہ فوائد الفواد (ص ۲۱۰)۔

مولانا بدرالدین اسحٰق کو پہنچی، انھوں نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تمہیں اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا، فرمایا کہ جاؤ چارپائی پر سو رہو۔ [1]

بیعت

اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادہ سے آئے تھے اُس کی تکمیل کی، اور شیخ کبیرؒ سے بیعت ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ [2]

سلسلۂ تعلیم کا اجرا یا انقطاع؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، جذب و شوق کا تقاضا تھا کہ اب اس سلسلہ کو ختم کیا جائے، اور علم تحقیقی اور معرفت حقیقی کی تحصیل میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد اور یہاں کی حاضری کی غرض وغایت ہے۔ گویا سعدیؒ کا یہ شعر حسبِ حال تھا۔ ؎

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست
علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

تعلیم و تعلّم کا طول طویل سلسلہ پہلے بھی قلب حسّاس اور روح بیدار پر بار تھا لیکن اس کو ایک ضرورت سمجھ کر اور اسلئے بھی کہ کوئی دوسرا راستہ سامنے نہ تھا اختیار کیا تھا، اب جبکہ یقین کا سررشتہ اور علم حقیقی کا سرچشمہ مل گیا اس سلسلۂ دراز کا جاری رکھنا طبیعت پر سخت بار تھا، اور زبانِ حال کہہ رہی تھی۔ ؎

میری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم، نخیلِ بے رطب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذبِ کامل کے ساتھ خود بھی کامل العلم تھا، اور طریقت کیلئے بقدرِ ضرورت علم ظاہر کو ضروری سمجھتا تھا، خود اس کے شیخ نے یہی ہدایت اُس کو کی تھی، پھر مولانا نظام الدین

لہ سیر الاولیاء (ص ۱۰۱)۔ ۲ہ ایضاً (ص ۱۰۲)۔

سے ارشاد و تربیت کا جو عالمگیر کام لینا تھا اُس کی نازک ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے علم۔ اسی کی ضرورت تھی۔ یوں بھی صاحب نظر شیوخ طالب کی مناسبت کو دیکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے بیعت کے بعد فرمایا کہ میں تعلیم ختم کر دوں، اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؟۔ شیخ کبیرؒ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں چھڑاتا، وہ بھی کرو، یہ بھی کرو، دیکھو کیا چیز غالب آتی ہے؟۔ یہ بھی فرمایا کہ۔۔۔ درویش کو تھوڑا علم بھی چاہئے۔ [1]

شیخ کبیرؒ سے درس

شیخ کبیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو بنفسِ نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ:۔ نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اسکے پڑھائے، اسکے علاوہ تمہید ابو شکور سالمی بھی اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی۔ مزید برآں تجوید کی تعلیم بھی دی، اور چھ پارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے۔ [2]

درس کی لذت

حضرت خواجہؒ زمانہ گذر جانے کے بعد بھی اس درس کی لذت کو یاد فرماتے رہے، فرماتے تھے کہ عوارف کے درس میں جو حقائق اور نکات حضرتؒ کی زبان سے سُنے وہ پھر کبھی سُننے میں نہیں آئے، بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرتؒ تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔ [3]

خود شناسی کی تربیت

عوارف کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیرؒ کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا، چند ہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر

---

[1] سیر الاولیاء (ص ١٠١)۔ [2] ایضاً (ص ١٠٢)۔ [3] فوائد الفواد (ص ٥٠)۔

تامل ہوا۔ خواجہ نے (سادگی اور نوعمری میں) کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا وہ نسخہ صحیح تھا۔ شیخ نے فرمایا:۔ "درویش را قوت تصحیح نسخہ سقیم نیست" (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) بار بار شیخ نے یہ فقرہ دہرایا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا لیکن بار بار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلے تو بیچ کے دوسرے ساتھی مولانا بدرالدین اسحٰق نے بتلایا کہ خطاب تمہاری طرف ہے۔ حضرت خواجہ کے ہوش اُڑ گئے فوراً ہی "سر برہنہ کردم و در پائے شیخ افتادم" کہتے جاتے تھے۔ نعوذ باللہ میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا، خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معذرت کی لیکن حضرت کا ملال خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں اُٹھ گیا لیکن مجھ میں نہ تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گذرا اور جس حزن و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ سراسیمہ و پریشان باہر آیا، ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنوئیں میں گر کر جان دے دوں لیکن کچھ سوچ کر باز رہا۔ اسی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت رویا۔

شیخ کبیرؒ کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل ملاپ تھا، انھوں نے شیخؒ سے خواجہ کا یہ حال کہا، جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا، حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی، تب آکر سر برہنہ قدم مبارک پر رکھا اور معافی ہوئی۔ دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا:۔ یہ سب میں نے تمہاری تکمیل حال کیلئے کیا، پیر مشاطۂ مرید ہوتا ہے۔ اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوتِ خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔ [1]

---

[1] فوائد الفواد (ص ٢٠١)۔ یہاں پر کوئی یہ شبہہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے تلمیذ رشید کی ایک معمولی سی اطلاع اور معروض پر اتنی برافروختگی اور آزردگی کا اظہار فرمایا، اسلئے کہ جیسا کہ خود شیخ کے جملے سے معلوم ہوتا ہے، یہ سب آزردگی تکلف اور طالب رشید کی ترقی باطنی اور خود شکنی کے لئے ہے۔ شیخ مجتہد و مخلص اس کے لئے اپنے اجتہاد سے مختلف ذرائع اختیار کر سکتا ہے اور اس کے لئے کسی تقریب و موقع کا بھی انتخاب کر سکتا ہے۔ حضرت کعب بن مالکؓ کے ابتلاء کے واقعہ سے وہ بے کو اس کوتاہی پر جو اُن سے بلا ارادہ سرزد ہوئی تھی جو سرزنش کی گئی اور اُن کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا۔ (بقیہ ص ٦٤ پر)

فیصلہ کن موقع

حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت جب شیخ کبیر نے ان کے صرف اتنا کہہ دینے پر کہ "میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے" اپنی کبیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ایک بڑا نازک وقت تھا! بظاہر اس معصوم جملہ اور اطلاع پر کہ "میں نے آپ ہی کے بھائی کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے" اتنی ناراضگی اور احتجاج کی ضرورت نہ تھی، لیکن شیخ کامل کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشین بننا تھا اور لوگوں کی خود شکنی کی تربیت کرنی تھی، اتنی خود بینی بھی گوارا نہ تھی، پھر اس مسترشد کو کمال حال کے جس مقام تک پہونچانا تھا اس کے لئے اضطرار و اضطراب، شکستہ دلی و شکستگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی، لیکن ایک ذہین اور صاحب استعداد نوجوان کے لئے جو اپنی علمی تکمیل کر چکا تھا یہ وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن تھا اور اسی پر اسکے مستقبل کا انحصار تھا

مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے صحیح لکھا ہے :- - -

"صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا دنیا دیکھ رہی تھی۔ اب مولانا نظام الدین کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ کیا مولانا بحاث اور محفل شکن ہی کے لقب کو لیکر دنیا سے واپس چلے جائیں گے، جیسے لاکھوں ہی بحاث و محفل شکن آئے اور چلے گئے یا مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اُس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں اپنے اپنے حوصلے کی بات ہوتی ہے، ورنہ سچ یہی ہے۔ ع

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

چند کلیاں جو اب تک اُن کے ہاتھ میں تھیں وہ پھینک دی گئیں اور اپنی

(ص ۶۳ کا بقیہ حاشیہ) اد کرایا گیا اُس سے بھی روشنی اور رہنمائی حاصل کیجا سکتی ہے۔ م۔

تنگ دامانی کے علاج کے آخری فیصلہ پر وہ ڈٹ گئے۔ ظرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور، میں نے غلطی ہی کیا کی ہے، ایک اچھے نسخہ کا علم تھا اس کا اظہار کیا گیا تھا پھر اس پر اتنی برہمی کے کیا معنی؟ یہی شوشہ اگر سامنے آجاتا وہی لمبی لکیر بن سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی ہو۔ بڑھاپے میں دماغی توازن صحیح نہیں رہا ہے، مزاج میں تندی اور غصہ سے آگے بڑھ کر اسی کو "نفسانیت" کا ثبوت بھی قرار دیا جا سکتا تھا بلکہ دین کی آڑ لیکر سلطان جی چاہتے تو "اسوۂ حسنہ نبویہ" کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرز عمل کو کھوٹا بتا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے کے لئے آئے تھے شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج اجودھن آنے سے مقصود نہ تھا، اس کو طے کر چکے تھے کہ یہ معالج طبیب ہے، اسکے بعد تنقید کا حق ان کے لئے باقی ہی کب رہا تھا۔[1]

ایک رفیق کی ملامت

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں اجودھن حاضر تھا، ایک عالم بھی جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ مذاکرہ کرتے تھے اجودھن آگئے، انھوں نے جب مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و تاسف سے مجھ سے کہا: "مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے، اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے۔" میں نے اپنے دوست کی یہ بات سُنی اور اُن سے معذرت کر دی، اسکے بعد جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے خود بخود فرمایا کہ :- نظام! اگر تمھارا کوئی دوست تمھیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے، اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا جو فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ بنتا، اور یہاں اس حال

[1] "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" ج ۲ (ص ۹۴-۹۵)۔

میں کیوں ہو، تو تم اس کا کیا جواب دوگے؟ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا۔ ؎

نہ ہمہی تو مرا راہ خویش گیر و برو ⁂ ترا سلامتی باد امرا نگونساری

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ میں نے تعمیل ارشاد کی میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اُتارا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصہ سنایا، اُسنے یہ سُنکر کہا کہ تمھارے شیخ ایسے ہیں کہ انھوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہونچا دیا ہے، مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو، جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پر رکھ کر لے جاؤں گا، غرض ہم دونوں خدمتِ بابرکت میں پہونچے اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کی، اور آپ کے حلقۂ خدام میں داخل ہوئے۔[1]

کتنے بار حاضری ہوئی؟ حضرت خواجہ شیخ کبیر کی زندگی میں تین بار اجودھن حاضر ہوئے،[2] پہلی یا کسی اور حاضری میں خلافت سے مشرف ہوئے، تذکروں میں اسکی صراحت نہیں ہے۔

شیخ کی نوازشیں ایک حاضری میں ایک دن ۲۵ جمادی الاولیٰ کو نماز[3] جمعہ کے بعد طلبی ہوئی، شیخ کبیر نے اپنا لعاب دہن حضرت خواجہ کے دہن میں ڈالا، قرآن مجید کے حفظ کی وصیت

---

[1] سیر الاولیاء (ص۲۳۹ و ص۲۴۰) [2] فوائد الفواد (ص۲۴۲)۔

[3] یہاں سیر الاولیاء میں سنہ تسع وستین وستمائۃ (۶۶۹ھ) یا تو غلط درج ہو گیا ہے یا اور تسع وخمسین ۵۹ مراد ہے اسلئے کہ شیخ کبیر کی وفات کا سنہ سیر الاولیاء وغیرہ میں ۶۶۴ھ ہے، یا پھر تسلیم کیا جائے کہ آپ کا سنہ وفات ۶۷۰ھ ہے، جیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخزن الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے، بہرحال سیر الاولیاء کے سنین میں تضاد ہے۔۱۲

فرمائی۔ فرمایا کہ خدا نے دین و دُنیا تم کو دی، یہاں سب کچھ یہی ہے، دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا: ——

"برو ملکِ ہندگیر" نظرۃ منك تکفینی۔[1]

رخصت اور وصیت فرمایا کہ دہلی جانا تو مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں (نفلی) روزہ رکھنا نصف راہ ہے، دوسرا اعمال نماز و حج (نفلی) نصف راہ۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتجب کو دہلی میں دکھا دینا۔ ارشاد ہوا کہ تم ایک سایہ دار درخت ہوگے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پائے گی، استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ واپسی میں میں نے ہانسی میں شیخ جمال الدین کو خلافت نامہ دکھایا بڑا اظہارِ مسرت کیا اور یہ شعر پڑھا۔ ؎

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس ⁂ کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس[2]

ایک دُعا کی درخواست اسی حاضری میں یکم شعبان کو حضرت خواجہ کی طرف سے شیخ کبیر کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ: خلق کے در بدر نہ پھرنا پڑے۔ درخواست قبول ہوئی اور دُعا فرمائی گئی۔[3]

ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمہارے لئے تھوڑی سی دنیا بھی مانگ لی ہے۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سُنکر متفکر ہوا، کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب فتنہ میں پڑگئے، میرا کیا حال ہوگا۔ شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم فتنہ میں نہیں پڑوگے خاطر جمع رکھو۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔[4]

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۳۳)۔ [2] ایضاً ص۱۱۶ و ص۱۱۷ اس موقع پر سیر الاولیاء میں جو ۶۶۹ھ بھر دیا گیا ہے اسکے متعلق اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔۱۲ [3] سیر الاولیاء (ص۱۳۳)۔ [4] ایضاً (ص۱۳۲)۔

اجودھن سے دہلی کو

خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے مرشد و مربی سے رخصت ہو کر ہندوستان کی تسخیرِ روحانی اور خلقِ خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم و مقدس مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک فقیرِ بے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالمِ اسلام کی سب سے مستحکم اسلامی سلطنت کے دارالسلطنت کو جا رہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغنا عن الخلق کے سوا کوئی زادِ راہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے:—

"ہند گیری کی مہم پر اجودھن سے ہند کے دارالسلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوئے ہیں جہاں نیچے سے اوپر تک بیشمار چھوٹے آلمہ پر جمائے بیٹھے ہیں، ان میں وہ بھی ہے جس کی زبان کی معمولی حرکت لوگوں کے تن سے سر جدا کر دیتی ہے۔ وہ بھی ہیں جن کی نیازمندی خاک سے اٹھا کر لوگوں کو امارت و دولت کے افلاک تک پہونچا رہی ہے۔ گلی گلی میں عزت تقسیم ہو رہی ہے، مناصب بٹ رہے ہیں، روپے لٹائے جا رہے ہیں، گودیں بھر رہی ہیں، اور جن جن ذرائع سے یہ ساری چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان المشائخ سب سے لیس ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اجودھن جانے سے پہلے دہلی کی علمی محفلوں کی محفل شکنی میں انکی عام شہرت ہو چکی ہے۔ کچھ نہیں تو قضا کے عہدے سے لیکر شیخ الاسلامی و صدر جہانی کی خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھلی پا رہے ہیں، لیکن اب خالق کی صورت میں جو مال ان کو مل چکا تھا، سینہ اسی کے وزن سے اتنا معمور تھا کہ کسی مخلوق کی کوئی گنجائش ان کے قلب میں باقی نہ تھی، قلب کی اسی کیفیت کی تعبیر تھی جس کا اظہار وہ کبھی کبھی ان مشہور تیز الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:——

"ایمان کس تمام نہ شود تا ہمہ خلق
در نزدیکی او ہم چو پشک شتر نہ نماید"[۱]

مجلسِ مبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ الاسلامی کی خدمت کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا، اپنی انھیں نمازوں کو نگاہ خلق میں حصولِ عزت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ جامع ملفوظات راوی ہیں کہ:—

دریں میاں خواجہ ذکر اللہ بالخیر چشم پُر آب کرد و بر لب مبارک راند بسوز اول شیخ الاسلامی را، پس خانقاہ را، بعد ازاں خود را[۲]	یہ سنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ پہلے شیخ الاسلامی کو جلاؤ، پھر آگ لگاؤ خانقاہ کو، پھر اپنی خودی کو جلا کر خاک کر دو۔

الغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کر کے وہ اجودھن سے روانہ ہوئے . . . . اور جس علاقہ کی ولایت آپکے سپرد ہوئی تھی اُسی کے پایۂ تخت میں آپ پہونچ گئے۔"[۳]

تصفیۂ حقوق

شیخ کبیرؒ نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا، اور اہلِ حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو مجھے یاد آیا کہ مجھے ۲۰ جیتل ایک شخص کے دینے ہیں، اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار لی تھی وہ کھو گئی ہے، میں نے بداؤں کے قیام میں یہ عزم کر لیا تھا کہ میں جب دہلی

۱ سیر الاولیاء (ص۱۵۵)۔
۲ فوائد الفواد (ص۲۳)۔
۳ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (ص۱۵)۔
جیتل یا جیتل تانبہ کا ایک سکہ تھا، ٹنکہ کے (روپیہ) چوسٹھ جیتل اور ایک جیتل کے چار فلوس یعنی دھیلے تھے۔ (تاریخ ہند)

پہونچوں گا تو ان اہلِ معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے بیس جیتل مجھے دینے تھے وہ بزاز تھا۔ میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا کسی وقت بیس جیتل میرے پاس جمع نہیں ہوئے کہ میں اس کو پہونچادیتا۔ معاش کی بڑی تنگی تھی، کبھی پانچ جیتل ہاتھ آئے کبھی دس۔ ایک مرتبہ دس جیتل ملے میں اس بزاز کے دروازہ پر پہونچا، اس کو آواز دی، وہ باہر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تمھارے بیس جیتل میرے ذمہ ہیں، ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی مقدرت نہیں یہ دس جیتل لایا ہوں اس کو لے لو، دس ان شاء اللہ اسکے بعد پہونچادوں گا۔ اس شخص نے یہ سنکر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو، اس نے وہ دس جیتل تو لے لئے اور کہا کہ میں نے دس جیتل معاف کئے۔

اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی، اس نے مجھے پہچانا نہیں، میں نے کہا کہ صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی تھی وہ کھو گئی، اب میں اس کی نقل تیار کرکے آپ کو دوں گا میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہونچادوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں تم جہاں سے آرہے ہو وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے، اسکے بعد اسنے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی[1]

دہلی کی قیام گاہیں

خواجہ صاحب اہلِ دہلی بلکہ اہلِ ہند کی خدمت کے لئے جب دہلی پہونچے تو باوجود اسکے کہ دہلی کا کوچہ کوچہ محلوں اور ایوانوں سے آباد تھا اور روز نئی نئی عمارتیں بن رہی تھیں، خواجہ صاحبؒ کے قیام کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ جب تک کہ غیاث پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا، آپنے اتنی قیام گاہیں اختیار کیں اور اتنے مقامات تبدیل کئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقیر کے لئے اپنا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا بوریہ بچھانے کے لئے جگہ نہیں تھی ——

سیر الاولیاء کے مصنف میر خورد اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہؒ کے دوست

[1] فوائد الفواد (ص۱۲)۔

اور رفیق تھے، اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے سید مبارک محمد کرمانی فرماتے ہیں :-

"جتنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں نہ تھا، اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔ جب آپ بدایوں سے آئے تو لشکر میاں بازار میں جس کو نمک کی سرائے بھی کہتے ہیں اترے، والدہ اور ہمشیرہ کو وہیں رکھا اور خود ایک تواس (کمان گر) کی بارگاہ میں جو لشکر مذکور کے سامنے تھی مقیم ہوئے۔ امیر خسرو کا بھی اسی محلہ میں مکان تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد سادات عرض کا مکان خالی ہوا، اس کے لڑکے علاقوں میں چلے گئے امیر خسرو کی معرفت جو سادات عرض کے نواسے تھے سلطان المشائخ کو یہ مکان قیام کیلئے مل گیا، آپ دو سال اس مکان میں رہے، یہ مکان شہر پناہ کے متصل مندہ دروازہ ومندہ پل کے نزدیک تھا اس طرح سے کہ شہر پناہ کا برج اس عمارت کے اندر آگیا تھا، مکان کے ایوان ورواق بڑے بلند اور شاندار تھے۔ اس عرصہ میں سادات عرض کے لڑکے آگئے، سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہوجانا پڑا، آپ کی کتابیں جن کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا ہم سروں پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں (جو سراج بقال کے سامنے تھی) لے آئے۔ دوسرے روز سعد کاغذی نے جو شیخ صدر الدین کے مریدین میں تھے یہ قصہ سنا اور سلطان المشائخ کے پاس کر بڑی عزت وتوقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے گیا، بالاخانہ پر ایک بہت اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی وہاں آپ کو ٹھہرایا، سلطان المشائخ ایک مہینہ وہاں ٹھہرے اسکے بعد وہاں سے بھی اٹھے، رکابدار کی سرائے میں جو قیصر پل کے

متصل تھی بستی کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقیم ہوئے، ایک مدت کے بعد وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں جو محمد میوہ فروش کی دو دکانوں کے درمیان واقع تھا قیام اختیار کیا۔ اس درمیان میں شمس الدین شراب دار[1] کے لڑکے اور اعزہ جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزت اور احترام کیسا تھ شمس الدین شراب دار کے مکان میں لے آئے، کئی سال سلطان المشائخ اس مکان میں رہے اس مکان میں بڑی راحت اور سکونِ خاطر میسر آیا۔"[2]

فقر و فاقہ

خواجہ صاحب دہلی تشریف لائے تو ابتلا و تربیت کا وہ دَور شروع ہوا جو اس راہ کے سالکوں کو جو آگے چل کر مرجع خلائق و سرچشمۂ فیوض بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے، یہ وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی اُمنڈ کر آ رہے تھے، اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جیتل میں دو سیر میدے کی پکی پکائی روٹیاں مل جاتی تھیں، اور دو جیتل میں ایک من خربوزہ آجاتا تھا لیکن خواجہ صاحب کے فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے ہیں کہ: میرے پاس ایک دانگ بھی نہ ہوتا کہ اُس سے میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ و ہمشیرہ اور گھر کے اُن لوگوں کو کھلاؤں جو میری کفالت میں تھے۔ خربوزہ کی اس ارزانی و فراوانی کے باوجود پوری پوری فصل گذر جاتی اور خربوزہ چکھنا نہ نصیب ہوتا لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور آرزو کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گذر جائے اور میں اسی حال میں رہوں۔[3]

[1] بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ۔ ۱۲

[2] سیر الاولیاء (ص ۱۰۱)۔

[3] سیر الاولیاء (ص ۱۱۳)۔

غیر کے واسطہ کے بغیر

اسی زمانہ میں جبکہ آپ شہر پناہ کے اس برج میں مقیم تھے جو مندہ دروازہ کے متصل ہے کئی روز گذر گئے اور کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آئی۔ ایک طالبعلم کو اس کا علم تھا کہ کئی روز سے حضرت کو فاقہ ہے، اس طالب علم نے بعض ہمسایوں کو جو نوربان تھے اس کی اطلاع کی، وہ کھانا تیار کر کے لائے۔ کھانے کے لئے ہاتھ دھلاتے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بول اٹھا طالب علم کا بھلا کرے کہ اُسنے ہمیں خبر کر دی۔ خواجہ نے ہاتھ روک لئے اور فرمایا۔ کیا خبر کی؟ ۔ اُسنے کہا کہ:۔ فلاں طالب علم نے ہمیں بتلایا کہ آپ کئی روز سے فاقے سے ہیں، چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کر کے لائے۔ آپنے فرمایا۔ معاف رکھو۔ کتنی ہی ان لوگوں نے کوشش کی، آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔[1]

شیخ کبیرؒ کی وفات

آخری بار آپ شیخ کبیرؒ کی خدمت میں تین چار مہینے قبل گئے تھے، فرماتے ہیں کہ ۵ محرم[2] کو شیخ کبیرؒ نے وفات پائی اور شوال کے مہینہ میں مجھے حضرت نے دہلی بھیج دیا۔ بیماری کی ابتدا ہو چکی تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے، ایک روز کہیں سے خربوزہ آیا تھا خربوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا، شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی، میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب ملے گی کہ اپنے دستِ مبارک سے مجھے عنایت فرما رہے ہیں، میں کھا لوں اور دو مہینے مسلسل روزے رکھ کر (فرض روزہ توڑ دینے) کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ فرمایا کہ نہیں میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے تمہارے لئے جائز نہیں۔[3]

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ:۔ نظام الدین تو دہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ:۔ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھا، ہانسی میں تھا۔ فوائد الفواد میں ہےکہ

[1] جوامع الکلم (ملفوظات حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ) ص ۲۹۶

[2] ۶۶۴ھ۔ [3] فوائد الفواد (ص ۳۲)۔

یہ تذکرہ کرتے وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہوئے۔[1]

وفات کے بعد آپ اجودھن حاضر ہوئے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے شیخ کبیرؒ کی وصیت کے مطابق جامہ، مصلّٰے اور عصا سپرد کیا جو حضرت خواجہ کو دینے کیلئے شیخ کبیرؒ نے مولانا کے حوالہ کیا تھا۔[2]

غیاث پور کا قیام

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز آپنے شہر کے شور و شر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ ابتدائی زمانہ میں بھی میرا شہر میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایک روز قتلغ خاں کے حوض پر تھا، ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا، وہاں ایک درویش یادِ خدا میں مشغول تھا، میں اُسکے پاس گیا اور اُس سے پوچھا کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں ؟ انھوں نے کہا :- ہاں ! میں نے کہا :- اپنی مرضی سے اِس شہر میں رہتے ہیں ؟ اُسنے کہا :- یہ بات تو نہیں ہے۔ اسکے بعد اُس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اچھے درویش کو دیکھا، بیرونِ کمال دروازہ اس احاطہ میں جو لبِ خندق ہے، اس دروازے کے قریب ایک بلند زمین ہے جس پر شہداء کی چار دیواری بنی ہوئی ہے وہ درویش بیٹھا ہوا ہے، اُس درویش نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی خیر چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ، میں نے اسی وقت سے اس شہر سے چلے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن موانع پیدا ہوتے رہے، آج پچیس سال ہو گئے کہ میرا ارادہ باقی ہے لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی۔ حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ بات سُنی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہیں رہوں گا کئی جگہ کا خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں، کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی[3] چلا جاؤں، وہاں ان دنوں ایک ترک تھا

[1] فوائد الفواد ص[illegible]　　[2] سیر الاولیاء ص[illegible]

[3] ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ہے، جو خسرو کا ننھیال بھیں تھا اور اسی تقریب سے وہ وہاں رہتے تھے۔ ۱۲

کبھی دل کرتا تھا کہ بسنالہ چلا جاؤں، وہ ایک پاک صاف جگہ ہے، چنانچہ بسنالہ چلا گیا، تین روز وہاں رہا، کوئی مکان نہیں ملا نہ کرایہ کا نہ بقیمت، ان تین دنوں روزانہ کسی مالک کا مہمان رہتا تھا، جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا رہا کہ ایک روز حوض رانی کی طرف گیا ہوا تھا، وہاں ایک باغ میں جس کو "باغ جیرت" کہتے ہیں، اللہ سے مناجات کی طبیعت متوجہ تھی، میں نے عرض کیا کہ خداوندا! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کروں گا، جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں، اس درمیان میں ایک غیبی آواز "غیاث پور" کے نام کی آئی، میں نے کبھی غیاث پور دیکھا نہیں تھا، اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے، میں نے جب آواز سُنی تو ایک دوست کے پاس گیا، وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا، جب میں اُسکے گھر گیا اور اُس کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہی غیاث پور ہے، الغرض غیاث پور آیا، اُس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا، ایک غیر معروف جگہ تھی، آدمی بھی کم تھے، میں آیا اور میں نے وہاں سکونت اختیار کر لی، جب کیقباد[1] نے کیلوکھری[2] کو اپنی فرودگاہ بنایا تو وہاں ہجوم خلائق ہوا، امراء اور اعیانِ سلطنت اور اُن کے متعلقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی، جب میں نے یہ اژدحام دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہئے، اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ کا جو میرے اُستاد بھی تھے، شہر میں انتقال ہوا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ کل جب میں اُن کے فاتحہ میں جاؤں گا تو پھر کسی طرف کا قصد کروں گا، اپنے دل میں اس کو طے کر لیا اسی روز نمازِ عصر کے وقت ایک جوان آیا حسین لیکن نحیف، خدا جانے

[1] سلطان معز الدین کیقباد (۶۸۶ھ – ۶۸۹ھ) بغرا خاں کا لڑکا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا ۳ سال حکومت کی ۱۲

[2] سرسید احمد خاں آثار الصنادید میں لکھتے ہیں :- معز الدین کیقباد نے ۶۸۶ھ میں ایک قلعہ بنوایا اور کیلوکھری اس کا نام رکھا اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں لیکن اس جگہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس موضع کیلوکھری موجود ہے اور دس پانچ جھونپڑے موجود ہیں۔ ۱۲

(آثار الصنادید باب ۳ ۔ ص۲۱)

مردانِ غیب میں سے تھا یا کون تھا، اُسنے آتے ہی مجھے خطاب کرکے یہ شعر پڑھا۔ ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی ٭ کہ انگشت نمائے جہاں خواہی شد

(جس روز خدا نے تم کو چاند بنایا تھا، اُسی روز سمجھنا چاہیئے تھا کہ ساری دنیا کی اُنگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی)

حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اُسنے کچھ اور باتیں بھی کہیں جس کو میں نے لکھ لیا ہے، اُسکے بعد اُسنے یہ کہا کہ پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہیئے، اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا بننا چاہیئے کہ کل روزِ قیامت رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اسکے بعد اُسنے کہا کہ یہ کیا ہمت و حوصلہ ہے کہ خلق خدا سے بھاگ کر گوشہ گیری اختیار کی جائے اور یادِ خدا میں مشغول ہوا جائے۔ اُس کا مقصود یہ تھا کہ قوت و حوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے باوجود یادِ خدا میں مشغول ہو۔ جب اُسنے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لاکر اُسکے سامنے رکھا، اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا، اُسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا، جب میں نے یہ نیت کرلی، تو اُسنے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔[1]

رجوعِ عام غیاث پور کے دورانِ قیام میں خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا، اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

تذکروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیاث پور میں کتنی مُدت گذرنے کے بعد آپ کی ذاتِ بابرکات کو مرجعیت، اور غیاث پور کی خانقاہ کو شہرتِ عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاث پور کا قیام اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عسرت اور بے اسبابی کا دور گذرا، یہاں تک کہ ایک عرصہ تک

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۲۹)۔

آپ سخت گرمیوں اور لو دھوپ کے زمانہ میں جامع مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پیادہ پا تشریف لیجاتے تھے، یہاں تک کہ اس عُسر کے بعد یسر کا دور آگیا،[1] اور وہ رجوعِ عام شروع ہوا کہ اُسکے سامنے سلاطینِ دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑ گئی، امیر خسروؒ کے ان اشعار کی تصویر سامنے آگئی۔ ؎

در حجرۂ فقر بادشاہی ٭ در عالم دل جہاں پناہی

شاہنشہِ بے سریر و بے تاج ٭ شاہانش بخاک پائے محتاج

فقیر منعم صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ:- وارد و صادر میں سے پردیسی ہو یا شہری جو آتا اور سعادت قدم بوسی حاصل کرتا، کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک، نقد، تحائف جو بھی خدا بھیجتا سب ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا، جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا۔[2]

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا:-

"فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشا تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے، اور جو کچھ کوئی لاتا اُس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا۔"[3]

[1] ان مع العسر یسرا۔ ان مع العسر یسرا ۔ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ ۱۲

[2] سیر الاولیاء۔

[3] سراج المجالس (ترجمہ خیر المجالس) ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (ص ۲۰۳)۔

بیداری پر پہلا سوال

عادت مبارک تھی کہ جب قیلولے سے اُٹھتے تو دو باتیں سب سے پہلے پوچھتے، ایک یہ کہ زوال ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ اُس کو انتظار نہ کرنا پڑے۔[1]

دنیا سے تنفر اور بذل و عطا

دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا اتنی طبیعت اس سے متنفر ہوتی گئی، اکثر گریہ فرماتے جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اُتنی ہی زیادہ گریہ کرتے، اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے، تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فرماتے کہ جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جائے، جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورتمندوں کو پہنچ جاتا تو سکونِ خاطر ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرا دیتے جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو۔ اس کے بعد مسجد جاتے، اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد کی خبر پہونچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ:۔ کہاں آگئے ہیں، فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں۔[2]

زمین و جائداد سے پرہیز

امیر حسن علا سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر تھا۔ ان دنوں میں ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین اور اُسکے ساز و سامان کی دستاویز حضرتؒ کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا تھا، حضرتؒ نے قبول نہ فرمایا، متبسم ہو کر فرمایا کہ اگر میں اس کو قبول کر لوں تو پھر لوگ کہا کرینگے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں، بھلا کام سے اس کو کیا مناسبت؟ ہمارے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین و جائداد قبول نہیں کی۔[3]

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۲۶)۔ [2] ایضاً ص ۱۳۹

[3] فوائد الفواد (۱۵) ص ۹۹

فقیر کا شاہی دسترخوان

خود دائم الصوم تھے، لیکن دونوں وقت شاہی دسترخوان لگتا اور انواع و اقسام کے کھانے وافر مقدار میں چنے جاتے، امیر و غریب، شاہ و گدا، شہری و پردیسی، صالح و گناہگار کسی کی تفریق نہ تھی، سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے، لے جانے کی بھی اجازت تھی، بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے، یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا، اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سیکڑوں لاکھوں غرباء کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انھوں نے نام ہی نام سُنے تھے، بڑے بڑے امراء اور اعیانِ سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے، ہدایت و ارشاد و سلوک و تربیت کے فیض عام کے علاوہ (جس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا) حضرت خواجہؒ کا یہ بھی فیض تھا جو دلّی میں اپنی پوری رعنائی کے ساتھ جاری تھا اور جو ہزاروں بندگانِ خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے درویش کے اس خوانِ سلطانی کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

"آج جن چیزوں پر ایوانِ نعمت کے قصوں کے ساتھ غریبوں کا دکھڑا رویا جاتا ہے، گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدہ (ٹیبل ٹاک) اور ہضم کرنے کا چورن ہے، ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیائے اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں، ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخؒ کا کیا حال تھا، گذر چکا کہ دلی عہد سلطنت خضر خاں تک ابھی دربار کا حلقہ بگوش تھا، علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا، لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اُسے بھی مالگزاری داخل کرنی پڑتی تھی۔[1] ۔۔۔۔

[1] نظام تعلیم (ص ۲۱۴)۔

یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعے ملک کے عام غربا و فقرا تک اُن کا حصہ پہونچ جاتا تھا، اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ:-

"مالِ صوفی سبیل است"[1]

غربت و امارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امرا و غربا دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے اس سے غریب، اور حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں

تؤخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم۔	انکے دولتمندوں سے لیا جائے اور ان کے ضرورتمندوں کو پہونچا دیا جائے۔

کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق و صفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا۔ خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امرا، اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا، یوں سمجھئے کہ غربا کی قسمت جاگ اٹھتی تھی[2] ____

اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھئے اور اس پر غور کیجئے، آپ کو نظر آئے گا کہ امرا اور غربا کے درمیان ان بزرگوں کا وجود باجود حلقۂ اتصال بنا ہوا تھا ____ اور میرا خیال ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اغراض رکھتے تھے ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں، مسلمانوں بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں؛

۱؎ نظام تعلیم (ص ۲۱۲) ۲؎ ایضاً (ص ۲۵)۔

بلکہ ان ہی کے ذریعہ سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں نے شاید نہ سنا ہو[1]۔

شیخ کی غذا

شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے لیکن اُس شاہی دسترخوان پر جس پر انواع و اقسام کے کھانے اور الوان نعمت ہوتے، ان کی غذا عام طور پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کریلہ وغیرہ کی سبزی یا تھوڑے سے چاول ہوتے[2]۔ آپ کے ایک مرید با اختصاص مولانا شمس الدین یحییٰ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:-

"میں ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا افطار کے وقت میری نظر سلطان المشائخ پر تھی میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لقمہ لینے کیلئے جو ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھایا تھا وہ آخر تک وہیں رہا، منہ تک آنے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان بڑھا دیا گیا[3]"

ترتیب

دسترخوان پر بیٹھنے کا قاعدہ اور ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے مخدوم زادگان (مرشد سے نسبت قرابت رکھنے والے) ہوتے، پھر علماء، پھر رؤسا و اشراف[4]۔

سلاطین عہد سے بے تعلقی

سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد سلطنتِ ہندوستان کی دینی رہنمائی بلکہ سلطنتِ اسلامی کی تاسیس، اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں روحانیت و انابت کی روح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتدا ہی سے سلاطین وقت سے بے تعلقی کے اصول پر پڑی تھی، اور یہ اس سلسلہ کا ایک شعار اور مشائخ چشتیہ کا مقدس ترکہ اور امانت بن گئی تھی۔ مشائخ چشت نے اس "شیشہ و آہن" کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھایا تھا۔ ایک طرف وہ دربار کے غلط رجحانات کی اصلاح اور وقت کے فتنوں کے استیصال سے غافل اور غم اسلام سے خالی اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر نہ تھے دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ ان کو دربار سے براہِ راست کوئی تعلق

۱؎ نظام تعلیم ص ۲۲۸ ۲؎ سیر الاولیاء ص ۱۳۵ ۳؎ ایضاً ص ۳۵ ۴؎ ایضاً ص ۲۰۲

رکھنا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدینؒ تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ ان کو نہ دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطینِ وقت سے ملاقات کرنی ہے، اس اصول پر یہ سب حضرات سختی سے کاربند رہے، اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں اُلجھا، اور انقلاباتِ سلطنت کا ان کے مرکزوں اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ان کا اخلاص، ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلّم رہی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کو اپنا کام جاری رکھنے اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا، اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبولِ عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ جب شیخ گنج شکرؒ کے پاس سے ہندوستان کی تسخیرِ روحانی اور تبلیغ و ارشاد پر مامور ہوکر آئے تھے دہلی کے تخت پر یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ بیٹھے اور انھوں نے بڑے جاہ و جلال کیساتھ سلطنت کی، لیکن سوائے ایک ایسے موقع کے جبکہ دینی ضرورت درپیش تھی (سماع کی حلت و حرمت کی مجلس مناظرہ) وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ کبھی بادشاہِ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔ غیاث الدین بلبن کے عہدِ سلطنت میں ان کا آفتابِ شہرت و قبولیت نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا اس لئے غیاث الدین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ معز الدین کیقباد لہو و لعب اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

جلال الدین خلجی پہلا بادشاہ تھا جو صاحبِ علم و حلم، جوہر شناس اور اربابِ کمال کا قدردان تھا، اور حضرت خواجہؒ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جلال الدین نے کئی بار حاضری کی اجازت چاہی، لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی۔ آخر سلطان نے امیر خسروؒ کے ساتھ (جو سلطان کے مصحف بردار تھے) یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو جانا ہے۔ امیر خسروؒ نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دے دی جائے، اس لئے کہ اگر میں نے اس کی اطلاع نہ دی تو شاید میرے حق میں یہ اچھا نہ ہو،

اگرچہ بادشاہ نے اس بارے میں امیر خسروؒ کو اپنا رازدار بنایا تھا لیکن اپنے مرشد سے رازداری امیر خسروؒ کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔ امیر نے حضرت خواجہؒ سے جاکر عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا، حضرت خواجہ یہ سنتے ہی اپنے مرشد کی قبر کی زیارت کی نیت سے اجودھن کا رُخ فرمالیا اور روانہ ہوگئے۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو امیر خسروؒ پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا، اور حضرت خواجہؒ کی قدمبوسی کی سعادت سے محروم کردیا۔ امیر خسروؒ نے کہا کہ بادشاہ کی رنجش سے جان جانے کا خوف تھا لیکن مرشدؒ کی رنجش سے سلبِ ایمان کا خوف تھا۔ بادشاہ حلیم و فرزانہ تھا اُس نے اس جواب کو پسند کیا، اور خاموش ہوگیا۔[1]

سلطان علاء الدین کا امتحان اور عقیدت

سلطان علاء الدین خلجی جو ہندوستانِ قدیم کا سب سے باجبروت اور اقبال مند بادشاہ اور سکندرِ ثانی ہے، اپنے چچا جلال الدین کے بعد تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ ابتدا میں اُس کو حضرت خواجہؒ سے نہ کوئی خاص عقیدت تھی نہ تنفر تھا بعض لوگوں نے سلطان کو حضرت خواجہؒ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی، اور انکی مقبولیت اور رجوعِ عام سے سلطنت کیلئے خطرات ثابت کئے۔ سلطان علاء الدین نے امتحاناً ایک عریضہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد خضر خاں کے ہاتھ بھیجا جس میں آپ سے انتظامِ سلطنت کے بارے میں مشورے اور نصائح کی درخواست کی گئی تھی جب خضر خاں یہ خط لیکر خواجہؒ کی خدمت میں آیا، آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا، حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ ہم دعا کرتے ہیں، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہوں سے کیا کام؟ میں ایک فقیر آدمی ہوں شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے، بادشاہ اور مسلمانوں کیلئے دعا گوئی میں مشغول ہوں، اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے کچھ تعرض کرنا ہے تو میں یہاں سے بھی چلا جاتا ہوں اللہ کی زمین وسیع ہے۔ سلطان علاء الدین اس جواب سے بہت خوش ہوا، اور کہا، کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہؒ کو امورِ سلطنت و سیاست سے کوئی سروکار نہیں لیکن

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۵

بدخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردانِ خدا سے لڑادیں اور اس طرح ملک تباہ ہوجائے۔[1]

بادشاہ کے آنے سے معذرت

سلطان نے حضرت خواجہؒ سے بڑی معذرت کی اور کہلوایا کہ "میں آں مخدوم کا معتقد ہوں، مجھ سے گستاخی ہوئی معاف کیا جائے، اور حاضری کی اجازت دیجائے کہ قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں"۔ حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا کہ "آنے کی حاجت نہیں میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعا بڑی مؤثر ہوتی ہے"۔[2]

گھر کے دو دروازے

سلطان نے اس کے بعد بھی ملاقات کے لئے بڑا اصرار کیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔[3]

غمِ اسلام

اگرچہ علاء الدین حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا لیکن اس کو آپؒ سے برابر عقیدت رہی اور وہ مہماتِ سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر حضرت خواجہؒ سے رجوع کرتا رہا، ایسے موقع پر وہ آپؒ سے دعا کی درخواست کرتا، اور آپ اہتمام کے ساتھ دعا فرماتے۔

قاضی ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ:۔ جب ملک نائب (کافور) ورنگل کے محاصرے میں مشغول تھا، تلنگانہ کا راستہ پرخطر ہوگیا تھا۔ راستہ کے تھانے اور چوکیاں بھی اٹھ گئیں تھیں، چالیس روز سے زیادہ ہوگئے تھے کہ لشکر کی سلامتی کی اور خیریت کی اطلاع سلطان تک نہیں پہنچی تھی، سلطان کو بڑا تردد تھا، اکثر اعیان و امراء دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنہ کے نذر ہوگیا کہ سلسلۂ رسل و رسائل منقطع ہوگیا ہے۔ اسی فکر و تردد کے ایام میں ایک روز سلطان نے ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین بیانوی کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ لشکرِ اسلام کی خیریت نہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردد ہے، آپ کو

[1] سیر الاولیاء ص۱۳۴ [2] ایضاً ص۱۳۵ [3] ایضاً ص۱۳۵

اسلام کا غم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے، اگر نورِ باطن سے آپ کو لشکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطمئن و مسرور فرمائیے، سلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی کہ حضرتؒ کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ نکلے اس کو محفوظ رکھیں، اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ وہ دونوں حضرات شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے سلطان کا پیغام پہنچایا، آپ نے پیغام سننے کے بعد بادشاہ کی فتح و نصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ "یہ فتح کیا ہے، ہم اور فتوحات کی بھی امید رکھتے ہیں"۔ یہ سن کر ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین شاداں و فرحاں واپس آئے اور سلطان کو جواب سنایا، سلطان یہ جواب سن کر بہت خوش ہوا، اس کو یقین ہوگیا کہ ورنگل فتح ہوچکا۔ ۔ ۔ ۔ اسی روز نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تھے کہ ملک نائب کے قاصد پہنچے اور ورنگل کا فتح نامہ لائے، جمعہ کے دن وہ فتح نامہ منبروں پر پڑھ کر سنایا گیا، صحن میں خوشی کا نقارہ بجا اور خوشیاں منائی گئیں، سلطان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔[1]

ایک دوسری مرتبہ جب مغل دہلی پر حملہ آور ہوئے سلطان بنفسِ نفیس جنگ میں شریک تھا، اس نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کروایا کہ یہ بڑا اہم موقع ہے آپ متوجہ رہیں۔ حضرت خواجہؒ نے تمام اہلِ خانقاہ سے ارشاد فرمایا کہ:۔ متوجہ الی اللہ رہیں اور خدا سے مسلمانوں کی فتح کی دعا کریں۔ چنانچہ سب مشغول رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں فتح کی خبر آئی، مغلوں نے شکستِ فاش کھائی۔[2]

قاضی ضیاء الدین سلطان علاء الدین کے اہلِ دربار میں سے تھے کہتے ہیں کہ:۔ اپنے پورے عہدِ حکومت میں کبھی سلطان کی زبان سے حضرت خواجہؒ کے بارے میں کوئی خلافِ شان بات نہیں نکلی۔ اگرچہ دشمن اور حاسدین شیخؒ کی شاہانہ داد و دہش، رجوعِ خلائق اور شاہی لنگر کو سلطان سے رنگ آمیزی اور ایسے طریقے پر بیان کرتے کہ سلطان بدگمان ہوجائے، لیکن سلطان نے کبھی اس کی طرف التفات نہیں کیا، اور خاص طور پر اپنے آخر عہد میں اس کو حضرتؒ سے غایت درجہ کا اخلاص و اعتقاد پیدا ہوگیا تھا، اس کے باوجود کبھی ملاقات کی نوبت نہ آئی۔

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۳۳۲ [2] سیر الاولیاء ص۱۳۶

سُلطان قطب الدّین کی مخالفت اور اُس کا قتل

سُلطان علاء الدین کے بعد اُس کا دوسرا بیٹا قطب الدین مُبارک شاہ ولی عہد سلطنت خضر خاں کو محروم و معزول کر کے غاصبانہ تختِ سلطنت پر بیٹھا۔

"خضر خاں چونکہ حضرت والا کا مرید تھا اور وہی علاء الدین کا ولی عہد تھا جس سے قطب الدین نے حکومت غصب کی تھی، اس لئے قطب الدین حضرتؒ سے بھی ناراض رہتا تھا۔ اُس نے اپنی ایک نئی جامع مسجد "جامع میری" کے نام سے بنوائی تھی اور تمام مشائخ و علماء کو حکم تھا کہ اسی میں آکر نمازِ جمعہ ادا کریں۔ سُلطان المشائخؒ نے کہلا بھیجا کہ :- "ما مسجد نزدیک داریم و ایں را حق است ہمیں جا خواہم گزارد" (ہمارے قریب ایک مسجد ہے اُس کا حق زیادہ ہے ہم وہیں نماز پڑھیں گے) اور وہ جامع میری نہیں گئے۔ بادشاہ سخت برافروختہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ہر نوچندی کو اعیان اور مشاہیرِ شہر دربارِ شاہی میں پیش ہو کر نذر گزرانتے تھے، سُلطان المشائخؒ اس تقریب میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے، ادائے رسم کیلئے اپنے خادم اقبال کو بھیج دیتے تھے اس سے بھی وہ برہم تھا۔ اُس نے اپنے تمام امراء و وزراء کو حکم دیا کہ :- ——————

"کسے بزیارتِ شیخ غیاث پُور نہ رود"

(کوئی شیخ کی زیارت کیلئے غیاث پُور نہ جائے)

امیر خسروؒ نے یہ لکھا ہے کہ :- "بارہا می گفت کہ ہر کہ سرِ شیخ برد ہزار تنکہ اورا دہم" (جو شیخ کا سر لائے گا اُس کو ہزار تنکہ دوں گا) ایک روز شیخ ضیاء الدین رومی کی درگاہ میں سُلطان جی اور قطب الدین کا آمنا سامنا بھی ہوگیا۔ سُلطان جی نے بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے سلام کیا، قطب الدین نے جواب نہ دیا۔ یوں مسلسل

واقعات قطب الدین کی حکومت کے چار سالہ مُدت میں پیش آتے رہے۔[1] نوچندی کی حاضری پر اصرار کا قصہ سب کے آخر میں پیش آیا۔ قطب الدین نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ :- "اگر در غرہ ماہ آئندہ نیامد بیاریم چنانکہ دانیم" گویا کہ یہ اس کی دھمکی تھی کہ بزورِ حکومت دربار میں گھسیٹوا کر بلواؤں گا شاید قتل ہی کا ارادہ ہو۔ سُلطان جی کو بادشاہ کے اس عزمِ مصمم کی خبر پہنچی۔ سُلطان المشائخؒ ہیچ نگفت۔ اب مہینہ ایک ایک کر کے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ "ہر چند ماہ نزدیک رسید التفاتِ مخلصاں را فکرے بیشتر می داد" (مہینہ جتنا نزدیک آ رہا تھا اہلِ تعلق کا فکر و تردد بڑھتا جا رہا تھا) چاند مغرب کے بعد دیکھا گیا۔ کل پہلی تاریخ ہے شہر کے اعیان و امراء دربار میں جائیں گے۔ لیکن سُلطان المشائخؒ یہ طے کئے ہوئے ہیں کہ میں نہیں جاؤں گا۔ قطب الدین یہ فیصلہ کئے ہوئے ہے کہ :- "اگر نیامد بیاریم چنانکہ دانیم" :- صرف شب درمیان است" دلّی میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ دُنیا و دین کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گزرنے بھی نہ پائی کہ :- "ہم دریں شب ماہ بلائے از آسمان برجان بادشاہ نازل شد" (اسی شب ماہ میں بادشاہ کی جان پر آفتِ آسمانی نازل ہوئی) یعنی "خسرو خاں موئے سرِ سُلطان اگرفت و باہم در آویختند پہلوئے سُلطان را بخنجر شگافتہ بر زمین انداخت و سرِ آں شوم را از تن جدا کردہ از بام ہزار ستون بزیر افگند" (طبقاتِ طباطبائی) خسرو خان نے بادشاہ کے سر کے بال پکڑے، دونوں باہم دست و گریباں ہوئے۔ خسرو خاں نے سُلطان کے پہلو کو خنجر سے چیر کر زمین پر ڈال دیا، اور اُس شامت زدہ کا سر تن سے جُدا کر کے

[1] نظام تعلیم ۲۰

بام ہزار ستون سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔[1]

غیبی لنگر

اُسی زمانہ میں جب سُلطان قطب الدین کی طرف سے اِس بات کی خاص روک تھام تھی کہ اُمرا و درباراوُ اعیانِ سلطنت کی طرف سے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں کوئی نذر پیشکش نہ ہونے پائے، تاکہ دیکھا جائے کہ یہ شاہانہ لنگر خانہ کس طرح چلتا ہے، آپ نے خاص طور پر تاکید فرمارکھی تھی کہ اس زمانہ میں کھانا زیادہ پکایا جائے اور دسترخوان وسیع سے وسیع تر کر دیا جائے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا:۔

"ایک بار سُلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے، اور اُمرا و سرداروں کی لائی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ سُلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم کیا کہ:۔ کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جانے، دیکھو

[1] نظام تعلیم و تربیت ص۲۳۰۔ سیر الاولیاء میں یہ واقعہ منقول ہے مگر تاریخ و ماہ و سنہ درج نہیں۔ ص۸۱۵ و ۸۱۶ تاریخ فرشتہ جلد اوّل میں بضمن تذکرہ قطب الدین سُلطان کے قتل کی تاریخ شب پنجشنبہ ربیع الاوّل ۷۲۱ھ مذکور ہے جس کے ساتھ نوچندی کے سلام کی روایت اور چاندرات میں بادشاہ کے قتل کا واقعہ میل نہیں کھاتا (ص۲۲۴)، پھر اسی کتاب کی جلد دوم میں جہاں حضرت سُلطان المشائخؒ کا تذکرہ ہے وہاں سُلطان کے قتل کی تاریخ ۲۹ رشوال لکھی ہے اور سنہ کا تذکرہ نہیں (ص۳۸۶ و ص۳۸۷ جلد ۲) لیکن اس سلسلہ میں سب سے قدیم تر اور قابلِ اعتماد ماخذ امیر خسروؒ کی مثنوی "تغلق نامہ" ہے، جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد کی تصنیف اور امیرؒ کی مستند اور مشہور مثنوی ہے۔ اس میں اُنھوں نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ:۔ قطب الدین کا قتل جمادی الثانی ۷۲۰ھ کی عین چاند رات کو واقع ہوا۔ وہ فرماتے ہیں۔ ؎

چوں تاریخ عرب شد ہفصد و بیست ÷ ثباتِ قطب شد کم جانب زیست
جمادِ دوئمیں را شد پدیدار ÷ ہلال تیرہ و تاریک دیدار
مہ باریک بُود از حالت تلخ ÷ بناخن کردہ خود را پیش از اں سلخ
شد آں مہ بر ہمہ گیہاں مُبارک ÷ مگر بر طالع سُلطاں مُبارک

(تغلق نامہ ص۱۹ طبع حیدرآباد)

ان اشعار سے تاریخ کا بھی صحیح تعین ہو گیا، اور واقعہ کی نوعیت و اہمیت کی بھی تصدیق ہو گئی۔ ۱۲۔

وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں، اور جاسوس مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جائے مجھے آکر اطلاع کریں۔ جناب شیخ نے جب یہ سُنا فرمایا، کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے، ایک مدت بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ سابق جس قدر پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے؛ بادشاہ یہ سُنکر پشیمان ہوا کہا میں غلطی پر تھا، آپ کا معاملہ عالمِ غیب سے ہے۔"[1]

غیاث الدین تغلق کا عہد اور سرکاری مجلسِ مناظرہ

قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چند مہینے خسرو خاں نے غاصبانہ سلطنت کی اور شعائرِ اسلام کو سرنگوں کرکے اسلام کی تذلیل کی۔ ۷۲۱ھ میں غیاث الدین تغلق (ملک غازی) نے خسرو خاں کو قتل کرکے تغلق خاندان کی سلطنت کی بُنیاد ڈالی۔ سلطان غیاث الدین اگرچہ صاحبِ علم نہ تھا لیکن شریعت اور علماء کا احترام کیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ سماع سنتے تھے، ان کی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور رواج ہو گیا تھا۔[2] ایک شخص شیخ زادہ حسام الدین فرجام نامی جو ایک عرصہ تک حضرت خواجہ کے سایۂ عاطفت میں رہا تھا، اور باوجود مجاہدوں کے ذوق وشوق اور عشق کی دولت سے فیضیاب نہیں ہوسکا تھا، نیز قاضی جلال الدین لوالوجی نائب حاکم مملکت کو بھی اہلِ درد و محبت سے ایک طرح کی کد تھی۔ قاضی صاحب اور دوسرے علماء نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا اور اس نے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین مقتدائے زمانہ ہیں اور وہ سماع سُنتے ہیں جو امام اعظمؒ کے مذہب میں حرام ہے اور ان کی وجہ سے ہزارہا مخلوق اس فعل ممنوع کا ارتکاب کرتی ہے۔ سلطان اس مسئلہ سے بے خبر تھا، اس کو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جو مقتدائے عالم ہیں ایسا نا مشروع کام کیسے کرتے ہیں۔

[1] خیر المجالس ماخوذ از ترجمہ ص۲۰۳

[2] سماع کی حقیقت، اغراض ومقاصد اور اسکے آداب واحکام کی بحث چوتھے باب "اذواق وکیفیات" میں ملاحظہ ہو۔

لوگوں نے سماع کی حلت کے فتوے، اور کتب شرعیہ کی روایات بادشاہ کے سامنے پیش کیں، بادشاہ نے کہا کہ چونکہ علمائے دین نے سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اس کو منع کرتے ہیں اسلئے حضرت خواجہ اور تمام علماء شہر اور صدور و اکابر کو طلب کیا جائے اور ایک مجلس منعقد کی جائے تاکہ یہ تحقیق ہو جائے کہ حق کیا ہے۔ میر خورد کی زبان سے اس کی تفصیل سُنئے :-

- قصر شاہی میں حضرت خواجہؒ کی طلبی ہوئی، حضرت خواجہؒ قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا فخر الدین زرادی کی معیت میں کہ دونوں سرآمد علماء اور اساتذہ وقت تھے محل میں تشریف لے گئے۔ پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہ کو وعظ و نصیحت شروع کی اور نامناسب طریقے پر آپ سے خطاب کیا، یہاں تک کہا کہ اگر اسکے بعد آپنے سماع کی حلت کا دعویٰ کیا اور سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں، میں آپ کو سزا دوں گا۔ یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ :- جس منصب کے بھروسہ پر تم یہ بات کہہ رہے ہو اُس سے معزول ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ٹھیک بارہ روز بعد قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے روانہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس مباحثہ میں تمام علماء و اکابر صدور و امراء اور ارکان سلطنت حاضر تھے۔ بادشاہ اور سب حاضرین مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی، اور سب آپکی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے لوگ رقص کرتے ہیں آہ و نعرہ لگاتے ہیں، اسی طرح اور بہت سی باتیں کہیں۔ حضرت خواجہؒ نے شیخ زادہ کی طرف دیکھا اور فرمایا :- شور مت کرو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں پہلے یہ بتلاؤ کہ سماع کی تعریف کیا ہے ؟۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں نہیں جانتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ علماء سماع کو حرام کہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے

فرمایا کہ :- جب تم کو سماع کے معنی ہی نہیں معلوم تو مجھے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے اور نہ کہنا چاہیے۔ شیخ زادہ حسام شرمندہ ہوا، بادشاہ پوری توجہ سے آپ کی تقریر سُن رہا تھا جب کوئی زور سے بات کرتا تو کہتا کہ شور مت کرو، سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ حاضر الوقت علماء میں مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے۔ مولانا حمید الدین نے اتنا فرمایا کہ یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان کرتے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے میں نے خود دیکھا ہے اور بہت سے مشائخ اور درویشوں کو بھی میں نے دیکھا ہے ————

اسی دوران میں شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے نواسے مولانا علم الدین آگئے۔ بادشاہ نے اُن سے کہا کہ آپ بھی عالم ہیں اور شیخ بھی اس وقت سماع کی بحث درپیش ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ سماع سُننا حرام ہے یا حلال ؟۔ مولانا علم الدین نے کہا کہ میں نے اِس باب میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس میں اس کی حرمت و حلت کے دلائل نقل کئے ہیں، تحقیق یہ ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں اُن کے لئے حلال ہے اور جو نفس سے سُنتے ہیں اُن کے لئے حرام۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین سے پوچھا کہ :- آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ پھر چکے ہیں وہاں کے مشائخ سماع سُنتے ہیں یا نہیں اور وہاں کوئی منع کرتا ہے ؟۔ مولانا علم الدین نے فرمایا کہ :- ان سب شہروں میں بزرگ و مشائخ سماع سنتے ہیں، اور بعض دف و شبانہ کے ساتھ بھی، کوئی مانع نہیں ہوتا، اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت جنیدؒ و شبلیؒ کے وقت سے مروج چلا آرہا ہے۔ بادشاہ مولانا علم الدین کی زبان سے یہ سُنکر خاموش ہو گیا

اور اُس نے کچھ نہیں کہا۔ مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ سماع کی حرمت کا فرمان صادر کردیں اور امام اعظمؒ کے مذہب کی پاسداری فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں، بادشاہ نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا، اور اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا۔ مولانا فخر الدین (جو مجلس میں حاضر تھے) کا بیان ہے کہ ابتدائے چاشت سے زوال تک یہ بحث جاری رہی، اہل مجلس تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے اور آخر میں اس پر بحث آکر ختم ہوگئی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے یا اس کا فعل۔

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت خواجہؒ سماع سُن سکتے ہیں اور کسی کو اُن کو منع کرنے کی اجازت نہیں، لیکن یہ روایت مرجوح ہے ——— انھیں دنوں میں کسی نے حضرت خواجہؒ سے کہا کہ اب تو سماع کے لئے فرمانِ سلطانی ہوگیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سُنیں وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اگر وہ حرام ہے تو کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہوسکتا، اور اگر حلال ہے تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہوسکتا۔ مجلس کے اختتام پر بادشاہ نے حضرت خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔[1]

مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہ کی زبان سے

قاضی ضیاء الدین برنی اپنی کتاب حسرت نامہ میں لکھتے ہیں کہ: جب حضرت خواجہ اس مجلس سے فارغ ہوکر مکان پر تشریف لائے تو آپ نے نمازِ ظہر کے وقت مولانا محی الدین کاشانی اور

[1] سیر الاولیاء، باختصار ص۵۳۰ تا ص۵۳۲

امیر خسرو کو طلب فرمایا، ارشاد ہوا کہ دہلی کے علما عداوت و حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھوں نے وسیع میدان پایا، اور دشمنی کی بہت سی باتیں کیں، عجائب بات یہ دیکھی کہ صحیح احادیث نبویہ کا سننا ان کو گوارا نہیں تھا، ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہ پر عمل حدیث پر مقدم ہے، یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جن کا احادیثِ نبویہ پر اعتقاد نہ ہو، میں جب کوئی صحیح حدیث پڑھتا تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے تھے کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں، ہم نہیں سُنیں گے۔ معلوم نہیں کہ یہ با اعتقاد ہیں یا نہیں، اولوالامر کے سامنے ایسی زبردستی سے کام لیتے تھے، اور احادیثِ صحیح کو روکتے تھے، میں نے کوئی عالم ایسا دیکھا نہ سُنا کہ اس کے سامنے احادیثِ صحیحہ پڑھی جائیں اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا، میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیا قصہ ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرأت اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے، تعجب نہیں کہ اگر اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے، اس کے بعد بادشاہ اور امراء اور عوام جب قاضی شہر اور علماء شہر سے یہ سُنیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا حدیثِ نبویؐ پر اعتقاد کیسے رہے گا مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس بدعقیدگی کی نحوست سے آسمان سے بلاء و جلاء و قحط و وبا نہ برسے۔[1]

دہلی کی تباہی

اس واقعہ کے ٹھیک چھٹے سال حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے فرزند اور جانشین محمد تغلق نے دلی کو بالکل خالی کردینے اور دیوگیر (دولت آباد) منتقل ہوجانے کا فرمان جاری کیا اور اس میں ایسی ضد اور عجلت سے کام لیا کہ حقیقتاً شہر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور دلّی سا گلزار و آباد شہر جس میں پہلے رہنے کو جگہ نہیں ملتی تھی ایسا خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے وہاں کسی متنفس کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

محمد قاسم تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے: ———

[1] سیر الاولیاء ص۵۲۷ و ص۵۳۲

احدے از مردم دہلی راکہ بآب وہوائے آں جا
خوگرفتہ بودند بحالِ خود نگذاشتہ
طرف دولت آباد فرستاد و دہلی بنوعے
ویران گشت کہ آواز ہیچ متنفس بجز شغال
و روباہ و جانوران صحرائی بگوش نمی رسید۔[1]
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کارپردازانِ حکومت نے کسی ایک شخص کو بھی جو دہلی کی آب و ہوا کا خوگر تھا اپنی جگہ نہیں چھوڑا، سب کو کلیۃً دولت آباد (دیوگیر) بھیج دیا اور دہلی اس طرح ویران ہوئی کہ کسی ایک جاندار کی آواز بھی سوائے گیدڑ، لومڑی اور جنگلی جانوروں کے کان میں نہیں آتی تھی۔

وہ تمام علماء جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی ان کی بدولت دولت آباد جلاوطن ہوئے، دولت آباد پہونچے تو وہاں سخت قحط اور وبا کا سامنا کرنا پڑا، ہزاروں راستہ میں لقمۂ اجل بن گئے، اور ہزاروں وہاں پہونچ کر قحط اور بیماریوں کا شکار ہوئے، اور حضرت خواجہؒ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

نظام الاوقات

امیر خورد نے حضرت خواجہ کا نظام الاوقات اس طرح لکھا ہے:-

"روزہ افطار کرنے کے بعد (جو اہلِ جماعت کے ساتھ ہوتا تھا) اپنے بالاخانہ کے قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے، احباب و خدام جو شہر اور اطراف سے آئے ہوئے ہوتے تھے مغرب و عشاء کے درمیان اوپر ہی بلائے جاتے تھے ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا، ہر قسم کے تر و خشک میوے اور کھانے پینے کی لطیف و لذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھیں، حاضرینِ مجلس تناول کرتے آپ ہر ایک کی دلداری فرماتے اور خیریت و حالات دریافت فرماتے۔"[2]

امیر خسرو کی خصوصیت

عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے تشریف لاتے، جماعت کیساتھ نماز پڑھ کر پھر بالاخانہ پر تشریف لے جاتے کچھ دیر مشغول رہتے،

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اول) صفحہ ۲۴۳ [2] سیر الاولیاء صفحہ ۱۲۵

پھر آرام کرنے کے لئے چارپائی پر تشریف لے جاتے، اُس وقت خدام تسبیح لاکر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اُس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی،[1] وہ سامنے بیٹھ کر ہر طرح کے قصّے اور باتیں کرتے آپ پسندیدگی میں سرِ مبارک کو حرکت دیتے، وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ ترک کیا خبر ہے؟ امیر خسرو اتنی بات سُنکر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے، اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے تو وہ پوری داستان سُناتے،[2] اس موقع پر بعض کم سن اعزہ اور بعض پروردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور قدمبوسی کرتے۔

نخفت خسروِ مسکیں ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کفِ پایت نہد بخواب شود

شب کی تیاری

جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت لیکر رخصت ہوتے تو اقبال خادم آتے اور پانی کے بھرے ہوئے چند آفتابے آپ کے وضو کے لئے رکھ کر باہر چلے جاتے اس کے بعد حضرت خواجہ خود اُٹھتے اور دروازہ کو زنجیر لگاتے، پھر وہاں کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز ہوتے اور اپنے مالک سے کیا ذوق و شوق کی باتیں

[1] امیر خسرو کو حضرت خواجہؒ سے جو والہانہ و عاشقانہ تعلق تھا وہ اُن کے سوانح اور دیوان سے معلوم ہوتا ہے، بلبل کو گُل سے اور پروانہ کو شمع سے جو تعلق ہوتا ہے اسی طرح کا تعلق امیر خسرو کو اپنے مرشد سے تھا، حضرت خواجہؒ کو بھی اس عاشق صادق سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ "من از ہمہ تنگ آیم و از تو تنگ نیایم" مجھے بعض اوقات ہر ایک سے وحشت ہونے لگتی ہے لیکن اس حالت میں بھی تم سے نہیں ہوتی۔ مزید برآں ایک بار فرمایا: "از ہمہ کس تنگ آیم حتٰی کہ از خود تنگ آیم و از تو تنگ نیایم" بعض اوقات اپنے سے بھی اکتانے لگتا ہوں مگر تم سے نہیں اکتاتا (سیر الاولیاء صفحہ ۳۰۲) ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر خسرو کو جس نظر سے دیکھتے ہیں ایک بار وہ نظر مجھ پر ڈال دیجئے، میں نے اُس کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل میں آیا کہ اُس سے کہوں کہ وہ قابلیت تو لاؤ۔ (صفحہ ۳۰۲) ۔۲۰

[2] بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را ÷ من از شوقِ حضوری طول دادم داستانے را

ہوتیں۔ حضرت خواجہؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ دو شعر دیکھے ہیں جو بالکل حسب حال ہیں۔ ؎

تنہا منم و شب و چراغی　　مونس شدہ تا پگاہ روزم
گاہش ز آہ سرد بکشم　　گاہ از تف سینہ بر فروزم

کبھی کبھی یہ شعر بھی آپ کی زبانِ مبارک سے سُنا گیا ہے، اور حکایتِ حال ہے۔ ؎

بارے بہ تماشائے من و شمع بیا
کز من و شمع نماند وا زوے دودے

سحری

سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک دیتا۔ حضرت خواجہؒ دروازہ کھول دیتے۔ سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کے لئے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو۔ خواجہ عبدالرحیم جن کے ذمہ سحر کا لے جانا تھا، بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو ضعف بہت بڑھ جائے گا، اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوئے ہیں اور فاقہ سے رات گذار دیتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اُتر سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اُٹھا کر لے جاتا۔

صبح کے وقت

جب دن ہوتا جس کی جمالِ مُبارک پر نظر پڑتی دیکھتا کہ کھلی ہوئی مستی ہے اور آنکھیں بیداری سے سُرخ ہیں، ایسے شدید مجاہدوں سے بھی آپ کے اندر کوئی ضعف نظر نہ آتا، اور آپ کی کسی ہئیت میں جو آپ کی معمول تھی تغیر نہ ہوتا، کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں، یا اتنی تسبیح کا معمول ہے۔ عمر عزیز ان باطنی مشغولیتوں میں گذرتی، جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دلجوئی اور قلوب کے تفقد و دریافت میں مشغول رہتے،

جس سے افضل کوئی کام نہیں۔ ع

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

دن میں

دن میں تمام روز اپنے مشائخ کے سجادہ پر قبلہ رو باطنی طور پر مشغول، مُتَوَجِّهًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى كَاَنَّهٗ يَنْظُرُ اِلَيْهِ (اللہ کی طرف متوجہ ہو کر گویا وہ روبرو ہے) بیٹھ کر گذار دیتے۔ آنے والوں میں مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے، علما و مشائخ، صدور و اکابر، وضیع و شریف، ہر ایک کے علم و مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اُسی میں اُس سے گفتگو کرتے اور اُس کی دلجوئی فرماتے، ظاہری طور پر اُن میں مشغول ہوتے اور باطن میں پُورے طور پر مشغول بحق ہوتے۔[1]

دلداری و تربیت

نماز ظہر کا وقت ہوتا، نماز ادا کرنے کے بعد جو عزیز قدمبوسی کیلئے آئے ہوئے ہوتے اُن کو طلب فرمایا جاتا اور اُن سے گفتگو و دلداری میں کچھ وقت گزرتا عبادات و سلوک و محبتِ الٰہی کے بارے میں اُن کی رہنمائی کی جاتی، اکابر علما و صلحا کی (جو اس مجلس میں حاضر ہوتے) ہمت نہ ہوتی کہ سر اُٹھا کر چہرۂ مُبارک کو دیکھتے، ایسا رعب اور من جانب اللہ عظمت تھی کہ آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

قربِ سفر

عمر مُبارک جب اسّی سے متجاوز ہوئی تو سفرِ آخرت کے آثار نمایاں ہوئے۔ ایک روز ارشاد فرمایا کہ:- میں نے خواب میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد ہوا:- نظام ہم کو تمہارا بڑا اشتیاق ہے۔[2]

خلفائے کبار کو اجازت نامے اور انکی محبت و مواخات

بیماری کے دوران میں آپ نے متعدد حضرات کو خلافت عطا فرمائی اور اجازت نامے

---

[1] سیر الاولیاء ۱۲۵ و ۱۲۹ - [2] ایضاً ۱۳۱ -

لکھ کر دیئے۔ مولانا فخر الدین زرادی نے ان کا مضمون مرتب کیا' اور سید حسین کرمانی نے اُن کی کتابت کی' آپ نے اُن پر اپنے دستخط مبارک ثبت کئے، دستخط کے الفاظ یہ تھے :۔ من الفقیر محمد ابن احمد ابن علی البداؤنی البخاری :۔ ان اجازت ناموں پر ۲۰ ذی الحجہ ۷۲۴ھ درج ہے' گویا یہ وفات سے تین مہینے ۲۷ دن پہلے لکھے گئے ہیں۔[1]

جن حضرات کیلئے یہ اجازت نامے تھے اُن کو جہاں جہاں وہ تھے پہنچا دیئے گئے، جو حضرات موجود تھے اُن کو بُلا کر خود عطا کئے گئے۔ پہلے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی، سلطان المشائخ نے خلعتِ خلافت عطا فرمایا اور وصیت فرمائی، اجازت نامہ اُن کو مرحمت ہوا' اور ارشاد ہوا کہ جاؤ دوگانہ ادا کرو' دوستوں نے مُبارکباد دی۔ اسی دوران میں شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو یاد فرمایا گیا، اُن کو بھی خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا اور وصیت فرمائی گئی۔ شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے ہوئے تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی' وہ آئے تو ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مُبارکباد دو' پھر شیخ نصیر الدین محمود سے ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مُبارکباد دو' دونوں نے ایک دوسرے کو مُبارکباد دی' پھر دونوں کو ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے کا حکم ہوا۔ پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو' تقدیم و تاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا۔[2]

وفات کا حال

وفات سے ۴۰ روز پیشتر استغراق و تحیر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ امیر خورد نے تفصیل سے وفات کا حال لکھا ہے' اُن کا بیان ہے :۔

"جمعہ کا دن تھا، سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی' نورِ تجلی سے ان کا باطن منور معلوم ہو رہا تھا، نماز کے اندر بار بار سجدے فرماتے تھے۔ اسی حالتِ تحیر میں مکان تشریف لائے' گریہ میں ترقی ہو گئی۔ روزانہ کئی کئی بار

[1] حضرت خواجہؒ کی وفات ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو ہوئی۔

[2] سیر الاولیاء صـ۲۰ و صـ۲۲۱ و صـ۲۲۲ و صـ۲۴۸ و صـ۲۴۹۔

غیبوبت و استغراق ہو جاتا تھا' پھر توجہ ہو جاتی تھی' یہی فرماتے تھے کہ آج جمعہ کا دن ہے' دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اس کیفیت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ اگر جواب دیا جاتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیں' ہر نماز کو مکرر ادا کرتے جتنے دن اس عالم میں رہے یہ دو باتیں مکرر فرماتے :۔ آج جمعہ کا دن ہے؟ ہم نماز پڑھ چکے ہیں؟ اور کبھی یہ مصرع پڑھتے

"می رویم و می رویم و می رویم"

اسی دوران میں ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ :۔

"تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس میں سے بچالی ہو تو کل روزِ قیامت اُس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا" اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے' سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے۔ اور واقعی اُس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا' سوائے اُس غلہ کے جو چند دن کیلئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میرے چچا سید حسین نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی' سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے اُن کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟۔ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بُلاؤ' جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلہ بے تکلف اُٹھالے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔ ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اُنہوں نے غلہ کو لوٹ لیا۔

اسی بیماری میں کچھ احباب اور خدمتگار حاضر ہوئے اور انھوں نے پوچھا کہ :۔ آں مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہوگا؟۔ فرمایا کہ :۔ یہاں اتنا ملتا رہے گا جس سے تمہارا گذر ہو جائے۔ میں نے بعض معتبر مشائخ سے سُنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان کون نصیب ور ہوگا؟[1]۔ فرمایا :۔ جس کی قسمت یاوری کرے گی۔ بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نانا مولانا شمس الدین دامغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے اپنے

[1] غالباً جانشینی و خلافت کے متعلق سوال تھا۔

اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطہ میں بلند بلند عمارتیں بنالی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اُس کی عمارت میں آرام فرمائیں[1] اگر وہ ناگزیر وقت آگیا تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تاکہ کوئی خود رائی سے کام نہ کرے۔ مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہونچایا تو ارشاد ہوا کہ:۔ میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا، میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا، بعد میں سلطان محمد تغلق نے اُس پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۴۰ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرمادی تھی، کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی، گریہ اس شدت سے غالب تھا کہ ایک گھڑی کیلئے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ ؎

گر نہ بینی گریۂ زارم ندانی فرق کرد
کاب چشمم است اینکہ پیشت می رود یا آب جو

اسی درمیان میں اخی مبارک ایک روز مچھلی کا شوربہ لائے، مخلصین نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناول فرمائیں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ:۔ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ:۔ تھوڑا سا مچھلی کا شوربہ ہے۔ فرمایا:۔ "بہتے ہوئے پانی میں ڈال دو" آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا۔ میرے چچا سید حسین نے عرض کیا کہ کئی دن ہوگئے ہیں کہ آں مخدوم نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ فرمایا:۔ سید جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہو اُس سے دنیا میں کھانا کیسے کھایا جائے!۔ الغرض ۴۰ روز کی مدت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا اُسی طرح بات بھی بہت کم کی۔ آخر چہار شنبہ کے دن تک، جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔

۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت، حقیقت و معرفت اور ہدایت و ارشاد کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

---

[1] یعنی مدفون ہوں۔۱۲

نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرۂ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی۔ نماز کے بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ:۔

"مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے ۴۰ سال تک دہلی میں اسلئے رکھا گیا کہ مجھے اس نماز جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو"[1]

ساری عمر تجرد میں گذری، اسلئے کوئی اولاد نہیں تھی، رُوحانی سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیلا اور ابھی تک جاری ہے۔

---

[1] سیرالاولیاء (ص۱۵۲ تا ص۱۵۵)۔

باب سوم

اخلاق و صفات

جامع اوصاف

حضرت خواجہ نظام الدین کے اوصاف و خصوصیات کا خلاصہ اور ان کا صحیح ترین و جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطائے خلافت کے وقت اُن کے صاحب نظر شیخ و مرشد (شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ) کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا۔

باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است	اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و عشق کی دولت عطا
وہر کہ بدیں صفت موصوف باشد ازو خلافت	کی ہے اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ کی
مشائخ نیکو آید۔[1]	خلافت کی ذمہ داریاں خوب ادا کر سکتا ہے۔

حضرت خواجہؒ کی سیرت اسی جامعیت کا مرقع ہے یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ محبت، معرفت حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت و صحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام دور آخر میں تصوف پڑ گیا ہے، یعنی اخلاص و اخلاق اُس کی بہترین نمود اُن کی زندگی میں نظر آتی ہے۔

[1] سیر الاولیاء (ص ۳۴۵)۔

اخلاص

ان کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے اُن کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبولِ عام اور بقائے دوام عطا کیا اور اُن کو محبوبیت کے خاص انعام سے نوازا، وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت و رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی، محبت و یقین کے شعلہ نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر رکھ دیا تھا، حبِ دنیا، حبِ جاہ اور اس طرح کی تمام محبتوں اور طلبوں کا استیصال کلی ہو چکا تھا۔ ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما ❊ اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما ❊ اے تو افلاطون و جالینوس ما

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ❊ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت ❊ شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت[1]

امیر حسن علا سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟۔ فرمایا کہ :- آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔ اس پر یہ ذکر آگیا کہ گذشتہ زمانہ میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے اس لالچ میں کہ اس کی عام شہرت ہو گی اور شیخ الاسلامی کے عہدے پر (جو اُس زمانہ میں خالی تھا) اُن کا تقرر ہو جائے گا۔ یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور آپنے فرمایا:-

بسوز تا کل شیخ الاسلامی رادبیں خانقاہ را ❊ آگ لگا دو ایسی شیخ الاسلامی کو پھر خانقاہ کو

[1] مولانا رومؒ۔

وبعد ازاں خود را[1] پھر اپنے کو خاک کرکے رکھ دو۔

حضرت خواجہؒ کی ساری زندگی اِسی "دل سوختگی" اور "خود باختگی" کا نمونہ ہے، اور اسی چیز نے اُن کی صحبت میں کیمیا اور اکسیر کی خاصیت پیدا کردی تھی۔ اُنھیں کے سلسلہ کے ایک سوختہ دل شیخ[2] سے (جو نویں صدی میں نظامی سلسلہ کے مقتدیٰ تھے) یہ دو شعر منقول ہیں جو اس صورت حال اور جذبہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ ؎

ما را نہ مرید درد خواں می باید نے زاہد نے حافظ قرآں می باید
صاحب دردے سوختہ جاں می باید آتش زدہ بہ خانماں می باید

اپنے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشینوں کے بارے میں بھی (جن سے تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کا کام لینا تھا) اس کا لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اُس مقام پر پہونچ گئے ہیں کہ حبّ جاہ کا ان کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ مولانا فصیح الدین نے سوال کیا کہ:۔ مشائخ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا:۔

"کسے را کہ در خاطر او توقع خلافت نباشد"[3] وہ شخص جو خلافت کا متوقع اور منتظر بھی نہ ہو۔

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک ممتاز خادم کے متعلق جن کو اجازت دی جا چکی تھی معلوم ہوا کہ وہ کوئی کمبل تہہ کرکے بچھا کر اُس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں اور امراء و عوام خواص اُن کی خدمت میں معتقدانہ حاضر ہوتے ہیں، آپ اس سے اتنے آزردہ ہوئے کہ جب وہ آئے تو آپ نے

[1] فوائد الفواد (ص۲۴۳)۔

[2] حضرت شاہ محمد مینا (محمد بن قطب) لکھنوی (م ۸۸۴ھ)۔

[3] سیر الاولیاء (ص۳۴۵)۔

اُن سے مُنھ پھیر لیا اور اُن کو اجازت سے محروم کر دیا، عرصہ تک اُن سے ایسی ہی بے رُخی رہی، جب تک کہ اُن کا عُذر ظاہر نہیں ہوا، اور انھوں نے معافی نہیں مانگی، اُن پر نظرِ عنایت مبذول نہیں ہوئی۔[1]

دشمن نوازی

اخلاص و فنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہونچ کر سالک کے دل سے رنج و شکایت انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے، وہ نہ صرف آشنا پرور و دوست نواز ہوتا ہے، بلکہ دشمن کا احسان مند اور دشمن کے حق میں دُعا گو بن جاتا ہے، گویا دشمنی کوئی احسان ہے، کوئی نادر تحفہ اور زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دُعا نکلتی ہے، اور مُنھ سے پھول جھڑتے ہیں۔

امیر علاء سنجری راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرع پڑھا۔ ع

"ہر کہ ما را رنج دادہ راحتش بسیار باد"

(جو ہم کو رنج دے خدا اُس کو بہت راحت پہونچائے)

اسکے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ؎

ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی
ہر گلِ کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد[2]

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرماتے تھے کہ حصار اندر پت میں (جو موضع غیاث پور کے قریب ہے) چھجو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرتؒ سے دشمنی تھی، بُرا بھلا بھی کہتا رہتا تھا اور آپ کو تکلیف و ایذا پہونچانے کی فکر میں رہتا تھا، اُس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخؒ نے اُسکے جنازے میں شرکت کی، دفن کے بعد اُسکے بالیں پر دو رکعت نماز پڑھی اور دُعا فرمائی کہ:۔ خدایا! اس شخص نے جو کچھ کہا ہو یا بُرا سوچا ہو

[1] سیر الاولیاء میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ [2] فوائد الفواد ص۸ (ترجمہ) جو ہمارے راستہ میں کانٹے بچھائے اگر اس کے گلشن حیات میں جو پھول کھلے بے خار ہے۔

میں نے اُس کو بخش دیا، تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا۔[1]

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب والا کو منبر پر اور دوسرے موقعوں پر بُرا بھلا کہتے ہیں، ہم سے سُنا نہیں جاتا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا، تم بھی معاف کرو، اور ایسے آدمی سے جھگڑا نہ کرو۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دُور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے، دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔ فرمایا کہ:- آخر لوگ بُرا بھلا کہنے سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ "الصوفی سبیل است وخون او مُباح" (صوفی کا مال وقف ہے اور اس کا خون روا) جب معاملہ یہ ہے تو کسی بُرا بھلا کہنے والے سے کیوں جھگڑا کیا جائے؟۔[2]

ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کیساتھ بدی کی جائے، لیکن مردانِ خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا:-

کیے خار نہد و تو ہم خار نہی این خار خار باشد .. .. میانِ مردمان ہم چنین است بانغزاں نغزی وباکوزاں کوزی، امامیان درویشان ہمچنین است کہ بانغزاں نغزی باکوزاں ہم نغزی۔[3]	اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی کانٹا رکھ دو، تو کانٹے ہی کانٹے جمع ہو جائینگے۔ لوگوں کے درمیان عام اصول یہی ہے کہ سیدھوں کیساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کیساتھ ٹیڑھا۔ لیکن درویشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کیساتھ سیدھا، اور ٹیڑھوں کیساتھ بھی سیدھا۔

حضرت خواجہؒ کا اس بارے میں معیار اتنا بلند تھا کہ بُرا کہنا تو بڑی چیز ہے، وہ بُرا چاہنے کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:-

[1] سیر العارفین (قلمی)   [2] فوائد الفواد ص۹۵   [3] ایضاً ص۸۵

بد گفتن اندک است اما بد خواستن ازاں بدتر است۔[1]	بُرا کہنا بھی بُرا ہے، لیکن بُرا چاہنا اس سے کہیں بُرا ہے۔

جب یہ معاملہ آپ کا سب کے ساتھ تھا، تو اپنے شیخ اور ولی نعمت کے عزیزوں اور تعلق والوں کیساتھ کیوں نہ ہوتا جن کے احسان سے آپ کا رواں رواں تر تھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے خواجہ عطاء اللہ ایک لااُبالی قسم کے آدمی تھے، ایک دن قلم دوات اور کاغذ لیکر آئے اور کہا کہ میرے لئے فلاں سردار کو ایک سفارشی خط لکھ دیجئے تاکہ مجھے وہ کوئی اچھی رقم دیدے۔ شیخ نے فرمایا کہ:- نہ میری اُس سردار سے کبھی ملاقات ہوئی ہے، نہ وہ یہاں کبھی آیا ہے، جس شخص سے بالکل جان پہچان نہ ہو اُس کو رقعہ کس طرح لکھا جائے؟۔ صاحبزادے کو غصہ آگیا اور اُنھوں نے سخت سُست کہنا شروع کیا کہ ہمارے ہی نانا کے مرید ہو، اور ہمارے ہی خاندان کا صدقہ پایا ہے، اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو کہ میرے لئے ایک رقعہ تم سے نہیں لکھا جاتا، یہ تم نے کیا پیری مریدی کا جال بچھایا ہے اور خلق خدا کو دھوکا دے رہے ہو؟ یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی اور اُٹھ کر چلے۔ حضرتؒ نے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ ناراض ہو کر کیوں جا رہے ہو، خوش ہو کر جاؤ، اسکے بعد ایک رقم سامنے رکھی اور رضامند کر کے رخصت کیا۔[2]

پردہ پوشی و نکتہ نوازی

سیر الاولیاء میں ہے کہ اکثر معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی شیرینی یا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے اور پیش کرتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اسی ارادہ سے آرہے تھے، ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے، انھوں نے سوچا کہ لوگ مختلف تحائف پیش کرینگے اور وہ اکٹھا حضرتؒ کے سامنے رکھیں گے، خادم سب کو اُٹھا کر لے جائے گا، کیا پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا؟ انھوں نے تھوڑی سی مٹی راستہ سے اُٹھا کر کاغذ میں باندھ لی، جب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے

[1] سیر الاولیاء ص۱۵۵   [2] سیر العارفین (قلمی)۔

ہر ایک نے اپنی چیز سامنے رکھی، مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھ دی۔ خادم وہ سب چیزیں اُٹھا کر لے جانے لگا، پڑیا کو بھی اُٹھانا چاہا۔ حضرتؒ نے فرمایا: "اس کو یہیں چھوڑ دو، یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔" یہ اخلاق و عالی ظرفی دیکھ کر اُن عالم صاحب نے توبہ کی، اور مرید ہوئے۔[1]

شفقت و تعلق

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہؒ کو عام انسانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے اہلِ تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ یا اُس پر بھی ترجیح دی جائے تو واقعات کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔ شیوخ کاملین کی یہ شفقت دراصل نبیؐ کی اُس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ — (التوبہ ع ۱۶)	اے لوگو تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف و مضرت کی بات گراں گذرتی ہے، جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہش مند رہتا ہے، ایمانداروں کے ساتھ بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔

اور اس حکم کی تعمیل ہے جس کا خطاب رسولؐ سے ہے:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (شعراء ع ۱۱)	اُن لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ "اتحاد" پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علاء سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی، سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے، آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں سے فرمایا:۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۴۳

"بھائی! ذرا مل مل کر بیٹھو تاکہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہو جائے، دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں۔"[1]

ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا ملفوظ نقل کیا جو درحقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ "خدا کی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اُس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں۔"[2]

امیر حسن علاء سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا، حاضری کو بھی جی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی اور کام سے آیا ہو اور شروع سے حاضری کی نیت نہ کی ہو تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہئے۔ میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آکر حضرتؒ کی زیارت کئے بغیر واپس چلا جاؤں، میں آج قاعدہ کے خلاف ہی کروں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا "اچھا کیا" پھر یہ شعر پڑھا ۔ ؎

در کوئے خرابات و سرائے اوباش
منعے نبود بیا و بنشین و بہ باش

پھر فرمایا کہ: مشائخ کا معمول یہی ہے کہ کوئی ان کے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا، لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں جس وقت جس کا جی چاہے آئے۔[3]

غمخواریٔ عام

یہ اہلِ قلوب عجب ہیں، دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم اور خلقِ خدا کی فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں، وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں، اور ساری دنیا کا غم اپنا غم بنا لیتے ہیں، یہ کہنے کا حق درحقیقت انھیں کو ہے، کہ۔ ع

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ خواجہ نظام الدینؒ

---

[1] فوائد الفواد ص ۹۱ [2] سیر الاولیاء ص ۷ [3] فوائد الفواد (ج ۱) ص ۹۵

عجب فارغ البال بزرگ ہیں، مجرد ہیں، اہل و عیال و اطفال کا کوئی تردد اُن کو نہیں ہے، اُن کو ایسا فراغِ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ غم بھی اُن کو چھو نہیں گیا ہو۔ وہ عزیز اُس مجلس سے اُٹھے تو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں، حضرت خواجہؒ نے خود ہی ارشاد فرمایا:۔

"میاں شرف الدین وہ رنج و غم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اُس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اُس سے دو چند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے، بڑا سنگدل ہے جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے، اسکے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے:۔

"المخلصون علیٰ خطر عظیم" (مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے)

اس سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ۔ ع

زردیکاں را بیش بود حیرانی[1]

حضرت خواجہؒ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اس کی دلجوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ فرمایا:۔

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اُس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہونچاؤ، کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا مقام ہے۔" کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ ؎

می کوش کہ راحتے بجانے برسد ✤ یا دست شکستۂ بنانے برسد

(کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہونچے، یا جو دست شکستہ ہو اُس کو تمھارے ذریعے روٹی ملے)

[1] سیر العارفین (قلمی)

ایک مرتبہ فرمایا کہ:۔

"قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔"[1]

چھوٹوں پر شفقت

حضرت خواجہؒ اپنے قیمتی مشاغل اور اعلیٰ کیفیاتِ باطنی کے ساتھ بچوں اور چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے، اور وہ اپنی شدید مصروفیت کے باوجود اُنکی دلجوئی و ملاطفت کیلئے وقت نکال لیتے تھے، ان عظیم ذمہ داریوں اور باطنی مشغولیت کے باوجود ان بچوں کی پوری رعایت فرماتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھتے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون آپ کے حقیقی بھانجے کے صاحبزادے تھے، اگر کبھی کھانے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے تو اگرچہ بڑے بڑے بزرگ دسترخوان پر بیٹھے ہوتے لیکن آپ اُن صاحبزادے کا انتظار کرتے آپ اپنے بچے کی طرح خلوت و جلوت میں اُن کی تربیت و دلداری فرماتے۔[2]

خواجہ رفیع الدین کو تیر و کمان اور تیراکی و کشتی کا بڑا شوق تھا، حضرت سلطان المشائخ بڑی شفقت کیساتھ اُن سے انھیں فنون کی باتیں کرتے تھے، ان کی ہمت افزائی اور تشویق فرماتے، ان فنون کی باریکیوں اور نکتوں کی تعلیم دیتے تاکہ یہ خوش ہوں۔[3]

جو شریف النسب و ذی استعداد نوجوان اپنے زمانہ کے شوقین لوگوں کے جیسا لباس پہنتے اور ان میں نوجوانی کے تقاضے سے لباس میں تجمل پیدا ہوتا (جس کو بعض سخت گیر فقاہت و متانت کے خلاف سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں) حضرت خواجہؒ اُن کی بھی دلجوئی فرماتے، اور اس کو جوانی اور زمانہ کا تقاضا سمجھ کر نظرانداز فرماتے، اور اپنے اخلاق و محبت سے اُن کی اصلاح اور تربیت کی کوشش فرماتے۔

[1] سیر الاولیاء ص۱۲۸ [2] ایضاً ص۲۰۱ [3] ایضاً ص۲۰۲

سیرالاولیاء کے مصنف امیر خورد لکھتے ہیں کہ میرے چچا سید حسین کرمانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا، وہ اُس زمانہ کے خوش قمیص نوجوانوں کے لباس اور وضع میں ایک روز تشریف لائے حضرت خواجہؒ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا:-

سید بیا و بنشیں و سعادت ببر[1] | سید آؤ، بیٹھو اور سعادت میں حصہ لو

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شفقت و ملاطفت اور اس دلجوئی و دلنوازی سے کتنے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت ہوئی ہوگی، اور کتنے "آہوئے وحشی" اسیر دام محبت ہوئے ہوں گے، اور ان کا شمار خدا کے مقبول بندوں اور شیوخ کاملین میں ہوا ہوگا۔

حضرت خواجہؒ کے ان اخلاق و صفات اور صوفیہ صافیہ کی سیرت کو دیکھ کر امام غزالیؒ کی اس رائے اور شہادت کی تصدیق ہوتی ہے جس کا انھوں نے "تلاش حق" کے طویل سفر اور مختلف گروہوں اور انسانی طبقات کے عمیق مطالعہ کے بعد اظہار کیا ہے:-

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں، انکی سیرت بہترین سیرت، اُن کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور اُن کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی اُن کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، انکے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں، جس سے روشنی حاصل کی جائے"[2]

۱؎ سیرالاولیاء ص ۲۴۳ ۔ ۲؎ المنقذ من الضلال۔

باب چہارم

اذواق و کیفیات

محبت و ذوق

حضرت خواجہ کی سیرت اور زندگی کا مرکزی نقطہ جو اُن کے تمام اخلاق و احوال اعمال کا محور ہے وہ عشق الٰہی کی نعمت خداداد ہے، جوان میں ابتدائے حال سے نمایاں تھی، محبت کی یہ چنگاری جو ازل سے اُن کی فطرت میں ودیعت تھی شیخ کبیر کی صحبت اور طریقہ چشتیہ کی نسبت سے شعلۂ جاں سوز بن گئی اور اُسنے مدت العمر اُن کو، اور نصف صدی سے زائد دہلی اور اسکے ماحول کو گرم اور منور رکھا اور اس کی وجہ سے صدیوں تک ہندوستان کی فضا عشق الٰہی کی حرارت سے گرم اور گداز رہی، اُنکے تمام حالات و اشغال گفتگو اور مجالس، اشعار اور اُن کے انتخاب، واقعات اور اُن کی تمثیل غرض ہر چیز سے اسی سوز باطن اور اسی حرارت عشق کا اظہار ہوتا ہے۔ ؎

شعلہ آخر ز ہر موئم دمید
از رگ اندیشہ ام آتش چکید

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز اولیاء اللہ کے دم واپسیں کے واقعات بیان ہو رہے تھے، حاضرین میں سے ایک نے ایک بزرگ کی حکایت بیان کی کہ ان کا انتقال ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ اللہ کا نام

ان کی زبان پر جاری تھا حضرت خواجہ آبدیدہ ہوگئے اور یہ رباعی پڑھی۔ ؎

آئیم بسر کوئے تو پویاں پویاں ؛ رخسارہ بآب دیدہ شویاں شویاں

بیچارہ ز وصل تو جویاں جویاں ؛ جاں می دہم و نام تو گویاں گویاں[1]

(ترجمہ) آپ کی گلی میں چلا آیا ہوں خراماں خراماں، آنسوؤں سے اپنے رخسار کو دھوتا ہوں آپ کے وصل کا جویا اور طالب بنکر، جان بھی دے رہا ہوں، آپ کا نام بھی لئے جا رہا ہوں)۔

اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ دل میں محبوب کے سوا کسی کے خیال کی جگہ نہیں رہی تھی، کسی دوسری طرف توجہ بھی دل پر بار تھی

ہر چہ جز معشوق، باقی جملہ سوخت

امیر حسن علاء سجزی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کبھی اتفاق سے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے اور اپنے دل میں کہتا ہوں کہ کہاں پڑ گیا؟ اس پر حضرت خواجہ ابو سعید ابو الخیر کا واقعہ بیان کیا کہ وہ کمال حال پر پہنچ گئے تو وہ کتابیں جو وہ پڑھ چکے تھے اور اُن کو کونے میں رکھ دیا تھا اُن کو سامنے رکھ کر ایک روز مطالعہ کرنے لگے غیبی آواز آئی، اے ابو سعید ہمارا عہد نامہ واپس کر کے اب تو دوسری چیز میں مشغول ہوگیا، خواجہ جب اُس مقام پر پہنچے تو رو پڑے، اور یہ شعر پڑھا۔ ؎

تو سایۂ دشمنے کجا در گنجی

جائے کہ خیال دوست زحمت باشد[2]

(ترجمہ) کسی دشمن کا سایہ بھی کہاں سما سکتا ہے جہاں دوست کا خیال بھی حجاب بنے)۔

اسی "سرورِ عشق" کا نتیجہ یہ تھا کہ شب کی خلوت اور رات کے راز و نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو بقول امیر خورد معلوم ہوتا کہ شراب چھلک رہی ہے، رات کی بیداری سے آنکھیں سُرخ ہوتیں۔ امیر خسرو نے

[1] فوائد الفواد ص۸ [2] فوائد الفواد ص۹۱

یہی دیکھ کر کہا ہے:۔ ؎

تو شبانہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب

کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد[1]

اور اسی حرارتِ عشق اور سُرور و مستی کا نتیجہ تھا کہ پیرانہ سالی میں برابر روزہ رکھتے، تقلیل غذا، طویل شب بیداری اور سخت مجاہدات کے باوجود ضعف و ناطاقتی ظاہر نہ ہوتی تھی، اسّی سال سے عمرِ مبارک متجاوز ہونے کے باوجود چہرے پر وہی سُرخی، اور نشاط و انبساط کی وہی کیفیت پائی جاتی تھی جو جوانی میں رہی ہوگی، بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ تھا۔[2]

سماع[3] محبت کی یہی حرارت اور تپش تھی جس کی تسکین کا ایک ذریعہ سماع تھا، یعنی عشق آلٰہی کے اشعار اور عارفانہ ابیات کا سننا جس سے قلب کو اپنی آنچیں نکالنے اور آنسوؤں کے چھینٹوں سے اُس کی گرمی کو کم کرنے کا موقع ملے اور اسی کے ساتھ مجاہدات سے تھکا ہوا جسم اور طبیعت، اور نفس کی

[1] سیر الاولیاء ص۱۲۵ [2] سیر الاولیاء

[3] مسئلہ سماع (بلا مزامیر) کی موافقت مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اسمیں نقطۂ اعتدال یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ مطلقاً حرام ہے نہ کوئی عبادت و طاعت و امر مقصود، اعتدال اور خاص شرائط کیساتھ ایک تدبیر و علاج ہے اور اصحاب ضرورت و اہلیت کیلئے بقدر ضرورت مباح اور بعض اوقات مفید، اس سلسلہ میں مشہور چشتی شیخ قاضی حمید الدین ناگوری کا قول بڑا جامع و معتدل معلوم ہوتا ہے، ایک مجلس میں سماع کی حلت و حرمت پر بحث تھی قاضی صاحب نے فرمایا کہ:۔

"میں جو حمید الدین کہ سماع سنتا ہوں اور مباح کہتا ہوں علماء کی روایت کی بنا پر، اسلئے کہ درد دل کا مریض ہوں اور سماع اس کی دوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے شراب سے علاج کرنے کی ایسے وقت میں اجازت دی ہے جبکہ ازالہ مرض کیلئے اور کوئی دوا ہی نہ ہو، اور حکیموں کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ صحت شراب کے بغیر ناممکن ہے۔ اس تقدیر پر میرے مرض کی دوا جو کہ لاعلاج ہے سرود کا سُننا ہے لہٰذا اس کا سننا ہمارے لئے مباح اور تم پر حرام ہے۔"

(سیر الاقطاب قلمی)

چوٹ کھایا ہوا دماغ غذا اور تازگی حاصل کر سکے۔ مولانا رومؒ جو ایک بڑے صاحبِ سماع تھے اسی لئے فرماتے ہیں ؎

پس غذائے عاشقاں آمد سماع ٭ کہ از و باشد خیالِ اجتماع
قوتے گیرد خیالاتِ ضمیر ٭ بلکہ صورت گردد از بانگِ صفیر
آتشِ عشق از نواہا گرد تیز ٭ آں چنانکہ آتشِ آں جوز ریز

خود حضرت خواجہؒ نے اپنی زبان سے سماع کی یہی حکمت بیان کی ہے:۔

سماع حق مریداں و معتقدان و اصحابِ ریاضت
است، چوں نفس و تن ہلاک شود، اورا
حق ایست
"ان لنفسك عليك حقا"
یعنی
بدرستی کہ برائے نفس برابر تو حق است،
چوں زبانے از سماع بیاسا ید باز اورا
بر کارے بر بند۔[1]

سماع مریدینِ صادقین اور اہلِ عقیدت اور
اصحابِ ریاضت کا کام ہے جب طبیعت اور جسم
پوری چوٹ کھا جائے تو اُن کا حق ہے کہ سماع سے
قوت و تازگی حاصل کریں) حدیث میں آتا ہے کہ
"ان لنفسك عليك حقا" تمہارے اوپر تمہارے
جسم کا حق ہے۔ جب ایک مدت تک نفس سماع کے
ذریعہ آرام حاصل کر لیتا ہے تو پھر اُس کو کام میں
لگاتے ہیں۔

ایک بزرگ مولانا کاشانی فرماتے ہیں:۔

اصحابِ ریاضت و اربابِ مجاہدہ از کثرتِ
معاملات گاہ گاہ اتفاق افتد کہ کلالتے
وملالتے در قلوب و نفوس حادث شود و قبض

اصحابِ ریاضت و اربابِ مجاہدہ کے قلوب
و نفوس احوال و کیفیات کے کثرت سے پیش
آنے کی وجہ سے کبھی کبھی اکتا جاتے ہیں اور انکو

[1] سیر الاولیاء ص ۱۹۵

و بسطے کہ موجبِ فتورِ اعمال و قصورِ احوال بود
طاری گردد، پس مشائخِ متاخر از برائے رفعِ ایں
عارضہ و دفعِ ایں حادثہ ترکیبے روحانی از سماع
اصواتِ طیبہ و الحانِ متناسبہ و اشعارِ مہیجہ
و مشوقہ بر وجہے کہ
مشروع بود
نمودہ اند[1]

تکان و ضعف محسوس ہونے لگتا ہے اور ان پر وہ
قبض و بسط جو اعمال و احوال میں سستی اور کوتاہی
کا باعث ہوتا ہے طاری ہو جاتے ہیں اس بنا پر
مشائخِ متاخرین نے اچھی آوازوں متناسب
نغموں اور شوق انگیز اشعار کے سننے کو اس طرح پر
کہ حدودِ شرع سے باہر نہ ہوں ایک علاجِ روحانی
کے طور پر تجویز کیا ہے۔

سماع کی اس حکمت کے علاوہ اس کی ایک دوسری حکمت ان حضرات کے نزدیک یہ بھی کہ اُس سے حضوری کی ایک کیفیت درد کی لذت اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ لمحات بقیہ اوقات کو بھی اپنے دامن میں لیکر پاک اور نورانی بنا دیتے ہیں ارشاد ہوا کہ:۔

مردم را ہمہ روز حضور کجا میسر شود اگر در روزے
وقتے خوش دریافت ہمہ اوقات متفرقۂ آں روز
در پناہ آں وقت باشد
و اگر در جمعے صاحبِ ذوقے و صاحب
نعمتے باشد، جملہ اشخاص در پناہ
آں شخص باشد[2]

فرمایا آدمی کو ہر روز حضوری کہاں میسر آتی ہے
اگر کسی دن کوئی وقت اچھا ہاتھ آجائے تو
اُس دن کے تمام متفرق اوقات اُس وقت کی
پناہ میں ہوتے ہیں، دیکھو اگر کسی مجمع میں ایک
صاحبِ ذوق اور صاحبِ نعمت ہوتا ہے تمام
حاضرین اُس کی پناہ میں ہوتے ہیں۔

پس یہ سماع، حضرت خواجہؒ اور اُن مشائخ کی (جو اسی کیفیت کے حامل اور آتشِ محبت سے جل رہے ہوں)

[1] مصباح الہدایت ص ۱۸۱ و ص ۱۸۲ [2] سیر الاولیاء ص ۵۲۳

طبعی کیفیت کا نتیجہ، تسکین کا سامان، قوت وغذا اور رقت وحضوری کا ذریعہ تھا جس کو وہ حضرات علاجاً اور ضرورتاً اختیار کرتے تھے اور علاج اور ضرورت کے بقدر ہی اُس سے کام لیتے تھے، نہ وہ کوئی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا، نہ مستقل سلوک اور شب و روز کا شغلہ تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت خواجہؒ نے سماع کو ان تمام خلافِ شرع منکرات و بدعات اور اسباب لہو ولعب سے جو غیر مسلموں کے اثر سے خاص طور پر ہندوستان میں اہلِ ہوا نے یا خام کار صوفیوں نے سماع میں شامل کرلئے تھے خود بھی دور رکھا اور اپنے متبعین کو اُن سے اجتناب کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے سماع کے آداب اس طرح بیان فرمائے :۔

آپ نے فرمایا :۔

"سماع کی چار قسمیں ہیں :۔ حلال، حرام، مکروہ، مباح۔ اگر صاحبِ وجد کا میلان محبوبِ حقیقی کی طرف زیادہ ہے تو سماع مباح ہے، اور اگر محبوبِ مجازی کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے، اگر محبوبِ مجازی کی طرف میلانِ کلی ہے تو حرام ہے، اگر محبوبِ حقیقی کی طرف میلانِ کلی ہے تو حلال ہے، پس جس کو سماع کا ذوق ہے اُس کو چاہیے کہ وہ ان چاروں درجوں کو جانتا ہو۔"

نیز ارشاد فرمایا کہ :۔

"سماع مباح کیلئے چند چیزیں چاہئیں :۔ مسمع (سُنانیوالا) مستمع (سُننے والا) مسموع (جو کچھ پڑھا جارہا ہے) آلۂ سماع (ذریعہ)۔ مسمع کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو۔ مستمع کیلئے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ سُن رہا ہے وہ یادِ حق سے خالی نہ ہو۔ مسموع کیلئے شرط ہے کہ وہ بے حیائی اور ہنسی مذاق کا کلام نہ ہو۔ آلۂ سماع سے مُراد مزامیر ہیں جیسے چنگ و رباب کہ یہ درمیان میں

نہ ہوں[۱]"

مزامیر سے نفرت وممانعت

حضرت خواجہؒ مزامیر (آلاتِ غنا) اور بلبلہ وغیرہ سے سختی سے منع فرماتے تھے، اور جب کبھی اس بارے میں کسی بے احتیاطی کی اطلاع ملتی تو نہایت ناراض ہوتے، اور اس بارے میں کسی عذر کو قبول نہ فرماتے۔ سیر الاولیاء میں ہے :۔

"مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ان دنوں بعض حاضر باش درویشوں نے ایک ایسی مجلس میں جس میں چنگ و رباب و مزامیر تھے شرکت کی اور رقص کیا۔ فرمایا :۔ اچھا نہیں کیا، جو خلافِ شرع ہے وہ ناپسندیدہ ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ جب باہر آئے اور لوگوں نے اُن سے کہا کہ یہ آپنے کیا کیا، اُس مجلس میں مزامیر تھے، آپنے سماع کس طرح سُنا اور رقص کیا؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلا کہ مزامیر ہیں یا نہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے سُنکر فرمایا کہ :۔ یہ جواب بھی کچھ نہیں یہ بات تو ہر معصیت کے متعلق کہی جاسکتی ہے[۲]"

حضرت خواجہؒ مزامیر کی ممانعت میں بڑی شدت اور مبالغہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ :۔

"جب عورت کو نماز میں امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے دستک دیتے وقت اسکی ممانعت ہے کہ ہتھیلی پر ہتھیلی ماری جائے کہ اس سے تالی کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ لہو ہے، جب لہو ولعب سے اتنا پرہیز آیا ہے تو سماع میں بطریقِ اولیٰ مزامیر کی ممانعت ہونی چاہیے[۳]"

۱؎ سیر الاولیاء ص۴۹۱ و ۴۹۲   ۲؎ ایضاً ص۵۲۰ و ص۵۲۱   ۳؎ ایضاً ص۵۲۲

سماع میں آپ کی کیفیت

حضرت خواجہؒ فرماتے تھے کہ: جس شخص کو اللہ نے درد و ذوق عطا فرمایا ہے اُس کو بغیر مزامیر کے ایک ہی شعر سُنکر رقت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جسے عالم ذوق کی خبر نہیں اُسکے سامنے پڑھنے والے کتنے ہی پڑھیں اور کیسے ہی مزامیر کیوں نہ ہوں اُس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اِسلئے کہ وہ اہلِ درد میں سے نہیں ہے' اس کام کا تعلق درد سے ہے نہ کہ مزامیر وغیرہ سے۔[1]

چنانچہ حضرت خواجہؒ کا حال یہ تھا کہ عارفانہ اور عاشقانہ اشعار سُنتے ہی آپ پر سخت رقت طاری ہوتی' لیکن اس طرح کہ لوگوں کو خبر نہ ہوتی۔ خدام رومال دیتے جاتے اور وہ آپ کے آنسوؤں سے تر ہوتے جاتے' یہ دیکھ کر لوگ سمجھتے کہ آپ پر گریہ طاری ہے۔[2]

امیر خورد (جو خود بھی اپنی کمسنی میں ان مجالس سماع میں شریک ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنے والد اور چچا سے ان بابرکت مجلسوں اور ان وجد انگیز اشعار کا ذکر کرتے ہیں جو وہاں پڑھے گئے) کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ بہت سے شعر پڑھے جاتے لیکن کیفیت نہ پیدا ہوتی' یکایک کوئی ہندی کا دوہا یا فارسی کا کوئی عاشقانہ شعر پڑھ دیتا اور مجلس مکیّف ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاہی امیر قیر بک نے ایک مجلس آراستہ کی' مشائخ وصدور شہر کا اجتماع تھا سماع شروع ہوا' گانے والے بہت کچھ سُناتے رہے کچھ اثر نہیں ہوا' آخر حسن بہدی قوال نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

در کلبۂ درویشی در محنت بیخویشی
مگذار مرا با من ہر سوئے مکن افسانہ

اِس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت سلطان المشائخؒ پر گریہ اور ایک حالت طاری ہوئی اور اُس کیفیت کا تمام حاضرین مجلس پر اثر ہوا' اور سب مکیّف ہوئے۔[3]

۱ سیر الاولیاء ص۵۲۳ ۲ ایضاً ص۵۳۵ ۳ ایضاً ص۵۱۹

ایک دوسری مجلس کا ذکر ہے' بالاخانہ پر مجلس ہو رہی تھی' امیر خسرو کھڑے تھے' اور سلطان المشائخ ناسازیٔ طبع کی وجہ سے چارپائی پر تشریف رکھتے تھے' حسن بہدی نے سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا۔ ؎

سعدی تو کیستی کہ در آئی دریں کمند
چنداں فتادہ اند کہ ما صید لاغریم

حضرت خواجہؒ پر گریہ طاری ہوا' اور اس میں ڈوب گئے' خواجہ اقبال رومال بڑھاتے جاتے تھے اور آپ آنسو پونچھ کر حسن بہدی کی طرف اُن کو بڑھاتے جاتے تھے' کچھ دیر کے بعد سماع ختم ہوا' امیر حاجی فرزند امیر خسرو نے امیر خسرو ہی کی غزل پڑھنی شروع کی' جس کا ایک شعر یہ تھا۔ ؎

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار
کیں عشق تیغ بر سر مردانِ دیں زدہ است

حضرت خواجہؒ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی اور گریہ کا غلبہ ہوا۔[1]

ایک مرتبہ امیر خسرو نے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا۔ ؎

رخ جملہ را نمود مرا گفت تو ببیں
زیں ذوق مست بیخبرم کیں سخن چہ بود

آپ نے گوشۂ چشم سے امیر خسرو کو دیکھا' اور کیفیت طاری ہوئی۔[2]

عام طور پر جس شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آتا تھا' دلی کی مجلسوں اور شہر کی گلیوں میں عرصہ تک اس کا چرچا رہتا تھا اور لوگ اس سے لطف لیتے اور ذوق حاصل کرتے رہتے تھے۔[3] سلطان علاء الدین نے بھی اہل دربار اور حضرت خواجہؒ کے یہاں آنے جانے والوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ: جس شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آئے اُس کو

۱ سیر الاولیاء ص۵۱۵ ۲ ایضاً ص۵۱۶ ۳ ایضاً ص۵۱۵

یاد رکھا جائے اور بادشاہ کو سنایا جائے، اکثر جب بادشاہ نے وہ شعر سنا جس پر حضرت خواجہ کو ذوق آیا تھا تو بڑی تعریف کی اور دیر تک ذوق لیتا رہا۔

ذوق قرآن — قرآن مجید کا ذوق اسکے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کی کثرت مشائخ چشت کا خصوصی ذوق اور اُن کی قدیم روایت ہے۔ خواجہ بزرگ معین الدین چشتیؒ سے لیکر حضرت خواجہ نظام الدینؒ تک سب کے یہاں قرآن مجید کا خصوصی ذوق اور شغف ملتا ہے اور ہر ایک نے اپنے خلفاء خاص اور مریدین با اختصاص کو حفظ قرآن اور اشتغال بالقرآن کی تاکید کی ہے۔[1]

خلافت دیتے وقت شیخ کبیرؒ نے حضرت خواجہ کو حفظ قرآن کی وصیت کی تھی حضرت خواجہ نے یہ وصیت پوری کی اور دہلی پہنچتے ہی اس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت خواجہ اپنے مریدین اور اصحاب خاص کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور تاکید فرماتے تھے۔ امیر حسن علا سنجری جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے، اور شعر و شاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھا حضرت خواجہ نے اُن کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔ امیر فوائد الفواد میں فرماتے ہیں:۔

بارہا از لفظ مُبارک مخدوم شنیدہ ام می باید کہ قرآن خواندن بر شعر گفتن غالب آید[2]	بارہا آں مخدوم کی زبان مُبارک سے میں نے یہ لفظ سُنے ہیں کہ چاہئے کہ قرآن کا پڑھنا شعر کہنے پر غالب آجائے۔

پھر اُن کو حفظ قرآن کی ہدایت ہوئی، انھوں نے ایک ثلث یاد کر لیا تو ارشاد ہوا:۔

دیگر ہا اندک اندک یاد گیرو یاد	تھوڑا تھوڑا یاد کرو، اور اگلا یاد کیا ہوا

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" از مولانا مناظر احسن گیلانی (جلد دوم) ۔۔

[2] فوائد الفواد ص ۲۴۶

گرفتہ بیشینہ کرری کُن[1]	دہراتے رہو

مولانا بدر الدین اسحٰق کے صاحبزادے خواجہ محمد حضرت خواجہؒ کی کفالت و پرورش میں تھے اُن کو بھی قرآن مجید یاد کرایا خواجہ محمد امام بڑے اچھے حافظ و خوش الحان تھے، اُن کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا، اُن کی قرأت سے آپ بڑے محظوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرأت سنکر بڑی رقت اور ذوق آتا تھا۔[2] ان کے دوسرے بھائی خواجہ موسیٰ بھی حافظ و قاری تھے معمول تھا کہ جب دسترخوان پر بیٹھتے تو پہلے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کچھ قرآن شریف پڑھتے اس کو دعائے مائدہ کہتے تھے۔[3] اس کے بعد کھانا شروع ہوتا اپنے نواسوں (خواہرزادہ کے صاحبزادگان) خواجہ رفیع الدین وغیرہ کو بھی قرآن حفظ کرایا۔[4] خود بھی نوافل میں قرآن شریف پڑھتے اور خاص خدام سے دریافت فرماتے کہ ان کا کیا معمول ہے؟۔

شیخ سے تعلق — یوں تو جو شخص جس سے کوئی نعمت پاتا ہے (اگر اس کی طبیعت میں شرافت اور احسانمندی کا جذبہ ہے) اُس کا گرویدہ ہوتا ہے اور اُس کو اپنا محسن سمجھتا ہے لیکن حضرت خواجہ کو اپنے مرشد سے عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا، اور ان کے اختصاص و امتیاز اور رُوحانی ترقیات میں اس کو خاص دخل تھا، اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی محبوب کی تعریف ہوتی تو اُن کو اپنے شیخ کی یاد تازہ ہو جاتی اور وہ انھیں کو اس کا مصداق سمجھتے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زندگی میں ایک مجلس میں قوال نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

خرام بدیں صفت مبادا
کز چشم بدت رسد گزندی

فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ کے اخلاق و اوصاف، اُن کا فضل و کمال اور اُن کی لطافت و زیبائی یاد آگئی۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیان نہیں ہو سکتی، قوال نے چاہا کہ آگے بڑھے میں نے بار بار وہی شعر پڑھوایا، یہ ذکر کرکے آپ پر

[1] فوائد الفواد ص ۹۲
[2] سیر الاولیاء ص ۲۰۰
[3] سیر الاولیاء ص ۱۹۹
[4] سیر الاولیاء ص ۲۰۳

گریہ طاری ہوگیا۔ فرمایا اسکے بعد زیادہ دن نہیں گذرے کہ حضرت نے انتقال کیا۔[1]

جماعت کا اہتمام اور بلند ہمتی

ضعف و پیری اور شدید مجاہدات کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کا بیحد اہتمام تھا۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں:۔

"عمر شریف اسّی سے متجاوز ہوگئی جب بھی پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے بالاخانے سے (جو بہت بلند تھا) جماعت خانہ میں اتر کر ان درویشوں اور ساتھیوں کے ساتھ جو وہاں موجود ہوتے تھے جماعت کیساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ اس کبر سنی کے باوجود ہمیشہ روزہ رکھتے، کم افطار کرتے۔"[2]

شریعت کی پابندی اور اتباعِ سُنّت کا اہتمام

حضرت خواجہؒ خود بھی اتباعِ سُنّت کا اہتمام بلیغ رکھتے تھے کہ بقول سعدیؒ

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

اور اپنے اصحاب و خدام کو بھی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ سنن کے علاوہ تاکید تھی کہ مستحبات و آداب تک فوت نہ ہوں۔ سیر الاولیاء میں آپ کا ارشاد منقول ہے:۔

استقامت می باید کہ بر متابعت رسول علیہ السّلام والصّلوٰۃ باشد۔ و ہیچ مستحبے و آدابے فوت نہ شود۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اتباع پر مضبوطی و ثابت قدمی دکھانی چاہئے اور کوئی مستحب و ادب بھی فوت نہ ہونے پائے۔

---

۱ فوائد الفواد ص۹۶ ۲ سیر الاولیاء ص۱۳۵
۳ سیر الاولیاء ص۳۱۰

مشائخ کے لئے اور جس کو پیری مریدی کرنا ہو شریعت کا علم ضروری سمجھتے تھے، تاکہ اس سے کوئی عمل خلاف شرع بدعت نہ صادر ہو، نہ دوسرے کو کسی خلافِ شرع امر کی تلقین کرے۔ فرماتے ہیں:۔

پیراں چناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نفرماید۔[1]

پیر ایسا چاہئے کہ احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا ضروری علم رکھتا ہو اور جب ایسا ہوگا تو وہ کسی خلافِ شرع کام کیلئے نہ کہیگا۔

---

۱ فوائد الفواد ص۱۳۵

باب پنجم

افادات و تحقیقات

علمی پایہ حضرت خواجہ باطنی کمالات کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کو بلند ہمتی محنت اور اہتمام سے پڑھا تھا۔ ان کے اساتذہ میں اس عہد کے نامور ترین فضلا اور شیوخ ہیں ادب اور علوم دینیات کی تعلیم انھوں نے مستوفی الممالک شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی سے پائی تھی حدیث کا درس مولانا کمال الدین زاہد محمد ابن احمد ماریکلی سے لیا جو صاحب مشارق الانوار امام حسن ابن محمد الصغانی کے شاگرد اور بیک واسطہ صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ کچھ کتابوں کو شیخ کبیر حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر سے پڑھ کر علم میں مزید جلا حاصل کی۔

علمی و ادبی مناسبت اگرچہ اپنی مناسبت فطری اور شیخ کی نسبت باطنی کے اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معانی کے مقابلہ میں حقائق و احوال اور "اسم" سے زیادہ "مسمیٰ" میں مشغولیت بڑھتی گئی پھر بھی علم و ادب سے مناسبت اور علمی ذوق آخر تک قائم رہا۔

سیرالاولیا میں ہے کہ مولانا رکن الدین جنھوں نے کشاف اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخ کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پہنچائیں[1]۔ یہ دونوں کتابیں مشہور معتزلی فاضل علامہ محمود جاراللہ

[1] سیرالاولیا، ص ۲۱۵

زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی تصنیف ہیں۔ پہلی کتاب تفسیر میں ہے اور دوسری نحو میں اس سے بھی آپکے علمی ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سیرالاولیا میں ہے کہ سید خاموش ابن سید محمد کرمانی مجلس خلوت میں خمسۂ نظامی حضرت خواجہ کی خدمت میں پڑھتے تھے[1]۔ آپ کا ادبی ذوق اتنا بلند اور پاکیزہ تھا کہ امیر خسرو جیسے سرآمد روزگار شاعر (جو اپنے طرز میں بے نظیر اور فارسی کے صف اول کے شعراء میں ہیں) کو شاعری میں مشورہ دیا اور رہنمائی فرمائی۔ سیرالاولیاء میں ہے کہ ابتدا میں امیر خسرو جو غزل کہتے تھے اس کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بنظر اصلاح پیش کرتے تھے۔ ایک روز حضرت نے ان سے فرمایا کہ صفاہانیوں کے طرز میں کہا کرو[2]۔

حدیث و فقہ پر نظر سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں مسئلہ سماع پر جو مجلس مناظرہ ہوئی تھی اس میں حضرت خواجہ نے مسئلہ پر جو تقریر کی اور اس کی تنقیح فرمائی اس سے بھی حضرت کے علمی مرتبہ اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے عہد سے پہلے کتب صحاح متداول نہیں ہوئی تھیں اور صحیحین تک سے لوگ زیادہ مانوس اور آشنا نہیں تھے۔ حدیث میں مشارق الانوار اور مشکوٰۃ سرمایۂ علمی اور فن حدیث کا منتہیٰ سمجھی جاتی تھی[3]۔ بکثرت موضوع اور ضعیف احادیث صوفیوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملفوظات مجالس میں بے تکلف منقول ہیں۔ نقد حدیث اور موضوعات کا علم علامہ محمد طاہر پٹنی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہ کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسی بہت سی بے اصل روایات سے (جو زبان زد خلائق ہیں) استدلال نہیں فرماتے تھے اور آپ کی اس پر نظر تھی کہ احادیث صحیحہ کا سب سے مستند مجموعہ صحیحین ہیں۔ فوائد الفواد میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے۔ "التسخی حبیب اللہ

[1] سیرالاولیا، ص ۲۱۹ [2] سیرالاولیا، ص ۳۰۱

[3] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" کا باب حدیث۔

وان کان کافرا: فرمایا: کسی کا مقولہ ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ :۔ یہ اربعین (چہل حدیث) کی حدیث ہو۔ فرمایا :۔ جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے[1]

اہمیتِ علم

اپنے مشائخ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی، اور اس کو سالکین اور اُن لوگوں کے لئے جو ارشاد و تربیت کا کام کریں آپ بہت ضروری سمجھتے تھے۔

[1] فوائد الفواد ص

اس موقع پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ باوجود اسکے کہ آپ صحیحین کے مرتبے سے واقف تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہو کہ صحاح ستہ کے عام طور پر اور صحیحین کے خاص طور پر ہندوستان میں متداول نہ ہونے کی وجہ سے ان سے علماء و مشائخ کا اشتغال نہیں تھا۔ خود آپ نے بھی (اگر مجلس مناظرہ کی روئداد صحیح ہے) مجلس مناظرہ میں جن حدیثوں کو حلت سماع کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وہ صحاح کی احادیث نہیں ہیں، اور محدثین کے نزدیک ان کا پایہ کچھ بلند نہیں ہو۔ فریق مقابل کے علماء نے بھی، جو اکابر علماء اور اعیان قضاۃ میں سے تھے، جس طرح گفتگو اور استدلال کیا ہے اُس سے علم حدیث سے نہ صرف ان کی بے خبری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ایک عالم دین کو اسکے بارے میں جو رویہ اختیار کرنا چاہئے اس کی کمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کتب صحاح اور نقد حدیث اور جرح و تعدیل کے فن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے خانقاہوں میں بہت سی ایسی رسوم یہاں تک کہ سجدہ تعظیمی رائج تھیں، اور بہت سے ایسے اوقات و ایام کے فضائل کی روایات مشہور تھیں اور مشائخ کے ملفوظات میں ان کا بڑی آب و تاب سے ذکر آتا ہے جن کا احادیث کے صحیح مجموعوں میں کوئی وجود نہیں، اور محدثین ان پر سخت کلام کرتے ہیں، اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرات محدثین اور اُن مخلصین کی کوششوں کی قدر ہوتی ہو جنھوں نے ہندوستان میں فن حدیث کی اشاعت کی، اور صحیح و ضعیف احادیث میں امتیاز پیدا کیا۔

شکر اللہ مساعیھم

بنگال کے ایک نہایت عالی استعداد نوجوان جو بعد میں اخی سراج الدین کے نام سے مشہور ہوئے اور جو پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی اور سر حلقہ ہیں، لکھنوتی سے بہ نیت ارادت دہلی آئے، حضرت خواجہ کے مرید ہوئے، آپ نے مولانا فخر الدین زرادی سے فرمایا کہ :۔ یہ جوان بڑی قابلیت رکھتا ہے، اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا ہوتا تو درویشی میں مستحکم ہوتا۔ یہ بات سنکر مولانا فخر الدین نے عرض کیا کہ :۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی صحبت میں رکھ کر ضروری مسائل یاد کرادوں۔ فرمایا کہ :۔ یہ آپ کی صحبت کا بڑا مستحق ہو۔ مولانا فخر الدین ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور تھوڑے قلیل میں علم سے مناسبت پیدا کرادی۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد بھی وہ تکمیل علم کیلئے کچھ عرصہ دہلی میں ٹھہرے، پھر وطن واپس آگئے اور شرق و بنگالہ میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے[1]

بلند علوم و مضامین

علم ظاہر و باطن کی اس جامعیت اخلاص اور تفکر و مجاہدات کی بناء پر آپ کو ان بلند اور صحیح علوم اور حقائق و معارف سے حصۂ وافر ملا جو اولیاء کاملین کیلئے مخصوص ہی کو ملا کرتا ہو، اور جو صفائے باطن، طہارت اخلاق اور اخلاص کا لازمی نتیجہ ہو، اور جس کو اہل تصوف علوم لدنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ کسی علم میں گفتگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا آپ اپنے نور باطن سے اُن کا جواب شافی عطا فرماتے۔ ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال

مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ اُس مسئلہ پر ایسی بلیغ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرین مجلس حیرت میں رہ جاتے، اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ کتابی جوابات نہیں ہیں، یہ الہام ربانی اور علم لدنی کے فیوض ہیں، اسی بناء پر شہر کے چوٹی کے علماء جو تصوف کے منکر اور اہل تصوف کے مخالف مشہور تھے، حضرت خواجہ کے حلقہ بگوش اور اپنے علمی غرور اور زعم پر نادم ہوئے اور آپ کے خدام اور ارادتمندوں میں

[1] سیر العارفین وغیرہ۔

خالی ہوگئے۔[1]

علومِ صحیحہ شرعیہ

اس علمی رسوخ، اتباعِ سنت اور استقامت علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا سلیم اور مستقیم بنا دیا تھا کہ اہلِ تصوف میں جو باتیں عرصۂ دراز سے ظاہر شریعت کے خلاف چلی آتی تھیں اور بہت جگہ اہلِ تصوف کا شعار بن گئی تھیں آپ اپنی سلامتیِ ذہن سے اُن کو قبول نہیں کرتے تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق اُن کے خلاف تھی۔

تصوف کے حلقوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا اظہار ہو رہا تھا کہ ولایت نبوت سے افضل اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اسلئے کہ ولایت عبارت ہے حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور ماسوی اللہ سے انقطاع سے اور نبوت میں (دعوت و تبلیغ کی وجہ سے) مخلوق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے، پھر اس میں اور کئی مذہب پیدا ہوگئے اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے، لیکن آپ اس کو تسلیم نہیں کرتے ——

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ۔ یہ مذہب باطل ہے، اس سبب سے کہ اگرچہ انبیاء مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں لیکن جس وقت کہ وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اس مشغولیت کا قلیل سے قلیل زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔[2]

حلال مانعِ راہِ خدا نہیں

تصوف کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا اور مشہور کیا گیا ہے کہ تصوف تعطل اور بیکاری و بے عملی کا نام ہے، اور ہر اشتغال وصول الی اللہ سے مانع اور

[1] سیر الاولیاء ص۱۳۰

[2] فوائد الفواد ص۱۳۰ امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تمام زیادہ اضافہ کیا کہ انبیاء عین مشغولی بخلق کی حالت میں بھی اولیاء سے (عین اُسوقت جب وہ حق کیساتھ مشغول ہوتے ہیں) زیادہ متوجہ الی اللہ اور مشغول باللہ ہوتے ہیں، انکی مشغولیت بخلق چونکہ حکمِ الٰہی سے ہوتی ہے اسلئے وہ عین مشغولیت بحق اور امرِ الٰہی کا امتثال ہوتا ہے۔

راہ سلوک کا رہزن ہے۔ حضرت خواجہ معرفت و تحقیق کے جس مقام پر فائز تھے اور وسائل و رسوم سے بلند ہو کر مقاصد اور لب لباب پر جس طرح آپ کی نظر تھی اُس کا مقتضا یہ تھا کہ آپ اس مقام سے آگے بڑھ چکے تھے اور فعل حلال و مشروع کی نورانیت اور اس کا ذریعۂ قرب ہونا آپ کی نظر میں تھا۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات "جوامع الکلم" میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا:۔

ہیچ کسے (چیزے) کہ حلال است مانع راہ خدائی نیست قاطع سلوک نیست وگرنہ مشروع و حلال نبودے[1]	کوئی چیز جو حلال ہو راہِ خدا کی مانع اور قاطع سلوک نہیں ورنہ مشروع و حلال نہ ہوتی۔

قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف متوجہ دل اور پاک نفس چاہیے، اسکے بعد جس کام میں[2] رہنا ہو رہو، تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔[3]

ترکِ دنیا کی حقیقت

ترکِ دنیا اور حقیقی زہد و درویشی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

ترکِ دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ ابندد و بنشیند، ترکِ دنیا آں است کہ لباس بپوشد وطعام بخورد و آنچہ می رسد روا بدارد	ترکِ دنیا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی اپنے کو ننگا کرنے مثلاً لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے، صحیح معنی میں ترکِ دنیا یہ ہے کہ کپڑے پہنے کھانا کھائے اور جو کچھ میسّر آئے اُس کو استعمال

[1] جوامع الکلم ص۱۶۱

[2] یعنی مشروع وجوہ معاشی اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔

[3] سیر الاولیاء ص۱۶۱

و ہیچ او میل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد و ترک دنیا است۔[1]

کرے، لیکن اُسکے جمع کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اپنے دل کو کسی چیز میں پھنسائے نہیں یہی ترکِ دنیا ہے

طاعت لازم و متعدی

فرمایا:۔ طاعت کی دو قسمیں ہیں لازم اور متعدی۔ طاعتِ لازمی اسے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو پہنچے، جیسے نماز، روزہ، حج، اوراد و تسبیحات وغیرہ۔ طاعت متعدی وہ ہے جس کی منفعت اور راحت دوسرے کو پہنچے، مثلاً دو مسلمانوں میں اتفاق کرا دینا، شفقت، دوسرے کے ساتھ مہربانی وغیرہ، اس کو طاعتِ متعدی کہتے ہیں، اور اس کا ثواب بیحد و بے اندازہ ہے۔

طاعتِ لازمی کی قبولیت کیلئے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے، اور طاعتِ متعدی جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا۔[2]

کشف و کرامات حجاب راہ

ارشاد ہوا کہ اولیاء سے جو کچھ اظہار ہوتا ہے وہ اُن کی سکر و مستی کا نتیجہ ہے، اسلئے کہ وہ اصحابِ سکر ہیں، اسکے برخلاف انبیاء اصحابِ صحو ہیں، اسلئے کشف و کرامات حجابِ راہ ہیں، محبت سے استقامت پیدا ہوتی ہے۔[3]

علوم انبیاءؑ و اولیاءؒ

فرمایا کہ:۔ تین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ جس کو طورِ حس کہنا چاہئے، دوسرا طورِ عقل اور تیسرا طورِ قدس۔ طورِ حس میں طعومات (کھانے پینے کی چیزیں) مشمومات (جن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسوسات معلوم ہوتی ہیں، اسکے بعد طورِ عقل ہے اس کا تعلق دو علموں سے ہے کسبی اور بدیہی، لیکن عالمِ قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کئے ہوئے کسبی علوم بھی بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بدیہی بھی عالمِ قدس نہیں ہے کسبی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء و اولیاء کے علوم ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ جس پر عالمِ قدس کا دروازہ کھلتا ہے

[1] فوائد الفواد ص۔ [2] ایضاً ۱۸ ص۱۱۔ [3] فوائد الفواد ج ۱ ص ۲۳

اس کی علامت کیا ہو سکتی ہے؟ جو شخص عالمِ عقل میں ہوتا ہے اور وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسبی علم سے حل کرتا ہے اور اس سے اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالمِ قدس میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ غیب سے کچھ علوم اور واردات دل پر گذرتے ہیں انشاء اللہ اُن کو قلم بند کروں گا، اسکے بعد بہت کچھ لکھا۔ پھر فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ ضبطِ تحریر میں نہیں آسکا۔[1]

دنیا کی محبت اور عداوت

ایک دن اس کا ذکر ہو رہا تھا کسی کو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور کسی کو اس سے نفرت۔ فرمایا کہ:۔ تین طرح کے لوگ ہیں، کچھ لوگ ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور دن رات اُس کی یاد و فکر میں رہتے ہیں ایسے لوگ بہت ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہمیشہ اس کی دشمنی میں رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت، اور وہ اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے، یہ پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکایت سنائی کہ:۔ ایک شخص حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس آیا اور دنیا کی سخت مذمت کرنے لگا، حضرت رابعہ بصریؒ نے اُس سے کہا کہ:۔ برائے مہربانی اب اسکے بعد نہ آئیے گا، آپ کو دنیا سے محبت معلوم ہوتی ہے، اسلئے کہ آپ اُس کا بہت ذکر کرتے ہیں۔[2]

مراتب تلاوت قرآن

ایک مرتبہ آپ نے تلاوت قرآن کے مراتب اس طرح بیان فرمائے کہ:۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اسکے معانی دل پر گذرا کرے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھتے وقت اللہ کی عظمت و جلال کو دل پر طاری کرے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق و مشغول ہو۔

فرماتے کہ قرآن پڑھتے ہوئے تو کم از کم اس شعور کو ہر شخص میں ہونا چاہئے کہ میں اس نعمت کے لائق کہاں تھا،

[1] فوائد الفواد ج ۱ ص۹۱ [2] ایضاً ج ۱ ص۱۰۹

اور میرے نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے، اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پڑھنے پر جس ثواب اور جزا کا وعدہ ہے اُس کو ذہن میں تازہ اور مستحضر رکھا جائے۔[1]

اگرچہ حضرت خواجہ نے جیسا کہ انھوں نے کئی بار ارشاد فرمایا کوئی تصنیف نہیں کی[2] لیکن آپ کی سب سے بڑی تصنیفات آپ کے تربیت کئے ہوئے اور آپ کی صحبت پائے ہوئے وہ خلفائے کبار اور اصحاب نامدار ہیں جو علم صحیح اور علم صحیح کا نمونہ تھے، اور جن کے دل کی راستی، علم کی گہرائی اور فہم کی پختگی "راسخین فی العلم" کے شایانِ شان تھی۔ امیر حسن علاء سجزی کی فوائد الفواد، اور امیر خورد کی سیر الاولیاء میں آپ کے بہت سے اقوال و ملفوظات منقول ہیں جو آپ کی شانِ تحقیق کا مظہر ہیں۔

---

[1] فوائد الفواد ص۱

[2] فوائد الفواد ص۲۴ وخیر المجالس ص۳

بابِ ششم

فیوض و برکات

تجدیدِ ایمان و توبۂ عام

قبل اس کے کہ اُن فیوض و برکات کا ذکر کیا جائے جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ تعلق اور اُن کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہنچے، اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اور غفلت خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محرکات پورے شباب پر تھے، ایک ایسی نئی دینی اور رُوحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنے والے نے محسوس کیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین توبہ کی حکمت اور ضرورت بیان کر دی جائے، تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات و ضروریات کے ماتحت اس طریقہ کو اختیار کیا گیا اور اس سے کیا دینی فوائد پہنچے۔ راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصۂ اول میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:۔

"خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جا سکتا تھا، اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی

اور رُوحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داری و پابندیوں شعور و احساسِ ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر اپنی ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اُسکے افسردہ و مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو، اور اُسکے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خدا شناس پر اعتماد ہو اور اُس سے وہ اپنے امراض رُوحانی و نفسانی میں علاج اور دین کی صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے. ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ اسلامی حکومتیں جن کا یہ عملی فرض تھا اسلئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں بقول سیدنا عمرؒ بن العزیزؒ "وہ ہدایت کیلئے مبعوث ہوا تھا" جبایت" (تحصیل وصول) کیلئے نہیں) نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھیں بلکہ اپنے سربراہوں اور عمالِ حکومت کے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کیلئے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھیں، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور شکی واقع ہوئی تھیں کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں قیادت و سیادت کی آمیزش پائیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں اس کو وہ فوراً کچل کر رکھ دیتیں. ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کیلئے اسکے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ایمان و عمل اور اتباع شریعت کیلئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں اور پھر وہ اثر تعلیم اُن کی دینی نگرانی و تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت اپنے شعلۂ محبت اپنی استقامت

اور اپنے نفسِ گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمی محبت، خلوص و للّٰہیت، جذبۂ اتباعِ سنّت اور شوقِ آخرت پیدا کرے، اُن کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے، اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے، پھر اپنے تجربوں و اجتہاد اور کتاب و سنّت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان، احتساب و اخلاص اور اُن کے اعمال و عبادات میں ایمانی کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت ہے اُس بیعت تربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدیدِ دین اور اصلاحِ مسلمین کا کام لیا ہے اور لاکھوں بندگانِ خدا کو حقیقتِ ایمان اور درجۂ احسان تک پہنچا دیا ہے۔"[1]

بیعت ایک عہد و معاہدہ

یہ بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا و رسول کے احکام کی تعمیل اور اتباعِ شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا تھا۔ سلطان المشائخ بیعت لیتے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلواتے تھے اور آئندہ کیلئے اُس سے کیا عہد لیتے تھے، کسی تذکرہ میں اُس کے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گذرے، لیکن حضرت خواجہ نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے بیعت لینے کا طریقہ اور اُن کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے شیخ سے جو والہانہ تعلق اور ان کی پیروی کا جو جذبہ تھا اُس سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے مریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اوّل ص ۲۰۲

ارشاد ہے:-

"جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بنیت ارادت آتا فرماتے پہلے ایک بار سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھو اسکے بعد سورۂ بقر کا آخری رکوع امن الرسول سے آخر تک پڑھتے، اسکے بعد شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو...... ان الدین عند اللہ الاسلام تک پڑھتے، اسکے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر اسکے شیخ اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر اور حضرت عزت (جل مجدہ) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کروگے اور شریعت کے راستہ اور طریقے پر قائم رہو گے"[1]

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آگئے، سمع وطاعت (سننے اور ماننے) کا وعدہ اور ارادہ بھی آ گیا، یہ بات بھی آگئی کہ خدا کے یہاں قابل قبول دین صرف دین اسلام ہے، اس کا احساس بھی بیدار و تازہ کردیا گیا کہ یہ بیعت دراصل دست مبارک نبوی پر ہے، اور شیخ کا ہاتھ اس دست مبارک کا قائم مقام ہے۔ رب العزت سے اس کا بھی عہد کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی معصیتوں سے حفاظت کی جائے گی اور راہ شریعت پر قائم رہا جائے گا، تجدید ایمان اور خدا و رسول سے اپنا ٹوٹا ہوا عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بیعت کرنے والے سو فی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سے ایک بڑی تعداد اس اقرار اور عہد کی شرم اور لاج رکھتی، اور ہزاروں اور لاکھوں بندگان خدا کیلئے یہ تجدید ایمان اور انقلاب حال کا ذریعہ بن جاتی۔

[1] سیر الاولیاء ص ۳۴۳

عموم بیعت کی حکمت

بیعت و ارشاد میں ان حضرات نے جو وسعت و اذن عام رکھا تھا اور جس طرح بغیر کسی امتحان اور امتیاز کے لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ بیعت کریں اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو جائیں، خاص طور پر حضرت خواجہ کے یہاں اس باب میں جو وسعت و رعایت تھی، اس پر بعض لوگوں کو یہ کھٹک پیدا ہو سکتی ہے کہ جب بیعت ایک معاہدہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس میں اتنی وسعت کیوں روا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقع پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا ہے اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا، اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور جاں نواز باتیں سنتا رہا، اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے، سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی و عنایت سے اس کا اذن عام دے دیا ہے اور آپ عام و خاص سب کو مرید کر لیتے ہیں، میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں، سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہو گئے، فرمایا:-

"مولانا ضیاء الدین، تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو، یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں"

یہ سنکر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم لیکر عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ اشکال تھا آج بھی یہ وسوسہ آیا تھا، اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی، حضرت نے فرمایا:-

"حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمت بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہ و رسم اور عادتیں الگ ہوتی ہیں اور ان کے مزاج و طبیعت پچھلے لوگوں کے طبائع و اخلاق سے میل نہیں کھاتے، تھوڑے

لوگ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور یہ ایک تجربہ کی بات ہے۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوی اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہو جائے (جیسا کہ کتب تصوف میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ مشائخ متقدمین جب تک طالب ارادت میں انقطاع کلی نہ دیکھ لیتے بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے) لیکن سلطان ابوسعید ابوالخیر کے عہد سے لیکر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانہ تک اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے وقت سے لیکر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے وقت تک کہ یہ سب حضرات سرآمد روزگار اور آیۃ من آیات اللہ تھے، خلق خدا کا ان کے دروازوں پر ہجوم ہوا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اژدحام کیا، ان بندگان خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے ڈر کر ان عاشقان خدا کا دامن تھامنا چاہا، اور ان مشائخ کبار نے بھی خاص و عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا، اور خرقۂ توبہ و تبرک عطا کیا، ہر شخص ان محبوبان خدا کے معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا کہ شیخ ابوسعید، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا میں بھی مرید کروں، اسلئے کہ اگر خدا کا کوئی محبوب گناہگاروں میں سے ایک عالم کو اپنے دامن عاطفت میں لے لے تو ہو سکتا ہے ——— اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا، ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں، نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں، اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی پایا جاتا ہے کہ نہیں اور ان کو توبہ و تبرک کا خرقہ (جو خرقۂ ارادت کی جگہ پر ہی) نہ دوں

تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آ رہی ہے محروم ہو جائیں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اسکے کہ میرے دل میں خیال آئے یا میں اسکی درخواست اور التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں شیخ کامل و مکمل (شیخ کبیر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی، میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور بڑی مسکنت و بیچارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی، میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو اُس کو بیعت کر لیتا ہوں، خاص طور پر اسلئے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنیوالے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آ جاتے ہیں[1]۔"

عمومی زندگی پر اثر

اس بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ یکساں مستفیض ہوئے، عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق و عادات اشغال و اوقات اور اہل حکومت سے لیکر اہل حرفہ تک کے حالات پر کیا اثر پڑا، اور دارالحکومت دہلی میں جو شوکت، قوت، دولت و ثروت اور عیش و عشرت کا گہوارہ تھا، اور سارے ہندوستان کا مال غنیمت اور سیکڑوں ہزاروں برس کے خزانوں کے زر و جواہر، صناعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیل رواں کی طرح وہاں اُمنڈ رہے تھے۔ دینداری، خدا طلبی، عشق الٰہی، توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ، صفائی معاملات، راست گفتاری اور دیانتداری کی کیا کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کی تفصیل اُس عہد کے صاحب نظر اور معتبر مؤرخ ضیاء الدین برنی کی زبان سے سُنئے۔ وہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں[2]:-

[1] سیر الاولیاء ص ۳۴۶ و ص ۳۴۵ بحوالہ حسرت نامہ مولانا ضیاء الدین برنی۔ ۱۲

[2] تاریخ فیروز شاہی کے اقتباس کا یہ ترجمہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے (رفیق دار المصنفین) کی کتاب بزم صوفیہ سے حذف و اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ص ۱۹۹ و ص ۲۰۳

سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا، ایک دُنیا اُن کے انفاسِ متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے اُن کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور اُن کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی، اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا، اور ہمیشہ کیلئے پابند نماز ہوگئے، اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہوگئی، اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہوگیا، اور دنیا کی حرص ومحبت جو انسانوں کے فوائد وفرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاقِ حمیدہ اور ترک وتجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہوگئی اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصافِ عبودیت کی پابندی سے کشف وکرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی، اور ان بزرگوں کی عبادات ومعاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہوگئی، اور ان کے مکارمِ اخلاق ومجاہدہ وریاضت کے دیکھنے سے انسانوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی، اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہوگئے، اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط ووبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے، اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا ایسا فرو ہوا، اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ وتباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ تباہ نہیں ہوسکتے تھے اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعارِ اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں، اور احکامِ شریعت وطریقت کو جو رونق ورواج حاصل ہوا اُس کا کیا کہنا، کتنا عجیب زمانہ وہ تھا، جو

سلطان علاء الدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا، ایک طرف سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام فحشی اور ممنوعہ چیزوں کو، اور فسق وفجور کے اسباب کو قہر وغلبہ تعزیر وتشدد اور قید وبند سے روک دیا، اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کیلئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں بخیلوں اور تاجروں کیلئے سود ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکوں کیلئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسلمندی پیدا کرنے والا ہے، اور عبادت گزاروں کیلئے نسیان وفراموشی کا باعث ہے، سلطان علاء الدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا، اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے، سچائی اختیار کرنے سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور ٹھیک تولنے کیلئے خون خرابہ میں رکھتا تھا ——

دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے، اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص وعام، غریب ودولتمند، بادشاہ وفقیر، عالم وجاہل، شریف ورذیل، شہری اور دیہاتی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے، اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہوجاتی تھی، تو پھر از سرِ نو بیعت کرلیتے، اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری وباطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید واعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد وعورت،

بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے، اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنے والوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے، چھپر ڈال دیئے تھے کنویں کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے چٹائیاں بچھوا دی تھیں، ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانے تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کیلئے کوئی تردد نہ ہو، اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا، اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعاتِ نماز کی تحقیقات زیادہ تھی کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورۃ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں۔ ... ... پنجگانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آئی ہیں۔ اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں، اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں اور عشا کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں، اور شیخ فریدؒ، اور شیخ بختیارؒ رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے، اور کتنی بار سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے، نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے ــــــ اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو

حفظِ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے، پرانے مریدوں کو طاعت، عبادت، ترکِ تعلق، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصافِ حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیا داروں کا ذکر اُن کی زبان پر نہیں آتا تھا، کسی دنیا دار کے گھر کی طرف اپنا رُخ نہیں کرتے تھے، دنیا اور اہلِ دنیا کے میل جول کی حکایت نہیں سنتے تھے، اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے ــــــ کثرتِ نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر شیخ کے مرید ہوتے تھے، اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایامِ بیض اور عشرۂ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے، اور کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ بیس دن کے بعد صلحا کا اجتماع نہیں ہوتا تھا، اور صوفیوں کی محفلِ سماع نہیں ہوتی تھی، اور باہم گریہ وزاری نہیں کرتے تھے۔ شیخ کے چند مرید تراویح کی نمازیں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان، جمعہ اور تہواروں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے۔ شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گذارتے، بعض عباد گذار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے۔ شیخ نے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیضِ نظر سے صاحبِ کشف و کرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود اُن کے انفاس کی برکت، اُنکی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف

راغب ہوگئے تھے ـــــــــــ سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کیساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہوگیا تھا، خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کرلی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہوسکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہوگئی تھی۔ قوت القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد میر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہوگئے تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹے اور چرمی طشت گراں ہوگئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔[1]

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی صفحہ ۳۴۶ و صفحہ ۳۴۷

عشق کا ”روز بازار“

توبہ، تجدید ایمان اور اصلاح حال کے اس عام ذوق و رجحان کے علاوہ جس سے دہلی کا کوچہ کوچہ متاثر ہو رہا تھا اور ایوان شاہی و ”بام ہزار ستون“ تک اس کی لہریں پہنچی تھیں، ایک نئی تبدیلی یہ تھی کہ دماغی نخوت اور قلبی افسردگی کی اس دنیا میں جہاں نائے و نوش اور عیش کوشی کے سوا عرصہ سے کوئی صدا بلند نہیں ہوئی تھی، جذبۂ الٰہی کی ایک رو چلنے لگی اور عشق کا سودا عام ہوگیا، ہر جگہ درد و محبت کا تذکرہ، حقیقت و معرفت کی باتیں اور عارفانہ و عاشقانہ اشعار کی گونج تھی۔ امیر خورد مصنف سیر الاولیاء نے خوب لکھا ہے:-

کار محبت و عشق را روز بازاے در جہان پیدا آمدے . . . . . وخلق را درآں زماں راحت جز حکایت سماع و اخلاص و نیازمندی شفقت و لینت و دل دریافتن و سر در زیر پائے اہل دلان نہادن کارے دیگر نہ بود۔[1]

محبت و عشق کے کاروبار کا زمانہ میں ایک بازار لگ گیا، لوگوں کو سماع کی حکایات کے سننے، اخلاص و نیازمندی، شفقت و نرمی دلجوئی اور اہل دل کے قدموں پہ سر رکھ دینے کے علاوہ کسی اور بات سے راحت نہیں حاصل ہوتی تھی۔

خلفاء کی تربیت

اس سلسلۂ ارشاد و تربیت اور طریقۂ عشق و محبت کو ہندوستان میں دُور دُور تک پھیلانے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے آپ نے اپنے عالی استعداد، سراپا اخلاص خلفاء کا بڑا اہتمام فرمایا، اُن میں وہ سب اوصاف و کمالات پیدا کرنے کی کوشش فرمائی جو مشائخ کاملین کے لئے ضروری ہیں، ان سے مجاہدات کرائے، اُن کے قلوب کی نگرانی کی، ان میں جو عالی استعداد رکھتے تھے لیکن زیورِ علم سے عاری تھے ان کی تعلیم و تکمیل کا بندوبست کیا، ان میں سے جن کے

[1] سیر الاولیاء صفحہ ۳۵۵

دلوں سے ابھی تک بحث و مناظرے کا نشہ نہیں گیا تھا، اُن کی اصلاح فرمائی، جو خلق خدا کی رہنمائی اور اجتماعی زندگی کے اہل تھے، لیکن انھیں گوشہ نشینی، عزلت گزینی اور انفرادی عبادات و مجاہدات کا ذوق تھا، اُن کو اجتماعی زندگی اختیار کرنے اور "خلق خدا کی جفا و قفا" کو برداشت کرنے پر مجبور کیا، اصلاح و تربیت کا جو عالمگیر کام آپ کے پیش نظر تھا، اور اپنے خواص اصحاب سے دین کی دعوت کا جو کام لینا تھا، اس میں جو چیز خارج اور مزاحم نظر آئی، آپ نے اُس کو ترک کر دیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دن بلند حیثیت کے دوستوں اور خدام نے جن کا وطنی تعلق اودھ سے تھا آپس میں طے کیا کہ سلطان المشائخ سے پڑھنے پڑھانے اور بحث و مذاکرہ کرنے کی اجازت طلب کریں، اگرچہ ان دوستوں میں سے ہر ایک عالم متبحر تھا، لیکن سلطان المشائخ کے فیض صحبت سے یادِ حق میں مشغول تھا، مگر جس کام میں عمر گزاری تھی اُس کا شوق بالآخر اس کا محرک ہوا، مولانا جلال الدین کو لوگوں نے آگے کیا اور خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ پر یادِ الٰہی کی ایسی کچھ تجلی تھی کہ لوگوں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، مولانا جلال الدین کو کچھ جرأت تھی، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو احباب کسی وقت بحث کر لیا کریں؟ سلطان المشائخ سمجھ گئے کہ یہ ان سب علماء کا عندیہ ہے اور مولانا جلال الدین اُن کے نمائندہ ہیں۔ فرمایا کہ: میں کیا کروں، مجھے ان سے تو دوسرا ہی کام لینا مقصود ہے[1]۔

مولانا سید نصیر الدین محمود جو بعد میں حضرت خواجہ کے خلیفۂ اعظم اور اصل جانشین ہوئے اور چراغ دہلی کے نام سے اُن کا نام تمام دنیا میں روشن ہے، اس بات کے بڑے خواہشمند تھے کہ وہ کہیں کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انھوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوایا کہ یہ ناچیز اودھ میں رہتا ہے، خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے، اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر

[1] سیر الاولیاء ص ۳۰۶

رہ کر فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔ امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا، تو ارشاد ہوا:-

اورا بگو ترا درمیان خلق می باید بود	اُن سے کہہ دو کہ تم کو مخلوق ہی کے درمیان رہنا
و جفا و قفائے خلق می باید کشید و مکافات	ہوگا، اور مخلوق کی بے مروتی اور بے رخی کو برداشت
آں بذل و ایثار و عطا می باید کرد[1]	کرنا ہوگا، اور اس کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا۔

مولانا حسام الدین ملتانی نے خلافت کے بعد عرض کیا کہ:- اگر اجازت ہو تو شہر چھوڑ دوں اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کروں، اس لئے کہ شہر میں کنوؤں کا پانی ملتا ہے اور اس سے وضو کرنے میں دل کو اطمینان نہیں ہوتا[2]، ارشاد ہوا کہ تمھیں شہر ہی میں رہو، اور ایک عام آدمی کی طرح رہو، سو نفس چاہتا ہے کہ تم کو ایک آرام کی جگہ لے جائے اور ایسی جگہ رکھے کہ تمھیں جمعیت خاطر نصیب نہ ہو، جب تم شہر سے باہر چلے جاؤ گے اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کرو گے تو پردیسی اور شہری تمہارا سراغ لگا کر پہنچیں گے اور مشہور ہوگا کہ فلاں درویش فلاں جگہ مقیم ہے، اور پھر تمہارا وقت خراب کرے گا، اس کے علاوہ کنوئیں کے پانی میں علماء کا اختلاف ہے اور شریعت نے اس میں وسعت دی ہے۔

چشتی خانقاہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو بڑے جلیل القدر خلفاء عطا فرمائے تھے جن میں سے حسب ذیل خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوئے:-

(۱) مولانا شمس الدین یحییٰ	(۲) شیخ نصیر الدین محمود
(۳) شیخ قطب الدین منور ہانسوی	(۴) شیخ حسام الدین ملتانی
(۵) مولانا فخر الدین زرادی	(۶) مولانا علاء الدین نیلی

[1] سیر الاولیاء ص ۲۳۶

[2] پانی بھرنے والوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے اور کسی چیز کے گرنے پڑنے کے خیال سے۔

(۷) مولانا برہان الدین غریب　　(۸) مولانا یوسف چندیری

(۹) مولانا سراج الدین اخی سراج　　(۱۰) مولانا شہاب الدین

مریدین با اختصاص

(۱) خواجہ ابوبکر　　(۲) مولانا محی الدین کاشانی

(۳) مولانا وجیہ الدین پائلی　　(۴) مولانا فخرالدین مروزی

(۵) مولانا فصیح الدین　　(۶) امیر خسرو

(۷) مولانا جلال الدین　　(۸) خواجہ کریم الدین سمرقندی

(۹) امیر حسن علا سجزی　　(۱۰) قاضی شرف الدین

(۱۱) مولانا بہاء الدین ادہمی　　(۱۲) شیخ مُبارک گوپاموی

(۱۳) خواجہ موید الدین کردی　　(۱۴) خواجہ تاج الدین داوری

(۱۵) خواجہ ضیاء الدین برنی　　(۱۶) خواجہ موید الدین انصاری

(۱۷) خواجہ شمس الدین خواہرزادہ

(۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی　　(۱۹) خواجہ سالار

(۲۱) مولانا فخرالدین میرٹھی

ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو آپ نے خلافتِ خاص عطا فرمائی اور اپنا جانشین بنایا۔ وہ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے، انھوں نے نہایت نامساعد حالات، اور سخت سیاسی طوفانوں میں رشد و ہدایت کا یہ چراغ روشن رکھا۔ بقول شاعر ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے　٭　وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

فیروز تغلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندوستان کو جو فیوض و برکات پہنچے اُس میں حضرت سید نصیر الدین ہی کا ہاتھ تھا[1] پورے تینتیس سال تک انھوں نے سلسلۂ چشتیہ کا مرکزی نظام دار الحکومت دہلی میں بیٹھ کر کامیابی کیساتھ چلایا، پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا جس نے جنوبی ہند ہی نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے معطر کر دیا یعنی حضرت سید محمد گیسو دراز مدفون گلبرگہ[2] (م ۸۲۵ ھ) جن کے متعلق کسی صاحب نظر نے کہا ہے۔ ؎

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد

واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرے خلیفہ علامہ کمال الدین (م ۷۵۶ ھ) تھے، جن کی اولاد اور خلفاء نے اس سلسلہ کو اس صدی تک آب و تاب کیساتھ قائم رکھا، اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ مدنی، شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مولانا شاہ فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی، شاہ نیاز احمد بریلوی، اور خواجہ سلیمان تونسوی جیسے اکابر روزگار گزرے جنھوں نے عشق الٰہی کا بازار گرم رکھا، اور لاکھوں بندگان خدا کے دلوں میں محبتِ الٰہی اور خدا طلبی کی آگ بھر دی۔[3]

حضرت چراغ دہلی کے خلفاء میں شیخ عبد المقتدر کندی، شیخ احمد تھانیسری اور شیخ جلال الدین حسین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں گشت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں —— ان میں ہر ایک شیخ وقت اور مرجع خلائق تھا۔

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی" از سراج عفیف۔

[2] حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے حالات و کمالات کیلئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

[3] ان بزرگوں کے مفصل حالات کیلئے ملاحظہ ہو "تاریخ مشائخ چشت" از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

دہلی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس کی مسند ارشاد پر یکے بعد دیگرے دو شیخ اجل حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی متمکن رہے، ہندوستان کے مختلف مقامات پنڈوہ، لکھنوتی، دولت آباد، گلبرگہ، برہان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، صفی پور، مانک پور، سلون میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں، جنھوں نے صدیوں تک چراغ سے چراغ روشن رکھا اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علو ہمت و عزیمت، خدمت خلق، ایثار و قربانی، بذل و عطا، فقر و زہد، علم و معرفت کی شمع روشن رکھی، اور ہندوستان کی فضا کو جس پر پے در پے مادیت اور غفلت کے حملے ہوتے رہے اور کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ سارا ملک تنکے کی طرح غفلت و تعیش کے سیلاب میں بہ جائے گا، اور متاع درد جس کشتی میں ہے وہ بھی غرق ہو جائے گی، لیکن ان سوختہ سامانوں اور سوختہ دلوں نے اس متاع کی حفاظت کی اور یہ آگ کہیں نہ کہیں سلگتی رہی، ان میں سے ہر خانقاہ اور اسکے دینی و اصلاحی کارناموں کیلئے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے، خاص طور پر بنگال میں شیخ علاء الحق پنڈوی[1]، حضرت نور قطب عالم پنڈوی[2]،

---

[1] شیخ علاء الدین علاء الحق پنڈوی کا اصل نام عمر ہے، آپکے والد اسعد لاہوری بنگال میں منصب وزارت پر فائز تھے۔ شیخ علاء الحق حضرت محبوب الٰہی کے مشہور خلیفہ مولانا سراج الدین عثمان اودھی معروف بہ اخی سراج (م ۷۵۸ھ) کے خلیفہ اور پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی ہیں۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی (م ۸۰۸ھ) آپ ہی کے خلیفہ ہیں ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

[2] نور الدین احمد نام، نور الحق اور قطب عالم لقب، اپنے والد شیخ علاء الحق پنڈوی کے خلیفہ و جانشین تھے، اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت و مرجعیت عطا فرمائی، آپکے زمانہ میں پنڈوہ کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی چشتی خانقاہ تھی۔ مجاہدات، خدمت خلق اور بے نفسی و خود شکنی اور علوم و حقائق میں مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ خلفاء میں حضرت شیخ حسام الدین حسام الحق مانکپوری (م ۸۵۳ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کی ذات سے بہار و اودھ میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ ۸۱۸ھ میں وفات پائی، تصنیفات میں "مونس الفقراء"، "انیس الغرباء" اور "مکاتیب کا مجموعہ" یادگار ہے۔ ملفوظات و مکتوبات میں غضب کی سادگی اور تاثیر ہے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۳)

دکن میں شیخ برہان الدین غریب، ان کے خلفاء میں شیخ زین الدین، شیخ یعقوب، شیخ کمال الدین ناگوری، گجرات میں ان کے خلیفہ قطب عالم عبداللہ بن محمود بن حسین (م ۸۵۷ھ) اور اُن کے فرزند و خلیفہ شاہ عالم گجراتی نے بوریائے فقر پر بیٹھ کر اپنے اپنے زمانہ میں بادشاہی کی ہے۔

مالوہ میں شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین، مولانا مغیث الدین وغیرہ، اودھ میں حضرت شیخ محمد مینا لکھنوی، شیخ سعد الدین قدوائی خیرآبادی، شیخ عبدالصمد عرف صفی الدین صفی پوری، شیخ حسام الحق مانک پوری، شیخ عبدالکریم مانک پوری اور شاہ پیر محمد سلونی اور شاہ پیر محمد لکھنوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ سب سلسلہ نظامیہ کے شیوخ کبار ہیں جنھوں نے اپنی اپنی جگہ ارشاد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا، ان سے فیض پانے والوں کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

ان خالص چشتی خانقاہوں کے علاوہ ہندوستان میں جابجا ایسی نامور خانقاہیں بھی قائم تھیں، جن کے مشائخ کبار اور بانیان سلسلہ کو سلسلۂ نظامیہ کے مشائخ چشت سے نسبت خاص اور اجازت عام حاصل تھی اور وہ چشتی ذوق اور نسبت کے حامل تھے، ان میں سے جونپور کی خانقاہ رشیدی اور پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خانقاہ رشیدی کے بانی حضرت علامہ محمد رشید جونپوری (م ۱۰۸۳ھ) کو اپنے شیخ طیب بنارسی اور سید احمد الحلیم حسینی مانکپوری سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں اجازت حاصل تھی۔ خانقاہ مجیبی کے بانی تاج العارفین حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی (م ۱۱۹۱ھ) کو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ اپنے پیر بیعت حضرت خواجہ عماد الدین قلندر، اور حضرت شاہ معین الدین کرجوی کے واسطے سے پہنچا ہے، شاہ معین الدین کرجوی حضرت شیخ پیر محمد سلونی کے خلیفہ تھے۔

آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ذات سلسلۂ نظامیہ و صابریہ اور ان کی خصوصیتوں اور برکتوں کی جامع تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو سلسلۂ نظامیہ سے نسبت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے طریق سے حاصل تھی، جن کو حضرت درویش بن محمد قاسم اودھی سے سلسلۂ نظامیہ میں اجازت تھی۔ حضرت درویش کو یہ

طریقوں سے سلسلۂ نظامیہ پہونچا تھا۔[1]

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تذکرۃ الرشید" ج ۲ (ص ۱۶)۔

بابِ ہفتم

حضرت خواجہؒ کی تعلیم و تربیت کے اثرات

آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات

حضرت سلطان المشائخؒ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی۔ سلطان علاؤالدین خلجی کے امراء و درباراور ارکانِ سلطنت میں سے ایک بڑے عہدہ دار خواجہ موید الدین تھے۔ اُن کو حضرت خواجہؒ سے تعلق پیدا ہوگیا، اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ ان کی طبیعت "سرکار دربار" سے اُچاٹ ہوگئی، اور وہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں رہ پڑے۔ سُلطان اُن کا بڑا قدردان تھا، اور اُن کی ضرورت محسوس کرتا تھا، اُس نے ایک حاجب۔۔۔ کے ذریعہ حضرت خواجہؒ سے شکایت کی اور کہا کہ:۔ حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ:۔ اپنا جیسا کیا، اپنے سے بہتر۔[1]

حضرت خواجہؒ کی صحبت و تربیت سے صرف عبادت و ریاضت کا ذوق اور اپنی اصلاح و ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا ہوتی تھی، بلکہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ہمت اور حوصلہ، سلاطینِ وقت

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۳۱۶)

کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت اور بے خوفی و شجاعت بھی پیدا ہوتی تھی، اور یہ خدا کے نام اور مردانِ خدا کی صحبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس دل میں اللہ کا خوف سما جائے گا اُس دل سے غیر اللہ کا خوف قدرتی طور پر نکل جائے گا اور جو دل طمعِ دنیا سے آزاد ہو جائے گا اُس پر کسی کا رعب اور اُس کو کسی سے ہراس نہیں ہو سکتا، جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق کی صحیح حیثیت کا انکشاف ہو گیا، وہ سلاطینِ عالم کے کرّ و فر، اُن کے درباروں کے تزک و احتشام اور اُن کے غلاموں اور افسروں کی صف بندیوں اور "نگاہ روبرو" اور "دورباش" کو بچوں کے کھیل اور گڑیوں کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا، اور جاہ و جلال کی کسی نمائش کے موقع پر کلمۂ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا، یہی توحید و تجرید کا طبعی نتیجہ، حقیقی تصوف کا خاصہ اور مردانِ خدا اور درویشانِ کامل کا شیوہ ہے۔ ؎

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ ٭ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی ٭ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت خواجہؒ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس "اسد اللّٰہی" اور اس حق گوئی و بیباکی کے ایسے نمونے پیش کئے جن کی نظیر ملنی آسان نہیں۔

سلاطینِ وقت سے بے رعبی اور حق گوئی کے نمونے

سلطان محمد تغلق کے شوکت و جبروت سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ سلطان کا ایک مرتبہ ہانسی کے پاس سے گزر ہوا، وہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر کسی مقام میں خیمۂ شاہی و خرگاہ نصب ہوا، سلطان نے مخلص الملک نظام الدین ندرباری کو جو اپنے ظلم و قساوت میں اُس زمانہ میں مشہور تھا ہانسی کے حصار کے معائنہ کے لئے بھیجا، وہ جب حضرت شیخ قطب الدین منور (نبیرہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی و خلیفہ حضرت سلطان المشائخؒ) کے مکان کے پاس پہنچا تو دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا شیخ قطب الدین منور کا جو حضرت سلطان المشائخؒ کے خلیفہ ہیں، کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ اس جوار میں آئے اور شیخ اُس کے سلام کو حاضر نہ ہوں؟ مخلص الملک نے واپسی پر سب کیفیت عرض کی، اور یہ بھی کہا کہ سلطان المشائخؒ کے ہانسی میں ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے سلام کیلئے حاضر نہیں ہوئے

بادشاہ کو یہ سنکر غصہ آیا، اُسی وقت حسن سر برہنہ کو جو ایک بڑا مغرور و جاہ پسند شخص تھا شیخ قطب الدین کو لانے کے لئے بھیجا، حسن سر برہنہ جب مکان کے قریب پہنچا تو تنہا پیادہ پا شیخ کی دہلیز میں آ کر عاجزانہ طریقے پر بیٹھ گیا۔ شیخ نے بلایا حسن نے جا کر عرض کیا کہ آپ کی بادشاہ کے یہاں طلبی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا مجھے فرمان سلطانی ہے کہ میں آپ کو بہرحال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمد للہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ پھر گھر والوں کی طرف رُخ کیا، اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا، یہ کہا اور مصلّیٰ کاندھے پر ڈالا لاٹھی ہاتھ میں لی اور پیادہ پا روانہ ہو گئے۔ حسن نے سواری کے لئے عرض کیا۔ فرمایا، نہیں مجھ میں قوت ہے، میں پیدل چل سکتا ہوں، جب ہانسی پہنچے تو سلطان کو خبر ہوئی، سلطان نے حکم دیا کہ دہلی چلیں۔ دہلی پہنچ کر دربارِ شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز شاہ سے جو اُس زمانہ میں نائب باربک تھے، کہا کہ ہم فقیر لوگ ہیں، بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں، جیسا آپ کا مشورہ ہو ویسا کیا جائے۔ فیروز نے جو فقیر دوست اور صحیح الاعتقاد شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپ کے متعلق بادشاہ کے کان بہت بھرے ہیں، اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے۔ ایوانِ شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا تو امراء و ملوک اور نقیب و چاؤش دو رویہ کھڑے تھے۔ صاحبزادہ نور الدین جو ہانسی سے ہمرکاب آئے تھے، کم عمر تھے، اور انھوں نے کبھی بادشاہوں کی بارگاہ دیکھی نہیں تھی، اُن پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی۔ شیخ قطب الدین منور نے اُن سے پکار کر کہا کہ: "بابا نور الدین! العظمة والکبریاء للّٰہ"۔ صاحبزادہ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہوئی، سارا رعب جاتا رہا، اور جو امراء و ملوک وہاں کھڑے تھے وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔ جب سلطان کو یہ اندازہ ہوا کہ شیخ آ رہے ہیں تو وہ کھڑا ہو گیا اور کمان ہاتھ میں لیکر تیر اندازی میں مشغول ہو گیا۔ شیخ قریب آئے تو اُس نے خلافِ معمول تعظیم کی اور مصافحہ کیا۔ شیخ نے بہت مضبوطی سے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا، بادشاہ نے کہا کہ میں آپ کے جوار میں پہنچا، آپ نے میری کوئی تربیت نہ فرمائی، اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی؟ شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور اہلِ اسلام کی دعا گوئی میں مصروف ہے، اس کو معذور

سمجھا جائے۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا، اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی جیسی مرضی ہو ویسا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ اپنے دادا اور باپ کے گوشۂ عافیت میں واپس جائے۔ فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی۔ شیخ کی واپسی کے بعد بادشاہ نے ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصافحہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے، جس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اُس کے ہاتھ میں کپکپی تھی، لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصافحہ کیا کہ ان پر ذرا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکے کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا شیخ نے فرمایا۔ نعوذ باللہ کہ یہ درویش ایک لاکھ تنکے قبول کرے۔ انھوں نے واپس آکر سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا کہ اگر ایک لاکھ نہیں قبول کرتے تو پچاس ہزار پیش کرو۔ شیخ نے اس کو بھی قبول نہ کیا۔ سلطان نے فرمایا اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو خلقت مجھے کیا کہے گی۔ یہاں تک کہ بات دو ہزار تک پہنچی۔ فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین نے عرض کیا کہ اس سے کم کا ہم بادشاہ کے سامنے تذکرہ نہیں کر سکتے۔ شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! درویش کو تو دو سیر چاول دال اور ایک دانگ کا گھی کافی ہے، وہ ان ہزاروں روپیوں کو کیا کرے گا۔ بڑی کوششوں اور حیلوں سے یہ کہہ کر کہ بادشاہ در پے آزار ہو جائے گا، آپ نے وہ دو ہزار تنکے قبول کئے، اور وہ بھی اپنے برادرانِ طریقت اور اہلِ حاجت میں تقسیم کرکے ہانسی واپس آگئے۔[۲]

جس زمانہ میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی آبادی کو دیوگیر منتقل ہو جانے کا حکم دیا، اُس زمانہ میں اُس نے عزم کیا کہ ترکستان اور خراسان کو بھی اپنے قبضہ میں لائے اور چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کرے۔ اُسی زمانہ میں حکم ہوا کہ دہلی اور اطرافِ دہلی کے تمام صدور و اکابر حاضر ہوں، بڑے بڑے خیمے نصب کریں، ان خیموں میں منبر لگے جائیں، اور ان منبروں پر چڑھ کر حضرات علماء تقریریں کریں اور جہاد کی ترغیب دیں۔ اُس روز حضرت خواجہ

[۱] تنکا یا ٹنکا، اس عہد میں ہندوستان کا روپیہ تھا، اس میں ایک تولہ چاندی ہوتی تھی یہ ترکی زبان کا لفظ ہے، اسکے معنی سفید کے ہیں۔ یعنی نقرئی سکہ۔
[۲] سیر الاولیاء صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۵۸

نظام الدینؒ کے خلفاءِ خاص مولانا فخر الدین زرادی، مولانا شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی طلبی ہوئی۔ شیخ قطب الدین دبیر[۱] جو حضرت سلطان المشائخ کے ایک راسخ الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے۔ مولانا فخر الدین کو سب سے پہلے بارگاہِ سلطانی میں لائے، مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اجتناب تھا۔ کئی بار فرمایا کہ میں اپنے سر کو اُس شخص کے دربار میں کٹا ہوا اور پڑا ہوا دیکھتا ہوں، یعنی میں کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا۔ جب مولانا سراپردۂ سلطانی میں داخل ہوئے، تو شیخ قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اُٹھا لیں، اور خدمت گاروں کی طرح بغل میں لیکر کھڑے ہو گئے، سلطان نے اُن سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کردوں، آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ سلطان نے کہا یہ شک کا کلمہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے متعلق ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ سلطان نے یہ سُنکر پیچ و تاب کھایا اور کہا کہ ہمیں کچھ نصیحت کیجئے؟ مولانا نے فرمایا کہ غصہ دباؤ۔ سلطان نے کہا کون سا غصہ۔ مولانا نے فرمایا غضب سبعی (درندوں والا غصہ) اس پر سلطان کو ایسا غصہ آیا کہ چہرہ پر ظاہر ہو گیا، مگر کچھ کہا نہیں۔ کہا کہ کھانا لاؤ، خاصہ شاہی لگا، سلطان اور مولانا دونوں ایک ہی پلیٹ میں کھا رہے تھے، مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ ہم پیالہ ہونا پسند نہیں کرتے، سلطان اور زیادہ اظہارِ تعلق کے لئے ہڈی سے گوشت نکال نکال کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا، مولانا بڑی ناگواری کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے، پھر دسترخوان بڑھایا گیا، اور سلطان نے مولانا کو رخصت کیا، رخصت کے وقت ایک اونی پوشاک اور ایک روپیہ کی تھیلی پیش کی لیکن اس سے پہلے کہ خلعت اور کیسہ مولانا کے ہاتھ میں آئے، شیخ قطب الدین دبیر نے ہاتھ بڑھا کر اُن کو لے لیا۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے شیخ قطب الدین دبیر سے کہا کہ اے فریبی آدمی تو نے یہ کیا حرکت کی،

[۱] دبیر کا عہدہ سکریٹری کا سمجھنا چاہئے۔ ۱۲

پہلے فخر الدین کی جوتیاں اپنے بغل میں لیں، پھر ان کی خلعت اور کیسہ سنبھال لیا، اور اُس کو میری تلوار سے بچا لیا، اور بلا اپنے سر لے لی۔ شیخ قطب الدین دبیر نے کہا کہ مولانا فخر الدین میرے استاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں میرے لئے مناسب تو یہ تھا کہ میں اُن کی جوتیاں تعظیماً سر پر رکھتا، بغل میں لینا تو کوئی بڑی بات نہیں، اور یہ خلعت و کیسہ کیا بڑی چیز ہے؟ سلطان نے کہا کہ ان کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ میں قتل کردوں گا۔ اخیر وقت جب مولانا فخر الدین زرادی کا ذکر سلطان کی مجلس میں آتا تو سلطان ہاتھ مل کر کہتا کہ افسوس فخر الدین میری خوں آشام تلوار سے بچ گئے[1]

اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی

مشائخ چشت نے اگرچہ سلاطین وقت سے بے تعلق اور "سرکار دربار" سے دُور رہنے کا فیصلہ کیا تھا، اور اُس کو اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لئے دائمی اصول بنا دیا تھا، لیکن وہ سلاطین وقت کی رہنمائی و نگرانی سے غافل نہیں تھے، اور جب کبھی اُن کو صحیح مشورہ یا کسی بہتر انتخاب یا اپنا روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس زریں موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمراں ان مشائخ چشت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہت سے مفاسد کا ازالہ، بہت سے منکرات کا سدباب اور بہت سے احکام شریعت اور عدل گستری اور خلق پروری کا رواج ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین میں سلطان فیروز تغلق کو اپنی حسن سیرت، نیک نفسی، رعیت پروری، رحم دلی، امن پسندی، رفاہ عامہ، ازالۂ مظالم اور تبلیغ اسلام کے ذوق، مدارس کے قیام وغیرہ میں جو امتیاز و خصوصیت حاصل تھی، اُس میں مشکل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا سہیم و شریک ہوگا۔ سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تعمیری کارناموں اور اس کے زمانہ کی خیر و برکت، امن و امان و سرسبزی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

---

۱ سیر الاولیاء، ص ۲۷۰ و ۲۷۱

تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے:—

او بادشاہے بود فاضل و عادل و کریم و رحیم و حلیم و رعیت و سپاہی از و راضی بودند و ہیچ کس در عہد او یارائے ظلم نہ داشت[1]

وہ ایک فاضل، منصف مزاج، شریف و مہربان، رحم دل و بردبار بادشاہ تھا، رعیت اور فوج سب اس سے راضی تھی کسی کو اُسکے عہد حکومت میں ظلم کرنے کی مجال نہ تھی۔

مصنف نے اُس کے آئین حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں، اُس نے کسی مسلمان یا ذمی کی سیاست[2] و تعزیر نہیں کی، انعامات، عطیوں اور تالیف قلب کی وجہ سے لوگوں کو سیاست کی ضرورت نہیں رہی۔

۲۔ خراج و محاصل کو رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا، اضافہ اور توفیر کو جو سلاطین ماضی کا دستور تھا موقوف کیا، رعایا کے بارے میں کسی مفسد کی شکایت کی سماعت نہیں کی، اس کی بدولت ملک آباد اور رعایا فارغ البال ہی۔

۳۔ حکومت کے عہدوں اور علاقوں کی صوبہ داری پر دیندار و خدا ترس لوگوں کو مامور کیا، کسی فساد انگیز و بدنفس کو عہدہ نہیں دیا، "الناس علیٰ دین ملوکھم" کے اصول کے مطابق حکام، امراء اور کارپردازان حکومت نے بھی اس کی پیروی کی[3]

لیکن بہت سے لوگوں کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا خاص ہاتھ[4] اور اس کی فیروزمندی اور کامیابیوں میں ان کی دعاؤں اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا

---

۱ تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲۶۵

۲ تعزیر و تعذیب کے وہ نئے نئے طریقے جو سلاطین سابق نے ایجاد کئے تھے۔

۳ تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲۶۱

۴ تاریخ فرشتہ ص ۲۵۹ (ج ۱)

سراج عفیف لکھتے ہیں :—

چوں سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھہ رفت خدمت شیخ نصیر الدین را برابر خود برد، چوں سلطان محمد در ٹھٹھہ نقل کرد و سلطان فیروز شاہ در بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیر الدین بر سلطان فیروز شاہ پیغام کردہ کہ بایں خلق عدل و انصاف خواہی کرد و یا برائے ایں مشتے مسکینان والی دیگر از اللہ تبارک و تعالیٰ التماس کردہ آید، سلطان فیروز جواب فرستاد کہ با بندگان خدائے تعالیٰ حلم و رزم و اتفاق کنم، چوں خدمت شیخ ایں لفظ شنید بر سلطان فیروز جواب فرستاد اگر با خلق ایں چنیں خلق خواہی کرد، ما ہم برائے تو از اللہ تبارک و تعالیٰ چہل سال ملک خواستہ ایم، عاقبت ہم چناں شد سلطان فیروز تا چہل سال ملک راند[1]۔

جب سلطان محمد تغلق ٹھٹھہ ملک طغی کی بغاوت فرو کرنے گیا ہوا تھا حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے گیا تھا، سلطان کا جب انتقال ہوا اور سلطان فیروز شاہ دربار شاہی میں بیٹھا، حضرت شیخ نصیر الدین نے فیروز شاہ کو پیغام بھیجا کہ خدا کی اس خلوق کیساتھ تم عدل و انصاف کرو گے یا میں ان غریبوں کے لئے اللہ سے کوئی دوسرا حاکم مانگوں۔ سلطان فیروز نے جواب دیا کہ میں بندگان خدائے تعالیٰ سے حلم و رزم و اتفاق کنم۔ جب حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلوا بھیجا کہ اگر مخلوق کیساتھ اسی طرح معاملہ کرو گے تو میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے چالیس سال مانگ لئے ہیں، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی۔

سلطان محمد شاہ بہمنی (۷۵۹، ۷۶۰ھ) کو تمام مشائخ دکن نے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اور اس کے ہاتھ پر حاضرانہ اور غائبانہ بیعت کر لی لیکن حضرت شیخ برہان الدین غریب کے خلیفہ و جانشین حضرت شیخ زین الدین (م ۱۰۸ھ) نے

[1] تاریخ فیروز شاہی ۲۵۔

اس بنا و پر انکار کر دیا کہ بادشاہ شراب نوشی اور منہیات شرعی کا مرتکب ہے۔ اور فرمایا :۔

سزاوار پادشاہی خلق کسے زیست کہ در حفظ شعائر ملت محمدی کوشیدہ سزاوار علانیہ پیرامون مناہی نہ گردد۔

خلق خدا پر حکومت کرنے کا اہل وہ شخص ہے جو اسلام کی حفاظت میں کوشش کرے اور خلوت و جلوت کسی حالت میں بھی ممنوعات شرعی کے قریب نہ جائے۔

۷۶۱ھ میں جب سلطان دولت آباد میں فاتحانہ داخل ہوا، تو حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ یا تو آپ میرے دربار میں حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحریر اپنے دست خاص کی میرے پاس بھیجیں۔ شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک دفعہ کسی تقریب سے ایک عالم، ایک سید اور ایک ہیجڑا کافروں کے ہاتھ پڑ گئے، انھوں نے فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بُت خانہ میں جائیں، جو بت کا سجدہ کرے گا اُس کی جان بخشی ہوگی اور جو انکار کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا، پہلے عالم کو لے گئے انھوں نے قرآن کی رخصت پر عمل کیا[1]۔ اور بت کا سجدہ کر کے اپنی جان بچالی، سید نے عالم کی تقلید کی، جب ہیجڑے کی باری آئی تو اُس نے کہا میری تمام زندگی ناشائستہ کاموں میں گذری، میں نہ عالم ہوں نہ سید کہ ان میں سے کسی فضیلت کی بناء میں ایسا کام کروں، اُس نے قتل ہو جانا منظور کر لیا اور بت کا سجدہ نہیں کیا، میرا قصہ بھی اُسی ہیجڑے کے قصہ سے مطابقت رکھتا ہے، میں تمہارے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا لیکن نہ دربار میں حاضر ہوں گا اور نہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا، شیخ نے بلا توقف اپنی جائے نماز کاندھے پر ڈالی، اور شیخ برہان الدین کے مقبرے میں جا کر ان کی قبر کی پائنتی پر لاٹھی گاڑ دی اور جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے ہلائے۔ بادشاہ نے جب شیخ کی یہ مضبوطی اور استقامت دیکھی تو پشیمان ہوا، اور اپنے ہاتھ سے یہ صلح کا عذر لکھ کر صدر شریف کے ہاتھ بھیجا۔

[1] الا ان تتقوا منھم تقاۃ (سورۂ آل عمران، رکوع ۳) مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔

"من زاں تو ام تو زاں من باش"

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور ممالکِ محروسہ سے شراب خانے یک قلم اُٹھا دے، اپنے باپ کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کے سامنے شراب نہ پئے، اور قضاۃ و علماء و صدور کو حکم دے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سعی بلیغ سے کام لیں، تو فقیر زین الدین سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا دوست و خیر خواہ نہ ہوگا۔ نیچے یہ شعر اپنے قلمِ مبارک سے تحریر فرمایا۔ ؎

تا من بزیم بجز نکوئی نہ کنم ٭ جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم
آنہا کہ بجائے ما بدیہا کردند ٭ تا دست رسد بجز نکوئی نہ کنم

(ترجمہ) جب تک جان میں جان ہے سوائے اچھائی، نیک دلی اور نیک خوئی کے، مجھ سے کچھ سرزد نہ ہوگا۔ جن لوگوں نے ہمارے ساتھ برائی کی، جب موقع ملے گا ہم ان کے ساتھ سوائے بھلائی کے کچھ نہ کریں گے)۔

سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور فرمان جاری کیا کہ القاب شاہی کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کیا جائے۔ قبل اسکے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو، سلطان نے مرہٹ واڑہ کی حکومت مسند عالی خان محمد کے حوالہ کی اور خود بدولت گلبرگہ پہنچا اور شراب کی دُکانوں کو اپنی پوری حکومت سے ختم کر کے شریعت کی ترویج و اشاعت میں اپنی کوشش مبذول کی، دکن کے چوروں و فسادیوں کو جو دُور دُور مشہور تھے اور جنھوں نے رہزنی کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا ختم کرنے کا انتظام کیا، چھ سات مہینے کے اندر اندر ملک ان سے پاک ہوگیا۔ ایک روایت کے مطابق چھ مہینے کی مدت میں چوروں رہزنوں کے بیس ہزار سر کاٹ کر اطراف و جوانب سے گلبرگہ میں لائے گئے، سلطان اس عرصہ میں حضرت شیخ زین الدین سے برابر خط و کتابت کرتا رہا، اور اخلاص و عقیدت کی راہ و رسم بڑھاتا رہا۔ شیخ نے بھی اُس کی ہمت افزائی، قدردانی اور ہدایات اور مشوروں سے دریغ نہیں کیا۔[1]

۱؎ تاریخ فرشتہ (جلد اول) از ۵۹۵ تا ۵۹۶، طبع پونا ۱۸۳۲ء۔

چشتیوں کی بڑی بڑی خانقاہیں ہندوستان کے جن حصّوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں انھوں نے وہاں کی اسلامی حکومتوں اور سلاطین وقت کی رہنمائی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت سے غفلت نہیں کی۔ بنگال کی مشہور عالم خانقاہ جو پنڈوہ میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لئے قوت اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی۔ جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درویشوں نے اس کی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی امکانی کوشش کی۔[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں :۔

"حضرت نور قطب عالم شیخ علاء الحق کے فرزند رشید تھے، جس زمانہ میں وہ مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے، بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گذر رہی تھی۔ راجہ کنس (جو بھوریہ ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہوگیا تھا اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ حضرت نور قطب عالم نے براہ راست اور سید اشرف جہانگیر سمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ سید اشرف جہانگیر کے مجموعے میں وہ دلچسپ خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں جن میں اس سیاسی کشمکش کی تفصیل درج ہے۔ سید اشرف جہانگیر نے جو خط حضرت نور قطب عالم کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا وہ بنگال میں صوفیائے کرامؒ کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔"[2]

ان چند واقعات سے جو تاریخ کے وسیع انبار میں سے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر بغیر کسی تاریخی ترتیب کے جمع کر دیے گئے، اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت کا تصوف محض عزلت و خلوت نفس کشی اور ترک دنیا اور

۱؎ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ریاض السلاطین، تاریخ بنگالہ تصنیف غلام حسین سلیم ص۱۱۱ عنوان مسلط شدن راجہ کانس جیمدار تا ص۱۱۹

۲؎ تاریخ مشائخ چشت ص۲۰۲

اقبال کے الفاظ میں "سر بزیری اور گوسفندی ومیشی" نہیں تھا، انھوں نے اپنے اپنے دور میں زمانہ کے دھارے کو بدلنے اور حالاتِ زمانہ سے پنجہ آزمائی کی بھی کوشش کی۔ جابر سلاطین کے روبرو کلمۂ حق کہنے، اُن کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے اور ان کو صلاح ومشورہ دینے سے بھی پس وپیش نہیں کیا، اور جب کبھی اُن کے اولوالعزم مشائخ کو موقع ملا، انھوں نے اصلاح وانقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اشاعتِ اسلام

سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت وتبلیغِ اسلام پر پڑی تھی، اور اس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے، عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی یہ کثرت بہت کچھ حضرت خواجہؒ کی کوششوں اور روحانیت کی رہینِ منت ہے، ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہؒ کی روحانی قوت، اشراقی کمال اور عنداللہ مقبولیت کے واقعات سے مسلمان ہوئی، اس وقت تک ہندوستان جوگ واشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے بہت سے فقیر وسنیاسی اشراقی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے، ریاضاتِ شاقہ اور مختلف مشقوں سے انھوں نے کشف وتصرف کی بڑی قوت بڑھا رکھی تھی، اُن میں بہت سے لوگ اس نووارد مسلمان فقیر کے امتحان اور اُس کو زک دینے کے لئے اُس کے پاس آئے لیکن اُن کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ غریب الوطن درویش اُن سے اپنی قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا ہوا ہے، اور ساحرینِ فرعون کی طرح اُن کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اُس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے۔ اسی کے ساتھ اُن کے اخلاق کی پاکیزگی، صاف ستھری زاہدانہ اور بے طمع زندگی، ایمان ویقین کی قوت، خلقِ خدا کے ساتھ ہمدردی، اور بلا تفریق مذہب وملت انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر مخالفین بھی معتقد، اور دشمن بھی دوست ہو گئے۔ تذکرہ وتصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جوگیوں وسنیاسیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہؒ کی اشراقی قوت اور کشف وتصرفات کے جو واقعات کثرت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں، اگرچہ ان کو تاریخی سند سے اور قدیم تر معاصر مآخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے لیکن ہندوستان کے

اُس وقت کے ذوق ورجحان اور اجمیر کی دینی وروحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلافِ قیاس نہیں، دراصل جس چیز نے حضرت خواجہ کا گرویدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، وہ تنہا ان کی قلبی قوت نہ تھی بلکہ اُنکی روحانیت، اخلاص واخلاق اور اُن کا وہ طرزِ زندگی تھا جس کا ہندوستان کے اہلِ فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

خواجہ بزرگ کے اہلِ سلسلہ میں سے حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی کوششوں اور توجہات کو اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اُن کی مجالس اور خانقاہ میں ہر مذہب وملت کے آدمی اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:-

بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین از ہر جنس درویش وغیر آں برسید۔[1]	حضرت خواجہ فریدالدینؒ کی خدمت میں ہر صنف ونوع کے لوگ درویش وغیر درویش پہنچتے تھے۔

حضرت خواجہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو عالی استعداد، قلبی قوت عطا فرمائی تھی اُس کے پیشِ نظر بعید نہیں کہ اشاعتِ اسلام میں وہ بھی معین ہوئی ہو، اور نومسلموں کی بہت بڑی تعداد اُن کی روحانیت اور کشف وکرامات دیکھ کر مسلمان ہوئی ہو۔ پنجاب اور پاک پٹن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برادریاں اور خاندان اپنے اسلاف کے قبولِ اسلام کو حضرت خواجہؒ کی توجہ اور تبلیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اور اپنی نسبت اُن کی طرف کرتے ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتا ہے:-

"پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاؤالحق ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔ یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گذرے ہیں۔ بابا فرید شکر گنج" کا تذکرہ جس مصنف نے لکھا ہے اُس نے تحریر کیا ہے کہ

[1] فوائد الفواد ص

سو قوموں کو انھوں نے تعلیم و تلقین سے مشرف باسلام کیا۔ لیکن افسوس ہے اس مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل حال نہیں لکھا۔[1]

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو اہلِ ہند میں اشاعتِ اسلام سے بڑی دلچسپی تھی، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ محض تقریر اور کہنے سننے سے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدے سے ہٹنا اور نئے دین کو قبول کر لینا، بالخصوص ہندو قوم کا، جو اپنی پختگی، قدامت پرستی، اور ذات پات اور چھوت چھات کی پابندی میں خاص امتیاز رکھتی ہے، محض حُسنِ تقریر اور وعظ و نصیحت سے مسلمان کر لینا آسان نہیں، اس کے لئے اُن کے لئے موثر و طویل صحبت کی ضرورت تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا، اور اپنے ایک ہندو دوست کو اپنے ساتھ لایا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے اس غلام سے فرمایا کہ:۔ تمہارا یہ بھائی کچھ اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے؟ غلام نے عرض کیا کہ:۔ اس کو حضرت کے قدموں میں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائے۔ یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا کہ:۔ کسی کے کہنے سننے سے اس قوم کا دل نہیں پھرتا، ہاں اگر اس کو کسی نیک بندے کی صحبت میسر آ جائے تو اُمید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے۔[2]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ دہلی جیسے مرکزی مقام میں مسندِ ہدایت و ارشاد پر متمکن رہے، اور اُن کی خانقاہ کا دروازہ ہر انسان کے لئے کُھلا رہا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے دُور دراز گوشوں سے مختلف ضرورتوں اور تقریبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم آتے تھے اور اپنی قومی خوش اعتقادی کی بناء پر حضرت خواجہؒ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے، بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ میوات کا علاقہ جو حضرت خواجہؒ کے مرکز غیاث پور سے جانب جنوب متصلاً واقع ہے، اور

[1] دعوتِ اسلام، ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی صفحہ ۲۹۵ [2] فوائد الفواد صفحہ ۱۹۲

جہاں کے رہنے والوں کی رہزنی اور شورہ پشتی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شہر پناہ دہلی کے دروازے سرِ شام ہی سے بند ہو جاتے تھے، اور جن کی کئی بار غیاث الدین بلبن کو تادیب کرنی پڑی۔ حضرت خواجہؒ کے فیوض و برکات اور اُن کی تعلیم و تربیت کے اثرات سے ضرور مستفید ہوا ہوگا، اور عجب نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں میواتی انھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں۔

چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بالواسطہ اور بلا واسطہ گرد و پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات و اخوت سے جس کی فضا ان خانقاہوں میں تام تھی ضرور متاثر کیا، اور اُن قوموں کو جو کشف و کرامت اور رُوحانیت سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے، پنڈوہ کی چشتی خانقاہ اور احمد آباد اور گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہونا بالکل قرینِ قیاس ہے۔ گیارھویں صدی میں سلسلۂ چشتیہ کے مجدد حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کو اشاعتِ اسلام کا بڑا اہتمام تھا، انھوں نے اپنے خلیفہ و جانشین شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں جا بجا اس کی تاکید و ہدایت ہے، ان کے مطالعے سے ان کی اس مسئلہ میں بے چینی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

در آں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد وذاکراں کثیر[1]	اس کی کوشش کرو کہ اسلام کا دائرہ وسیع اور اسکے حلقہ بگوش کثیر ہوں۔

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

بہر حال کلمۃ الحق کوشید و از مشرق تا مغرب
ہمہ حقیقی برکنید۔[2]

[1] مکتوبات کلیمی، مکتوب نمبر ۶، صفحہ ۱۰ [2] ایضاً نمبر ۱۰، صفحہ ۱۲

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں :-

"شیخ نظام الدین صاحبؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدۂ اسلام ہو گئے بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔"

شاہ کلیم اللہ صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"و دیگر مرقوم بود بہیہ دیارام و ہندو ہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام در آمدہ اند اما بامردم قبیلہ پوشیدہ می مانند۔"

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے، مبادا بعدِ موت اُس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

"برادر من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امر جلیل از بطون بظہور انجامد کہ موت در عقب است، مبادا احکام اسلام بعد از رحلت بجا نیارند و مسلمان حقیقت را بسوزانند، دیارام اگر خطے می نویسد خطے نوشتہ خواہد شد۔"[۱]

افسوس ہے کہ کسی نے مشائخ ہندوستان اور بالخصوص سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ در روئداد مرتب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی، لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کا سبب بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و فقرائے اسلام ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان سلاسل تصوف میں سلسلۂ چشتیہ اور اُس کے مشائخ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے، اور اس کام میں اُن کا حصہ تناسب زیادہ ہے۔

خدمت و اشاعتِ علم

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور اُن کے خلفاء اور اہلِ سلسلہ کو علم کی تحصیل و تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اُس کا اندازہ حضرت خواجہ فرید الدینؒ کے

[۱] مکتوب ۲۱ ص ۴۱

مقولہ اور خود حضرت خواجہ نظام الدین کے شیخ سراج الدین عثمان اودی (اخی سراج) بانی خانقاہ پنڈوہ کے ساتھ رویہ سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اُن کو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انھوں نے علم کی تحصیل و تکمیل نہیں کر لی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد و ارشاد اور درس و تدریس اور علم کی اشاعت و ترویج دونوں اس سلسلہ کی تاریخ میں ساتھ ساتھ چلتے رہے، اور یہ رفاقت دورِ انحطاط تک قائم رہی۔ حضرت خواجہؒ کے ایک خلیفۂ اجل مولانا شمس الدین یحییٰ تھے جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا مشہور شعر ہے۔ ؎

سألتُ العلمَ من احياك حقًّا

فقال العلم شمس الدين يحيٰى

میں نے علم سے پوچھا کہ تمہیں حقیقی حیات کس نے بخشی، اُس نے مولانا شمس الدین یحییٰؒ کا نام لیا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مخصوص ارادت مندوں و مسترشدین میں قاضی عبد المقتدر کندی (م ۷۹۱ھ) اُن کے شاگرد رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) اور مولانا خواجگی دہلوی (م ۸۱۷ھ) ہندوستان کے نامور ترین علماء استاد الاساتذہ و مجددین علم میں سے ہیں۔ قاضی عبد المقتدر اور مولانا خواجگی کے شاگرد رشید شیخ شہاب الدین احمد ابن عمر دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) فخرِ ہندوستان اور نادرۂ روزگار تھے، اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین کے نام سے ہندوستان کی علمی تاریخ میں زندۂ جاوید ہیں، اُن کی شرح کافیہ (جو شرح ہندی کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہوئی) کے محشیوں میں علامہ گازرونی اور میر غیاث الدین منصور شیرازی جیسی بلند شخصیتیں ہیں، یہ وہی ہیں جنکی علالت کے موقع پر سلطان ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ بھر کر اُن پر سے تصدق کیا، اور دعا کی کہ ملک العلماء میری سلطنت کی آبرو ہیں، اگر اِن کی موت مقدر رہی ہے تو اُن کے بجائے مجھے قبول کر لیا جائے۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جمال الاولیاء چشتی کوروی (م ۱۰۴۷ھ) جن کے نامور شاگردوں میں مولانا لطف اللہ کوروی، سید محمد ترمذی کالپوی، شیخ محمد رشید جونپوری اور شیخ یٰسین بنارسی جیسے علماء کبار و شیوخ عصر تھے مولانا لطف اللہ کوروی کے شاگرد ہندوستان کے مشہور عالم مولانا احمد امیٹھوی عرف "ملا جیون" قاضی علیم اللہ کپندوی اور مولانا علی اصغر قنوجی تھے جنھوں نے تدریس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا، اور بڑے بڑے نامور عالم و مدرس اُن کے حلقۂ درس سے تیار ہو کر نکلے۔ ٹیلہ والی مسجد کا شہرۂ آفاق دارالعلوم جس کے مسند نشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی (م ۱۰۸۰ھ) تھے اسی سلسلے سے تعلیمی، روحانی نسبت رکھتا تھا۔ خود درس نظامی (جس کی جہانگیری مسلّم ہے) کے بانی ملا نظام الدین (م ۱۱۶۱ھ) اور اُن کے نامور جانشین اور اہل خاندان اس سلسلے سے نسبتِ روحانی رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی ادبی ذوق، تبحر اور علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے، جو حضرت نور قطب عالم حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مکتوبات اور پنڈوہ، گلبرگہ، مانک پور، سلون وغیرہ کی خانقاہوں کی علمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں سے عیاں ہے۔

خاتمۂ کلام

قبل اس کے کہ سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ کا یہ صفحۂ زرین ختم کیا جائے، ایک تلخ حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرور و انقلاب کے ساتھ اس سلسلہ اور اسکے بانیانِ کرام اور اساتذۂ عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا، تصوف و روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قوی سے ہوا، پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار کر لی۔ یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق و درد و محبت، زہد و ایثار، فقر و استغناء، ریاضات و مجاہدات اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا، اُس میں تدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے۔

(۱) وحدت الوجود کے عقیدہ میں غلو اس کی اشاعت کا انہماک اور اس کے باریک و دقیق مضامین کا اعلان و تذکرہ۔

(۲) محافل سماع کی کثرت، وجد و رقص کا زور۔

(۳) اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق و گرم بازاری جو شرعی حدود و قیود سے بے نیاز ہے۔

وہ اعمال و رسوم اور عقائد جن کی اصلاح کے لئے دین خالص کے یہ اولوالعزم داعی ایران و ترکستان کے دور دراز مقامات سے آئے تھے، خانقاہوں کا ایسا دستور العمل بن گئے کہ غیر مسلم آبادی کے لئے یہ ایک معمہ اور سوال بن گیا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں (جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلغینِ اسلام بحر و بر طے کر کے تشریف لائے تھے) عملاً کیا فرق ہے؟ توحید کے لفظ کا استعمال اور دعوت توحید وجودی کے معنی میں محدود ہو کر رہ گئی، سنت اور اتباع شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا، اہل ظاہر کا شعار اور حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا، شریعت و طریقت دو الگ الگ چیزیں تسلیم کئے گئے جن میں نہ صرف مغائرت تھی، بلکہ تضاد، مزامیر و آلات سماع جن کی مشائخ متقدمین نے اتنی شدت سے ممانعت کی تھی، داخل طریق بن گئے، درد و عشق کی جنس جو طریقۂ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس بازار میں ایسی نایاب بن گئی کہ طالب صادق کو حسرت سے کہتے ہوئے سنا گیا کہ۔ ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

فقر جو اس طریق کا فخر تھا، شانِ امیری اور شکوہِ خسروی سے تبدیل ہو گیا۔

اس سب سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا سانحہ یہ ہے کہ جن بندگانِ خدا کا مقصد حیات ہی خدا کے سب بندوں کا سر دنیا کے تمام آستانوں سے اٹھا کر خدائے واحد کے آستانہ پر جھکانا اور "ماسوی" میں اٹکے ہوئے اور پھنسے ہوئے دلوں کو نکال کر ایک خدا سے اٹکانا تھا، اور جن کی دعوت اور زندگی انبیاء علیہم السّلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات کی تفسیر تھی۔

ماکان لبشر ان یوتیہ اللّٰہ
الکتاب والحکم والنبوۃ ثم
یقول للناس کونوا عباداً لی
من دون اللّٰہ ولکن کونوا ربانیین

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تو اس کو
کتاب اور دین کی فہم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ
لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا کی
توحید کو چھوڑ کر لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے

بما کنتم تعلمون الکتاب	بن جاؤ بوجہ اسکے کہ تم کتاب الٰہی اوروں کو بھی سکھاتے ہو
وبما کنتم تدرسون ۝ ولا یامرکم	اور بوجہ اسکے کہ خود بھی اسکو پڑھتے ہو اور نہ وہ یہ بات
ان تتخذوا الملٰئکۃ والنبیین	بتلائے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو
اربابًا ایأمرکم بالکفر بعد اذ انتم	بھلا وہ تم کو کفر کی بات بتلائے گا بعد اسکے کہ
مسلمون ۝ (آل عمران - ع ۸)	تم مسلمان ہو۔

انقلابِ زمانہ سے خود اُن کی ذات مطلوب و مقصود اور خود اُن کا آستانہ مسجود و معبود بن گیا۔

مخدوم الملکؒ

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

رحمۃ اللہ علیہ

(۶۶۱ھ —— ۷۸۶ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

حالاتِ زندگی

ولادت سے بیعت و اجازت تک

خاندان احمد نام، شرف الدین لقب، مخدوم الملک بہاری خطاب، والد کا نام شیخ یحییٰ تھا، جو زبیر ابن عبد المطلب کی اولاد میں تھے، اس طرح آپ کا خاندان ہاشمی قریشی ہے۔ آپ کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانہ کے بڑے علماء و مشائخ میں سے تھے۔ خلیل[1] (شام) سے نقل سکونت کر کے بہار کے قصبہ منیر[2] میں قیام پذیر ہوئے۔ بعض مصنفین نے آپ کو شہاب الدین غوری کا ہم عصر بتایا ہے۔

---

[1] اب یہ شہر مملکت ہاشمیہ اردن کا ایک شہر ہے جو بیت المقدس سے تقریباً ۲۰ میل پر واقع ہے، اس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ شرفاء اور علماء کی یہ قدیم بستی ہے، اپنی آب و ہوا کی لطافت اور اپنے ساکنین کی نرم خوئی، مہمان نوازی اور حسنِ اخلاق میں مشہور رہا ہے۔

[2] اس وقت عام طور پر قصبہ منیر کے نام سے مشہور ہے، لیکن قدیم ماخذ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ (بقیہ صفحہ ۱۷۸ پر)

مولانا محمد تاج فقیہؒ کی ذات سے منیر اور اسکے مضافات میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی، کچھ عرصہ آپ نے منیر میں قیام کرکے وطن کو مراجعت فرمائی، اور زندگی کا بقیہ حصہ خلیل ہی میں بسر کیا۔ آپ کا خاندان بدستور منیر میں رہا۔

شیخ احمد شرف الدینؒ کے نانا شیخ شہاب الدین جگ جوتؒ سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں تھے، آبائی وطن کاشغر تھا، ہندوستان تشریف لائے اور موضع جیٹھلی میں قیام فرمایا جو پٹنہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مریدین میں سے تھے۔ زہد و ورع اور استقامت میں پایہ بلند رکھتے تھے، اور اسی وجہ سے جگ جوت (دنیا کی روشنی) کے لقب سے مشہور تھے، ان کی ایک صاحبزادی کے بطن سے شیخ احمد شرف الدینؒ اور دوسری صاحبزادی سے شیخ احمد چرم پوشؒ جیسے نامور مشائخ پیدا ہوئے[1]۔ آپ حسینی سادات میں سے تھے، اس طرح شیخ احمد شرف الدینؒ کا سلسلہ مادری سادات میں سے ہے۔

(ص۱۷۷ کا بقیہ حاشیہ) اس کا اصل تلفظ مُنیر تھا۔ فرہنگ ابراہیمی جس کے دوسرے نام شرف نامہ ابراہیمی اور شرف نامہ احمد منیری بھی ہیں اور جو ۸۶۲ھ اور ۸۶۶ھ کے درمیان کی تصنیف ہے کے مقدمہ میں اسکے مصنف ابراہیم قوام فاروقی نے اپنے ایک مصرع میں کتاب کا نام اس طرح منظوم کیا ہے۔ مع :- "شرف نامۂ احمد منیری" یہ مصرع جب ہی موزوں ہوتا ہے جب مُنیری پڑھا جائے۔ اس کتاب کے تذکرہ کے ذیل میں انڈیا آفس لائبریری کی فہرست میں اس کو انگریزی میں بھی اسی طرح ضبط کیا گیا ہے یعنی مُنیری (MUNYARI)۔[۳۳]

[1] سیرۃ الشرف میں ہے کہ قصبہ منیر ۵۷۶ھ میں مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوا ــــــ مصنف نے ایک قطعۂ تاریخی نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔ ؎

یافت چوں بر راجۂ منیر ظفر ÷ داد امام از دین جہانے را نوی
۵۷۶
ہست منقول از بزرگانِ سلف ÷ سال آں دین محمد شد قوی

(بقیہ ص۱۷۹ پر)

ولادت

شعبان کے آخری جمعہ ۶۶۱ھ میں قصبہ منیر میں آپ کی پیدائش ہوئی[1]۔ "شرف آگیں" تاریخ ولادت ہے۔ آپ کے تین بھائی اور تھے :- شیخ خلیل الدین، شیخ جلیل الدین اور شیخ حبیب الدین۔

تعلیم

جب آپ کی عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ اُس زمانہ میں بہت سے ممالکِ اسلامیہ میں عام طور پر دستور تھا کہ درسی کتابوں کے متون لفظ بلفظ یاد کرائے جاتے تھے، اور کچھ لغت کی مختصر کتابیں بھی، تاکہ الفاظ کا ذخیرہ بچپن سے محفوظ ہوجائے۔ شیخ نے اس طرزِ تعلیم پر اپنی بعض بعض تحریروں میں تنقید فرمائی ہے، اور قوتِ حافظہ اور وقت کے اس غلط استعمال پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ بجائے قرآن مجید کے ایسی کتابیں رٹائی جائیں جو دین کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ معدن المعانی کے باب ششم میں فرماتے ہیں :-

در ایام خوردگی چندیں کتابہا مارا یاد گردانیدند	بچپن میں اُستادوں نے بہت سی کتابیں
چنانکہ مصادر و مفتاح اللغات و جز آں در	یاد کرائیں، مثلاً مصادر، مفتاح اللغات وغیرہ
کتابہا۔ و مفتاح اللغات جزوے بیستے خواہد بود	مفتاح اللغات بیس جزو کی کتاب ہوگی بقدر
مقدار یک جلد یاد کرانیدند و ہر بار یاد تمام	ایک جلد کے یاد کرائی، ہر مرتبہ زبانی سنتے تھے،
می شنیدند بائیست بجائے آں قرآن یاد می کرانیدند[1]	اسکے بجائے قرآن مجید یاد کرانا چاہیے تھا۔

افسوس ہے کہ تذکروں میں آپکے ابتدائی اساتذہ کے نام اور ان کتابوں اور علوم کی تفصیل نہیں ہے، جن کی آپ نے

(ص۱۷۸ کا بقیہ حاشیہ) ہو اس طرح یہ ماننا پڑیگا کہ فتح منیر شہاب الدین غوری کی فتح ہندوستان (۵۸۹ھ) سے قبل کا واقعہ ہے کیا مسلمان غزنویوں کے عہد ہی میں بہار و بنگال کی حدود میں پہونچ گئے تھے، اور انھوں نے جا بجا اسلامی عملداری اور قبضہ کی بنیاد ڈالدی تھی؟ تاریخی حیثیت سے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔

[1] معدن المعانی مطبع شرف الاخبار ص۲۲۳۔

وطن میں رہ کر تحصیل کی۔ اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے منیر میں رہ کر متوسطات تک تعلیم حاصل کی، اور وقت کے بڑے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہوگئے۔

مولانا شرف الدین ابوتوامہ سے تلمذ اور سنارگاؤں کا سفر

وطن میں رہ کر علم کی تحصیل کے جو مواقع حاصل تھے، جب آپنے اُن سے فراغت حاصل کرلی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی علمی تکمیل و ترقی کیلئے ایک دوسرا انتظام فرمایا۔ دہلی کے اساتذہ میں سے مولانا شرف الدین ابوتوامہ جو شمس الدین التمش کے عہدِ دولت ہی سے علم و تدریس کے نظامِ شمسی کے ایک روشن ستارہ تھے۔ غالباً غیاث الدین بلبن کے عہد میں[1] رجوعِ عام اور بعض حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر اشارۂ سلطانی سے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور اس وقت ہندوستان کی اسلامی مملکت کے آخری سرحدی شہر سنارگاؤں[2] کا قصد فرمایا، راستہ میں بہار سے گذرتے ہوئے آپنے چند روز منیر میں قیام فرمایا، جو غالباً اس وقت دہلی سے سنارگاؤں جاتے ہوئے ایک کاروان سرائے اور آباد بستی تھی، اہلِ قصبہ کو

---

[1] اگر تسلیم کرلیا جائے کہ مولانا شرف الدین ابوتوامہ کے منیر تشریف آوری کے وقت شیخ شرف الدین احمد کم سے کم ۱۲ سال کے تھے، تو یہ ۶۷۳ھ ہوگا، اس طرح یہ زمانہ غیاث الدین بلبن کا ہے جس نے ۶۶۴ھ سے لیکر ۶۸۶ھ تک سلطنت کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابوتوامہؒ نے سلطان غیاث الدین بلبن کے اشارہ سے ہجرت اختیار کی تھی۔ ع

"رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند"

[2] سنارگاؤں مسلمانوں کے عہد میں شرقی بنگال کا دارالحکومت تھا، اب یہ ایک غیر معروف مقام ہے جو کس مپرسی میں پڑا ہوا ہے، اور پنام (PAINAM) کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے، دریا برہم پترا اُس سے ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر بہتا ہے، سنارگاؤں کے اطراف میں کثیر تعداد میں ویران مسجدوں کے نشانات پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ ایک بڑا اسلامی شہر تھا، یہ اُس شاہی سڑک کا منتہی تھا جس کو شیر شاہ نے بنایا تھا۔

علم ہوگیا کہ دہلی کا ایک جید عالم منیر آتا ہے۔ صاحبِ مناقب الاصفیاء[1] کا بیان ہے کہ شیخؒ مولانا شرف الدینؒ کے تبحرِ علمی اور صلاح و تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے، اور فرمایا کہ:۔ علومِ دین کی تعلیم ایسے ہی جامع علم و عمل شخص سے کرنی چاہئے۔ آپنے اپنے والدین سے سنارگاؤں جانے کی اجازت مانگی، اور اُن کی اجازت سے مولانا شرف الدینؒ کی ہمرکابی اختیار کی اور سنارگاؤں تشریف لے آئے۔ شیخ خود اپنی کتاب "خوانِ پُرنعمت" کی مجلس ششم میں اُستاد کے متعلق اپنے تاثرات و عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ این چنیں دانشمندے کہ در تمامہ ہندوستان مشار الیہ بود و ہیچ کس را در علم ایشاں شبیہ نبود۔[2]

مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ ایسے عالم تھے کہ تمام ہندوستان میں ان کی طرف انگلیاں اُٹھتی تھیں، اور علم میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

سنارگاؤں پہونچ کر آپ حصولِ علم میں ہمہ تن منہمک ہوگئے۔

صاحبِ مناقب الاصفیا کا بیان ہے کہ آپ کو مطالعہ اور اسباق میں اتنا انہماک تھا اور وقت کی اتنی قدر تھی کہ طلبہ اور حاضرین کے ساتھ عام دسترخوان پر حاضر ہونا اور سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا گوارا نہ تھا کہ اس میں کچھ زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ مولانا شرف الدین ابوتوامہ نے آپ کا انہماک اور طبیعت کا تقاضا دیکھ کر اس کا انتظام کردیا کہ آپ کا کھانا آپ کی خلوت گاہ میں پہونچ جایا کرے۔[3]

---

[1] مناقب الاصفیا "مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی تصنیف ہے، جو حضرت شیخ شرف الدین احمد منیریؒ کے بنی اعمام میں سے تھے۔ آپ شیخ عبدالعزیز ابن مولانا محمد تاج فقیہؒ کے پوتے ہیں ——— اس طرح یہ کتاب شیخ شرف الدینؒ کے حالات کا قدیم ترین اور خاندانی ماخذ ہے۔

[2] خوانِ پُرنعمت ص۱۵ (مطبع احمدی)۔

[3] مناقب الاصفیا ص۱۳۱ و ص۱۳۲

شیخ کا یہ زمانہ شدید انہماک اور یکسوئی میں گذرا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سنارگاؤں کے زمانۂ قیام میں وطن سے جو خطوط پہونچتے تھے اُن کو آپ کسی خریطہ میں ڈالتے جاتے تھے، اور اس خیال سے پڑھتے نہیں تھے کہ طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی، اور حصولِ مقصد میں خلل واقع ہوگا۔[1]

شیخ نے سنارگاؤں میں مولانا کی خدمت میں تمام مروجہ علوم کی تکمیل کی، علوم دینیہ اور علوم نافعہ کی تکمیل کے بعد فاضل استاد کی خواہش ہوئی کہ وہ اُن بعض علوم کی بھی تحصیل کریں، جن کے اس زمانہ کے نوجوان اور حوصلہ مند طالب ہوا کرتے تھے، مثلاً علم کیمیا وغیرہ۔ شیخ نے معذرت کی، اور عرض کیا کہ:۔ مجھے علوم دینیہ ہی کفایت کرینگے۔

ازدواج

مولانا شرف الدین ابو توامہ نے اس جوہرِ قابل کی پوری قدر دانی اور سرپرستی فرمائی اور اپنی صاحبزادی سے شیخ شرف الدین کا نکاح کر کے اُن کو اپنی دامادی میں لے لیا، سنارگاؤں ہی کے زمانۂ قیام میں شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ ذکی الدین پیدا ہوئے۔

مراجعتِ وطن

بعض سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ فراغت کے بعد جب آپنے خطوط کا خریطہ کھولا، تو جو پہلا خط ہاتھ میں آیا، اُس میں آپکے والد ماجد شیخ یحییٰؒ کی وفات کی اطلاع تھی، اس اطلاع سے ماں کا خیال آیا، اور محبتِ فرزندی نے جوش کیا، اور آپنے اپنے اُستاد سے وطن کو واپسی کی اجازت طلب کی، اور صاحبزادہ شیخ ذکی الدین کے ساتھ منیر تشریف لائے۔[2]

شیخ یحییٰ منیریؒ کا انتقال باتفاق مورخین ۱۱ شعبان سنہ ۶۹۰ھ میں ہوا، اسلئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ کی واپسی سنہ ۶۹۰ھ کے کسی مہینہ میں ہوئی، اس سے زیادہ کی تاخیر کی گنجائش اسلئے نہیں ہے، کہ شیخ نجیب الدین فردوسی نے (جن کے ہاتھ پر آپنے دہلی جاکر بیعت کی) سنہ ۶۹۱ھ میں انتقال فرمایا،

[1] سیرۃ الشرف ص۴۶، نزہۃ الخواطر، جلد ۲ ص۹

[2] سیرۃ الشرف ص۵۲

اسلئے منیر واپسی اور دہلی پہونچنا یہ سب زیادہ سے زیادہ سنہ ۶۹۰ھ کے آخر یا سنہ ۶۹۱ھ کے اوائل میں تسلیم کرنا پڑے گا، اس زمانہ میں سفر کی صعوبت اور سنارگاؤں سے دہلی تک کی مسافت کو دیکھ کر اس بیان کے تسلیم کرنے میں ذرا دشواری محسوس ہوتی ہے، اور یہ واقعہ بھی غرابت سے خالی نہیں کہ آپنے سنہ ۶۹۰ھ تک خطوط ملاحظہ نہ فرمائے ہوں، اور والد کے انتقال کے بعد ہی خریطہ کھولنے کی نوبت آئی ہو، اور اتفاق سے پہلا خط اُن کے انتقال کی اطلاع ہی کا ہاتھ لگا ہو، لیکن خواہ مراجعتِ وطن کا محرک محض ایک خط کے اتفاقی مطالعہ کو نہ قرار دیا جائے، لیکن اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی سنہ ۶۹۰ھ سے پہلے منیر واپسی نہیں ہوئی، کیونکہ اس واپسی کے موقع پر کسی تذکرہ نگار نے بھی والد سے ملاقات کا ذکر نہیں کیا۔ "مناقب الاصفیا" (جو ایک خاندانی ماخذ ہے) میں ہے:۔

ازاں جا قصد منیر کرد بخدمتِ مادر آمد	وہاں سے منیر کا قصد کیا، ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پسر را تسلیم مادر کرد	بچے کو اُن کی دادی کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کو
وگفت ایں را بجائے من دانید و	میری جگہ پر سمجھئے، اور مجھے اجازت دیجئے کہ جہاں
مرا بگذارید ہر جا کہ خواہم بروم پندارید کہ	چاہوں جاؤں، یہ سمجھ لیجئے گا کہ شرف الدین مر گیا،
شرف الدین مرد، بعدہ طرفِ دہلی رفت	اسکے بعد دہلی تشریف لے گئے اور مشائخ دہلی
ومشائخ دہلی را دریافت۔[1]	کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بہرحال آپ کی بلند ہمتی، صدق طلب، اور عشقِ الٰہی کی دبی ہوئی چنگاری نے اس کی اجازت نہ دی کہ آپ ظاہری علم کی تکمیل پر قناعت کر کے منیر میں قیام کرلیں، اور علماء ظاہر کی طرح محض درس و تدریس میں مشغول ہو جائیں، آپنے کمسن صاحبزادے ذکی الدین کو اپنی والدہ صاحبہ کے حوالہ کیا، اور عرض کیا کہ اس کو میری یادگار اور

[1] مناقب الاصفیا ص۱۳۲ مطبع نور الآفاق کلکتہ

خاندان کا چشم و چراغ جان کر اپنے پاس رکھئے اور دل بہلائیے، اور مجھے دہلی جانے کی اجازت دیجئے کہ مقصودِ حقیقی حاصل کروں۔

سفرِ دہلی و انتخابِ شیخ

بہرحال ۶۹۰ھ کے آخر یا ۶۹۱ھ کے آغاز میں آپ نے دہلی کو کوچ کیا، بڑے بھائی شیخ جلیل الدین ہمراہ تھے، اندازہ ہوتا ہے کہ متبحر استاد کے فیضِ تعلیم اور اپنی جودتِ طبع سے آپ میں معاصر علماء و مشائخ کو ناقدانہ اور محققانہ نظر سے دیکھنے کی عادت اور علوم ظاہری کے معیار پر جانچنے کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ دہلی پہونچ کر آپ نے مشائخ وقت کے یہاں حاضری دی اور اُن کو اس نظر سے دیکھا کہ کس کو اپنا خضرِ طریق بنایا جائے، لیکن جیسا کہ سوانح نگاروں کا بیان ہے: بزرگانِ دہلی میں سے کوئی آپ کی نظر میں نہیں جچا، مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق آپ نے سب کے ہاں حاضری دینے کے بعد فرمایا: "اگر شیخی اینست ما ہم شیخیم" (اگر یہی پیری مریدی ہے تو ہم بھی شیخ ہیں)[۱] صرف حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ متاثر ہوئے، حضرت کی اور آپ کی کچھ علمی گفتگو بھی ہوئی، آپ نے سوالات کے معقول جواب دیئے۔ حضرت خواجہ نے اعزاز و اکرام فرمایا، اور پانوں کی ایک تھال عنایت فرمائی، اور فرمایا:۔

سیمرغیست نصیب دام ما نیست۔۔	ایک شاہین بلند پرواز ہے لیکن ہمارے جال کی
۔۔۔۔۔۔۔۔۔	قسمت میں نہیں ہے۔[۲]

دہلی سے پانی پت آئے، اور شیخ بو علی (شرف الدین) قلندر پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں بھی اپنا مقصد نہیں پایا، فرمایا:۔

شیخ است اما مغلوب حال است بر تربیت	شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال، دوسرے کی تربیت

[۱] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۲ [۲] ایضاً ص ۱۳۲

دیگرے نمی پردازد[۱]	نہیں کر سکتے۔

شیخ نجیب الدین فردوسیؒ

دہلی اور پانی پت سے مایوس واپس آنے پر بڑے بھائی شیخ جلیل الدین نے خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کا تذکرہ کیا اور اُن کا طریق اور مناقب بیان کئے، شیخ نے کہا کہ:۔ جو دہلی کا قطب تھا (خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) اُس نے ہم کو پتے دیکر واپس کر دیا، اب دوسرے کے پاس جا کر کیا کرینگے؟۔ بھائی نے کہا کہ:۔ ملاقات کر لینے میں کیا حرج ہے۔ بھائی نے جب زیادہ اصرار کیا تو اُن کی ملاقات کا ارادہ کر لیا اور دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی اس شان سے پہونچے، کہ مُنھ میں پان دبا ہوا تھا، کچھ پان رومال میں بندھے ہوئے تھے۔ جب خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے دولت خانہ کے قریب پہونچے تو ایک دہشت سی طاری ہوئی، اور بدن پسینہ پسینہ ہو گیا۔ تعجب ہوا، اور کہا کہ میں اس سے پہلے دوسرے مشائخ کے ہاں حاضر ہوا، لیکن یہ کیفیت کہیں نہیں ملی جب حضرت شیخ کے ہاں پہونچے اور شیخ کی اُن پر نظر پڑی تو فرمایا کہ:۔ مُنھ میں پان اور رومال میں بھی پان کے پتے، اور دعویٰ یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں؟۔ یہ سُنتے ہی آپ نے پان کو مُنھ سے نکال دیا، اور ایک رعب کی حالت میں مؤدب بیٹھ گئے۔ کچھ وقت گذر جانے کے بعد بیعت کی درخواست کی، خواجہ نے قبول فرمایا، اور داخلِ سلسلہ کر لیا،[۲] اور اجازت دے کر رخصت فرمایا۔

[۱] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۲ [۲] ایضاً ص ۱۳۲

باب ٢ دوم

ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ

اور اسکے مشائخ کبار

خواجہ نجم الدین کبریٰ

شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی صاحب عوارف المعارف وامام طریقہ سہروردیہ کے عم معظم اور شیخ طریقت خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۳ھ) کے خلفاء کبار میں سے ایک بزرگ ابو الجناب احمد ابن عمر مشہور بخواجہ نجم الدین کبریٰ[1] رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خوارزم وطن تھا، تصوف وطریق میں آپ مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی روحانی رشتہ سے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر اور اپنے مرشد کا جانشین وقائم مقام جان کر آپ کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے۔ عوارف المعارف (جو اپنے

[1] آپ کا لقب کبریٰ اس بناء پر ہو کہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بحث ومناظرہ میں مد مقابل کو شکست دیتے تھے آپکا لقب الطامۃ الکبریٰ (بڑی آفت) پڑ گیا۔ کثرت استعمال سے الطامۃ محذوف ہوگیا، اور الکبریٰ رہ گیا۔
(خزینۃ الاصفیاء ص ۲۵۹)

مصنف کے زمانہ کے بعد سے لیکر اس وقت تک طالبین طریقت کا دستور العمل اور حرز جان ہے) جب تصنیف فرمائی تو شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں پیش کی۔ آپنے ملاحظہ فرمایا اور قبول عام اور بقائے دوام کی دعا فرمائی۔

حضرت شیخ نجم الدینؒ پر توحید وفنا اور عشق ومحبت الٰہی کی کیفیت کا غلبہ تھا۔ معارف وحقائق کے بیان میں پایۂ بلند رکھتے تھے۔ مناقب الاصفیاء میں ہے:۔

سخن در توحید ومعرفت ودر قواعد	توحید ومعرفت اور طریقت وحقیقت کے اصول
طریقت وحقیقت بیان بدیع گفتے تصنیفات	وقواعد کے بارے میں بڑی بلند باتیں، اور
او بہ عربی وفارسی و نظم ونثر بسیار است	لطیف نکتے ارشاد فرماتے۔ عربی، فارسی اور
از جملہ تصنیفات او تبصرہ ورسالہ در بیان	نظم ونثر میں انکی تصنیفات بہت ہیں انہیں
طریق سلوک دریں زمین ہند	تصنیفات میں ایک کتاب تبصرہ اور ایک رسالہ
مشہور است[1]۔	طریق سلوک کے بیان میں ہندوستان میں مشہور ہے۔

صاحب مناقب الاصفیاء نے آپ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں جن میں عشق وسرشاری کی عجیب کیفیت اور سوز وگداز اور محویت واستغراق کا عجب عالم نظر آتا ہے، یہاں صرف چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

ایک غزل میں فرماتے ہیں:۔ ؎

در چنیں حیرت کہ من دارم چہ گویم وصف خویش

آتشم خاکم نسیم آب دریا چیستم؟

عاقلم دیوانہ ام اندر فراقم یا وصال

نیستم ہستم نہ بر جایم نہ بے جا چیستم؟

[1] مناقب الاصفیاء ص ۹۵

دریکے شبنم ہزاراں کوہ وصحرا ایں عجیب

شبنم یا ساحلم یا کوہ و دریا چیستم؟

بے نشانی شد نشان وبے زبانی شد زباں

بے نشان وبے زباں گویاں وبینا چیستم؟

دوستانم نجم خوارزمی ہمیں خوانند ومن

والہ ومدہوش وحیراں ناچیم یا چیستم؟

دوسری غزل میں فرماتے ہیں۔ ؎

نہ از علوی خبردارم۔ نہ از سفلی اثر دارم ٭ وطن جائے دگر دارم کہ ایں جانیست آنجانہ

نہ در کنج مناجاتم نہ در کوئے خراباتم ٭ خلافِ عقل طاماتم کشیدہ رطل مستانہ

بیار آں جام جاں افزا برا زخاطرم سودا ٭ بروں شو از من واز ما درآ اے یار فرزانہ

چوں آتش گرچہ چالاکم نہ از بادم نہ از خاکم ٭ چوں آب از این وآں پاکم بگفتم سترِ مستانہ

الا اے نجم گر خواہی مسلم ماہ تا ماہی

بسوئے حضرتِ شاہی قدم بردار مردانہ

۱۰ جمادی الاول ۶۱۸ھ کو خوارزم میں تاتاریوں سے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ خلفاء میں شیخ مجد الدین بغدادی (مصنف مرصاد العباد کے شیخ) شیخ سعد الدین حمویا، بابا کمال جندی، شیخ رضی الدین علی لالہ، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ نجم الدین رازی، شیخ جمال الدین گیلی اور مولانا بہاء الدین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مناقب الاصفیاء میں ہے کہ خواجہ فریدالدین عطار کو بھی آپ سے ارادت تھی۔[۱]

[۱] مناقب الاصفیاء ص ۹۹

ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد

آپ کا طریقہ طریقۂ کبرویہ کہلاتا ہے، یہ تین طریقوں سے ہندستان پہونچا۔ ایک امیر سید علی ابن الشہاب ہمدانی کشمیری (متوفی ۷۸۶ھ) کے ذریعہ جو شیخ شرف الدین محمود ابن عبداللہ المزدقانی کے خلیفہ تھے اُن کو شیخ علاء الدین سمنانی سے اجازت تھی، اور وہ تین واسطوں سے خواجہ نجم الدین کبریٰؒ سے اجازت رکھتے ہیں۔ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۷۸۱ھ یا ۷۸۳ھ میں کشمیر تشریف لائے اور اُن کی تبلیغ ومساعی جمیلہ سے کشمیر کی بیشتر آبادی مسلمان ہوئی، یہ سلسلہ کبرویہ ہمدانیہ کشمیر میں گیارھویں صدی تک سرسبز رہا، اس سلسلہ کے ایک بڑے شیخ مولانا یعقوب صرفی کشمیری (متوفی ۱۰۰۳ھ) تھے، جو اپنے زمانہ میں حدیث وتفسیر کے ایک بڑے عالم علامہ ابن حجر ہیتمی مکی کے تلامذہ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں، یہ سلسلہ کشمیر میں ابھی تک زندہ اور موجود رہا ہے۔

طریقۂ کبرویہ کے ہندوستان پہونچنے کا دوسرا ذریعہ امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد مدنی (متوفی ۶۷۷ھ) تھے، جو خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کے خلفاء میں تھے، آپ سلطان قطب الدین ایبک یا سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہندوستان آئے، اور عرصہ تک دہلی میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہے، پھر کڑا (مانک پور) فتح کرکے وہیں قیام پذیر ہوگئے[۱]۔ آپ کے بیک واسطہ خلیفہ شیخ علاء الدین جیوری (متوفی ۷۳۴ھ) تھے۔ ان کے سلسلہ میں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ سلسلۂ جنیدیہ کے نام سے دکن کے بعض مقامات میں اب بھی موجود ہے۔

[۱] آپ کی نسل میں ہندوستان میں بڑے بڑے علماء ومشائخ ومجاہد پیدا ہوئے، جن میں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی رائے بریلوی خلیفہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہید، حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادیؒ مشہور ہیں۔ مولانا سید عبدالحئی مصنف "نزہۃ الخواطر" کا اسی خاندان سے تعلق ہے۔

سلسلۂ فردوسیہ ہندوستان میں

اسی سلسلہ کی ایک شاخ فردوسی کہلائی۔ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کے ایک جلیل القدر خلیفہ خواجہ سیف الدین باخرزیؒ تھے، اُن کے خلیفہ خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ مشائخ فردوسیہ میں سب سے پہلے ہندوستان آئے[1]، اور یہاں قیام اختیار فرمایا، اور طریقۂ فردوسیہ کی بنیاد رکھی۔

خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ

خواجہ بدرالدینؒ کے طریقہ کی خصوصیت فنا اور اضمحلال ترک ارادہ و اختیار و اخفاء خوارق وکرامات ہے۔ اس وقت سلسلۂ چشتیہ کو ہندوستان میں قبولِ عام حاصل ہو رہا تھا، اور اُس طریقے کی بنیاد پڑ رہی تھی جس کی قسمت میں ہندوستان کا صاحب ولایت بننا تھا۔ حضرت

[1] اس وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو خلافت دیتے وقت حضرت خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیبؒ نے فرمایا تھا کہ "شما مشائخ فردوس ہستید" لیکن حضرت شیخ رکن الدین فردوسی سے پہلے فردوسی کی نسبت نظر نہیں آتی، عام طور پر اس سلسلہ کے مشائخ اور ان کا سلسلہ کبرویہ کہلاتا ہے، اس لقب کی شہرت دراصل حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے زمانے سے ہوئی، اُس وقت سے اس سلسلہ کے مشائخ فردوسی کہلائے۔ صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

خواجہ رکن الدین در ہند چناں برآمد کہ بعرب وعجم رسید شجرہ معظم پیران اسکہ بنام آوردند پیران فردوس گفتند وپیوستگان ایں شجرہ در ہند بنام اومی خوانند فردوسی می گویند کہ الالقاب تنزل من السماء ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

(مناقب الاصفیاء، ص ۱۲۵)

خواجہ رکن الدینؒ ہندوستان میں اس شان سے آئے کہ عرب وعجم میں اُنکا فیض پہنچا، اپنے پیرانِ طریقت کے شجرہ کا سکہ جاری کیا اور وہ مشائخ فردوسی کے نام سے مشہور ہوئے اس شجرہ کے وابستگان ہندوستان میں اپنے سلسلہ کو اسی نام سے پکارتے ہیں اور فردوسی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پُرانا مقولہ ہے کہ نام آسمان سے اُترتے ہیں یہ اللہ کا فضل خاص ہے جس کو چاہے دے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا۔ خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ کو ایسے ہی زمانہ اور ایسے ہی ماحول میں ایک ایسے طریقے کی بنیاد رکھنے کا کام کرنا پڑا جس کے اندر عام کشش و رجوع عام کا سامان کم تھا، اور جس کے مشائخ اخفاءِ حال کو اظہارِ حال پر ذوقاً ترجیح دیتے تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء وجہ خود فردوسی میں لکھتے ہیں:-

طریقہ شطار و محبانِ حق داشت بزبانِ حال ہمیشہ گفتے طلب علوم دین لازم گیرید بداں عمل کنید و عمل را خالص برائے خدا گردانید کہ علم بے عمل سود نہ دارد و عمل بے اخلاص ثمرہ ندارد و طالب کرامت مباشید، استقامت در عبادت کرم بجوئید کہ الاستقامۃ کل الکرامۃ تا مکاشف بیقین شوید و بنیاد بنائے قواعد طریقت در ہند ازو و از متابعان او شد پیش ازاں عوام و خواص الا من شاء اللہ شیخی مرا بنا بر اظہار خوارق عادت وکرامت کردہ بودند معلوم است در عہد خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ در ہند بسیار محققان اہل طریقت بودند چنانچہ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا و شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری شیخ الاسلام دہلیؒ

ان کا طریقہ شطاریہ عشقیہ تھا، ہمیشہ زبانِ حال سے فرماتے رہے، طلب علوم دینیہ کو لازم سمجھو اور ان پر عمل کرو، اور عمل کو خالصۃً لوجہ اللہ رکھو کہ علم بے عمل غیر مفید اور عمل بے اخلاص بے ثمر ہے اور کرامت کے طالب نہ رہو، بندگی میں استقامت اصل کرامت ہے تاکہ تم صاحب مکاشفات یقینی ہو جاؤ۔ ہندوستان میں طریقۂ فردوسیہ کے اصول و قواعد کی بنیاد خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ اور اُنکے پیرؤوں کے ہاتھوں سے پڑی، اس سے پہلے عوام و خواص الا من شاء اللہ اظہارِ خوارق وکرامت کی بنیاد پر پیری مریدی کرتے تھے، معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیارؒ کے زمانہ میں ہندوستان میں بہت سے محققین اہلِ طریقت تھے جیسے شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ الاسلام شیخ

وشیخ الاسلام خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ صاحب ایں ذکر و شیخ الاسلام شیخ معین الدین سجزی پیر خواجہ قطب الدین مذکور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اما رجوع خلق عام و خواص الا من شاء چنانچہ بر خواجہ قطب الدین بختیار بود برہیچ کے ازیں بزرگوار نبود و ایں از آں سبب بود کہ خوارق عادت و کرامت از خواجہ قطب الدین بسیار بود۔

نجم الدین صغریٰ (جو دہلی کے شیخ الاسلام تھے) شیخ الاسلام خواجہ بدرالدین سمرقندی شیخ الاسلام شیخ معین الدین سجزیؒ جو خواجہ قطب الدین بختیار کے پیر تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان سب بزرگوں پر ہوں لیکن عوام و خواص کا جو رجوع عام خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی طرف تھا وہ ان بزرگوں میں سے کسی بزرگ کی طرف نہیں تھا اس کا سبب یہی تھا کہ خوارق عادات اور کرامات کا صدور حضرت خواجہ قطب الدین سے بہت ہوتا تھا۔

صاحب مناقب الاصفیاء مزید ان کا مذاق و مزاج اور ان کے طریق کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے لکھے ہیں :—

خواجہ بدرالدین سمرقندی از روش مشائخ ہند ممتاز بود۔ مشائخ ہند اکثر ارباب معاملہ بودند و بعضے اصحاب ریاضت و مجاہدات بودند و خواجہ بدرالدین سمرقندی طریق شطار مجبان حق داشت ... ... بنا طریق شطار بر موت ارادیست، سالکان ایں راہ مخاطب بقول موتوا قبل

خواجہ بدرالدین سمرقندی کی روش دوسرے مشائخ ہندوستان کی روش سے الگ تھی، مشائخ ہندوستان اکثر ارباب معاملہ تھے، اور بعضے صاحب ریاضت و مجاہدات تھے خواجہ بدرالدین سمرقندی کا طریقہ طریقۂ شطاریہ عشقیہ تھا ... ... اس طریقہ کا دارومدار اختیاری فنا پر، اور اس طریق کے سالکین کا عمل موتوا قبل

ان تموتوا اند، سائران الی اللہ و طائران الی اللہ اند اول قدم بر جان نہند خواناں در نظر نیاز جان در بازند و شیر مردے باید کہ دریں راہ قدم نہد و خود را بعدم در دہد۔[1]

ان تموتوا پر ہے۔ یہ راہ خداوندی کے رہ نورد اور فضائے روحانیت کے شہباز اور طائران تیز پرواز ہیں پہلے ہی قدم پر علائق سے گزر جاتے ہیں اور جان پر کھیل جاتے ہیں۔ بڑا شیر مرد چاہئے جو اس راہ میں قدم رکھے اور اپنے کو فانی بنا دے

خواجہ بدرالدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سماع اور صاحب وجد و حال تھے۔ آپ نے غالباً ساتویں صدی کے آخر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے عہد میں وفات پائی۔ سنہ وفات کسی تذکرہ میں نہیں مل سکا۔[2]

خواجہ رکن الدین فردوسیؒ

خواجہ بدرالدین سمرقندی کے خلیفۂ خاص خواجہ رکن الدین فردوسی تھے صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق انھوں نے بچپن اپنے شیخ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، انھیں سے علم ظاہر اور طریقت کی تعلیم حاصل کی اور ان سے خلافت حاصل کر کے اُن کے جانشین ہوئے انھیں کے زمانہ سے یہ سلسلہ فردوسیہ کہلایا۔ صاحب گل فردوس لکھتے ہیں :— ؎

گشت از فضل خداوند جواد فردوسی
گشتم از یمن طفیلش من دلو فردوسی

شیخ رکن الدین فردوسی بھی صاحب وجد و حال تھے اُن کا بھی انتقال ساتویں صدی کے آخر میں حضرت

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۲

[2] خزینۃ الاصفیاء میں سنہ وفات ۷۱۶ھ دیا گیا ہے۔ مصنف تذکرۃ الکرام کی تحقیق کے مطابق یہ لائق اعتماد نہیں انکی وفات اس سے پیشتر ساتویں صدی ہی میں ہو گئی تھی۔ (تذکرۃ الکرام ۱۶۰)

خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے عہد میں ہوا۔[1]

خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ

خواجہ نجیب الدین فردوسی شیخ عمادالدین دہلوی کے صاحبزادے اور خواجہ رکن الدین فردوسی کے برادرزادہ اور خلیفہ ہیں زندگی بھر اپنے شیخ اور عم نامدار کی خدمت میں رہے، پھر ان کی وفات کے بعد ان کے سجادہ کو آباد رکھا اور سلسلۂ فردوسیہ کی اشاعت اور استحکام اور توحید و عشق الٰہی کی تبلیغ و اشاعتِ عام کے لئے ایک ایسے محقق مجتہد الفن امام اور بانی طریقہ کی تربیت کی جس نے نہ صرف ان کے پیران عظام کے نام کو زندہ اور تابندہ رکھا بلکہ نصف صدی سے زائد تک مشرقی ہندوستان کو اپنے روحانی فیض اور حرارتِ عشق سے گرم و معمور رکھا، اور اپنی تحقیقات عالیہ، مقامات علیہ اور علوم نادرہ کی بناء پر عین القضاۃ ہمدانیؒ، خواجہ فرید الدین عطارؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کی یاد تازہ کر دی۔ صاحب مناقب الاصفیاء ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

اختیار گم نامی داشت از شہرت و اسباب شہرت بری بود، اولیائی تحت قبائی در شان او مسلم بود ... ... مریدان اہل معنی داشت، مولانا عالم اندپتی[1] جامع فتاوی تتار خانی یکے از مریدان وے بود نظمہائے بامعنی از مناقب خواجہ نجیب الدین فردوسی ہمہ مستور بود رحمۃ اللہ علیہ[2]

گمنامی کو اپنے لئے پسند فرمایا تھا، شہرت اور اسباب شہرت سے بری تھے، اولیائی تحت قبائی (اولیاء اللہ خلق کی نگاہ سے ایسے مستور ہوتے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کو انکی خبر نہیں ہوتی) اُن کی شان تھی، اُن کے مریدین میں بڑے بڑے عارف اور محقق تھے، مولانا عالم اندپتی فتاوی تاتارخانی کے مؤلف اُنکے مرید تھے، بڑی عارفانہ نظمیں اُنکے قلم سے نکلی ہیں خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے تمام کمالات پردۂ خفا میں تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء کی تاریخ [illegible] صحیح نہیں ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے خلیفہ شیخ نجیب الدین فردوسی کا سنہ وفات بالاتفاق [illegible] ہے، اور یہ بات خلافِ قیاس ہے کہ وہ اپنے خلیفہ و جانشین کے بعد ۳۳ سال تک زندہ رہے ہوں اور حضرت شیخ شرف الدین احمد نے ان کو چھوڑ کر ان کے خلیفہ سے بیعت کی ہو اسلئے صاحب نزہۃ الخواطر کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ساتویں صدی کے اخیر میں ہوا۔

[1] اس سے مراد مولانا فرید الدین عالم ابن العلاء حنفی اندرپتی ہیں، فتاوی تاتارخانیہ [illegible] میں تصنیف کر کے اپنے دوست امیر کبیر تاتار خاں کے نام سے موسوم کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی کہ اس کے نام سے موسوم ہو، مگر اس کو قبول نہیں کیا۔ وفات غالباً [illegible] میں ہوئی، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر (جلد ثانی)۔

[2] مناقب الاصفیا ص ۱۲۶

باب سوم

مجاہدہ و خلوت، قیام و سکونت

اور

ارشاد و تربیت

دہلی سے واپسی

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ: خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ نے بیعت کرنے کے بعد تحریری اجازت نامہ بھی حوالہ کیا۔ شیخ شرف الدین نے عرض کیا کہ: مجھے تو ابھی خدمت والا میں کچھ روز رہنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا، اور میں نے سلوک کی تعلیم بھی ابھی جناب سے حاصل نہیں کی، میں اس اہم ذمہ داری اور نازک کام سے کیسے عہدہ برآ ہو سکوں گا؟ خواجہ نجیب الدینؒ نے اُن کو اطمینان دلایا کہ یہ معاملہ اشارۂ غیبی سے ہوا ہے اور ان کی تربیت نبوت کی طرف سے ہو گی۔ اسکے بعد اُن کو رخصت فرمایا اور کہا کہ:

جب راستہ میں کوئی خبر سننے میں آئے تو واپس نہ ہوں [۱]

چنانچہ ایک ہی دو منزل طے کی تھی کہ حضرت خواجہ صاحب کی وفات کی اطلاع ملی، آپ نے حسب وصیت

سفر جاری رکھا، اور منیر کی طرف روانہ ہوئے [۲]

شورشِ عشق

آپ خواجہ نجیب الدینؒ سے رخصت ہوئے تو دل پر ایک چوٹ سی تھی، عشق الٰہی کی حرارت رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ فرماتے ہیں:-

چون جوں کو اجہ نجیب الدین فردوسیؒ پیوستم
حزنے در دل رو نہادہ شد کہ ہر روز آں
حزن زیادہ می شد [۲]

میں جب خواجہ نجیب الدین فردوسی سے ملا
ایک حزن اور درد میرے دل میں بیٹھ گیا جو
دن بدن بڑھتا ہی جاتا رہا۔

جب آپ بہیا [۳] پہونچے اور ہود کی جنگھار سُنی تو دل میں ایک ہوک اٹھی اور صبر و ضبط کا یارا نہ رہا، گریباں چاک جنگل کی راہ لی اور روپوش ہو گئے، بھائیوں اور سفر کے ساتھیوں نے بہت تلاش کیا کچھ سُراغ نہ ملا آخر اجازت نامہ اور خواجہ نجیب الدینؒ کے تبرکات لے کر واپس آ گئے، اور یہ سب چیزیں والدہ صاحبہ کے حوالہ کیں [۴]

راجگیر کے جنگل میں

منقول ہے کہ آپ بارہ برس تک بہیا کے جنگل میں رہے کسی کو خبر نہ ہوئی، اسکے بعد آپ کو راجگیر [۵] کے جنگل میں بھی دیکھا گیا لیکن کسی کو ملاقات کی

---

۱ مناقب الاصفیاء صفحہ ۱۳۲ و صفحہ ۱۳۳
۲ 〃 〃 صفحہ ۱۳۳
۳ بہیا منیر سے تقریباً تیس میل مغرب ضلع شاہ آباد (آرہ) میں ہے۔ اس وقت ای۔ آئی۔ ریلوے کا اسٹیشن ہے
۴ مناقب الاصفیاء صفحہ ۱۳۳
۵ ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں لکھا ہے: راجگیر کے پہاڑ دو قطار متوازی خط کی صورت میں جنوبی مغربی سمت کو چلے گئے ہیں جن کے درمیان ایک تنگ وادی ہے جس کو جگہ جگہ نالے اور درے قطع کرتے ہیں، یہ پہاڑ جو کسی جگہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہیں عظیم الشان چٹانوں سے مرکب اور گھنی گھنی جھاڑیوں سے مزین ہیں اور ایک خاص قدیمی (بقیہ ۱۹۸ پر)

نوبت نہ آئی، یہ پہاڑ اور جنگل ہر فرقہ اور وقت کے مرتاض لوگوں کا گوشۂ عزلت رہا ہے، گوتم بدھ نے بھی برسوں یہاں بیٹھ کر دھیان جمایا، جس وقت مخدوم صاحبؒ یہاں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے اُس وقت یہاں ہندو جوگی بھی جابجا خلوت نشین تھے۔ کتابوں میں ان ہندو جوگیوں کے ساتھ آپ کے متعدد مکالمے منقول ہیں۔ دامن کوہ میں ایک گرم جھرنے سے متصل آپ کا حجرہ اب بھی موجود ہے، اور "مخدوم کنڈ" کے نام سے بھی ایک جھرنا مشہور ہے۔

یہ بارہ برس کا عرصہ ریاضات و مجاہدات، خلوت و مراقبہ، تحیر و سرگشتگی اور بے خودی اور سرمستی میں گذرا، جنگل کی پتیاں غذا کا کام دیتی تھیں، اس زمانہ کی ریاضتوں کے متعلق ذکر کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ اپنے مرید قاضی زاہد سے فرمایا کہ: "میں نے جو ریاضتیں کی ہیں، اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا، لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا" آپ کے بیان کئے ہوئے ایک واقعہ اور انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ریاضتوں اور محنت شاقہ پر زیادہ مطمئن نہیں تھے۔ غسل کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس میں آپ نے عزیمت کے خلاف سمجھتے ہوئے شریعت کی دی ہوئی رخصت پر عمل نہیں کیا تھا، سخت سردی میں ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ فرمایا کہ:- (اس بلا ضرورت مشقت) کا نتیجہ یہ ملا کہ اس دن فجر کی نماز

(ص۱۹۷ کا بقیہ حاشیہ) دیسی لکھتے ہیں کہ ان پر اکثر مذہب بودھ کے آثار قدیمہ ملتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جنرل کننگھم لکھتے ہیں کہ: چینی سیاح ہیوین سیانگ (HIVEN TSIANG) نے جو کپوٹیکا (KAPOTICA) پہاڑی کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے، گرم جھرنے یہاں بہت ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ڈاکٹر بکینن ہملٹن (BUCHANEN HEMILTON) لکھتے ہیں کہ:- یہ راجگیر وہی راج گریہ ہے جو بودھ گوتما کا مسکن تھا اور قدیمی مگدھ کا پایۂ تخت تھا، یہ نیا راجگیر دو ثلث مربع میل پر پرانے شہر سے واقع ہے۔

(سیرۃ الشرف باختصار ص۶۵ و ص۶۶)

قضا ہو گئی۔[1]

بہار کی سکونت اور خانقاہ کی تعمیر

اسی زمانہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک خلیفہ اور انہی کے ہمنام مولانا نظام الدین بہار میں رہتے تھے، جو مولانا نظام مولی کے نام سے مشہور تھے، اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ راجگیر کے جنگل میں گئے اور مخدوم صاحبؒ سے اُن کی ملاقات ہوئی، تو اُن کو بھی ملاقات کا شوق ہوا، انھوں نے اور ان کے بعض بعض معتقدین نے جا کر ملاقات کی، وہ وقتاً فوقتاً جنگل میں جا کر مخدوم صاحبؒ سے ملتے۔ مخدوم صاحبؒ نے ان کی طلب صادق اور اخلاص دیکھا تو فرمایا کہ:- "یہ جنگل خطرناک ہے، مجھے تمہارے آنے سے فکر پیدا ہوتی ہے، تم لوگ شہر ہی میں رہو، میں جمعہ کے دن شہر آجایا کروں گا اور جامع مسجد میں ملاقات ہو جایا کرے گی۔" لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ مخدوم صاحب جمعہ کے دن تشریف لاتے اور ایک گھڑی مولانا نظام الدین اور اُن کے دوسرے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر جنگل کو واپس چلے جاتے تھے، ایک مدت اس طرح گزر گئی تو اُن معتقدین نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی ایسی جگہ بنائی چاہئے جہاں آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر کچھ دیر استراحت فرمایا کریں۔ چنانچہ بیرون شہر جہاں آج آپ کی خانقاہ واقع ہے، انھوں نے ایک چھپر ڈال دیا، جب آپ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوتے، اس جگہ دوستوں کے ساتھ نشست فرماتے، اور کبھی ایک دو روز ٹھہر بھی جاتے۔ اسکے بعد مولانا نظام الدین نے مجد الملک صوبہ دار بہار سے اجازت لیکر اپنے مال مزکّی میں سے ایک پختہ عمارت بنوا دی، جب وہ عمارت تیار ہوئی تو وہاں آپ نے ایک دعوت کی جس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے متوسلین شریک ہوئے، اور انھوں نے مخدوم صاحبؒ سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی، آپ نے سجادہ کو زینت بخشی، اور مولانا نظام الدین اور حضرت خواجہؒ کے مریدین کی طرف

[1] سیرۃ الشرف ص۶۲

مخاطب کرکے فرمایا کہ :۔

دوستو! تمہاری نشست و برخاست نے مجھے اس بُت خانہ میں بٹھایا۔[1]

یہ واقعہ سنہ ۷۲۱ھ اور سنہ ۷۲۴ھ کے درمیان پیش آیا۔[2] یہ سلطان غیاث الدین تغلق کا عہدِ حکومت ہے۔

سنہ ۷۲۵ھ میں سلطان محمد تغلق اپنے والد کا جانشین اور سریر آرائے سلطنت ہوا، سلطان کو مشائخ و صوفیا اور اہلِ قلوب کو گوشۂ عزلت سے باہر لانے اور نمایاں طریقے پر خلقِ خدا کی خدمت و رہنمائی پر آمادہ کرنے کا بڑا شوق تھا، اور اس میں وہ بڑا ساعی و بجد رہا کرتا تھا۔ اسی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کو لشکرِ شاہی کی معیت پر مجبور کیا۔ حضرت خواجہؒ کے دوسرے خلفاء مولانا فخر الدین زرادیؒ و مولانا شمس الدین یحییٰؒ وغیرہ کو منبروں پر چڑھ کر تقریر کرنے اور جہاد کی ترغیب دینے پر مجبور کیا۔ شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ کو ان کے گوشۂ خلوت سے نکال کر دہلی طلب کیا۔[3] جب اس کو پرچہ نویسوں کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ مخدوم صاحبؒ سالہا سال جنگل میں رہنے اور خلائق سے انقطاع رکھنے کے بعد شہر میں تشریف لے آئے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے ہیں تو اس نے مجد الملک صوبہ دار بہار کے نام فرمان لکھا کہ شیخ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے، اور پرگنہ راجگیر فقراء و خانقاہ کے خرچ کیلئے ان کے حوالہ کیا جائے، اور اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے، اسی کے ساتھ ایک مصلائے بلغاری

[1] مناقب الاصفیاء، ص ۱۳۳

[2] مولوی سید ظہیر الدین احمد مصنف سیرۃ الشرف نے بہت سے قرائن اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مخدوم صاحبؒ کی سکونت پذیری کا زمانہ ما بین سنین ۷۲۱ھ اور ۷۲۴ھ کے تھا۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرۃ الشرف ص ۸۳)

[3] تفصیل اسی کتاب میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے تذکرہ کے باب ششم میں گذر چکی ہے۔ ۱۲

خدمت میں بھیجا۔

جب یہ فرمان شاہی مجد الملک کو پہونچا، تو وہ حضرت مخدومؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ بادشاہ نے جو کچھ لکھا ہے میری کیا مجال کہ میں اس کی تعمیل کروں، لیکن اگر آپ اس کو قبول نہ فرمائیں گے تو اس کو میری حکم عدولی اور کوتاہی پر محمول کیا جائے گا، اور بادشاہ کا طرزِ عمل سب کو معلوم ہے، خدا جانے میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مخدوم صاحبؒ نے جب مجد الملک کی مجبوری کو ملاحظہ فرمایا اور اس کا اصرار دیکھا، تو بادلِ ناخواستہ اس کو قبول فرمایا، لیکن سلطان کی وفات کے بعد جب سلطان فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا، تو آپ نے جاگیر سے قطع تعلق فرمایا۔[1] خانقاہ کی تعمیر شروع ہوئی، اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہو گئی۔

سیرۃ الشرف میں ہے :۔

"خانقاہ کی تعمیر شروع ہوئی، اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہو گئی۔ مجد الملک نے تمام لنگر داروں اور اربابِ تصوف اور مریدانِ شیخ نظام الدینؒ کی دعوت کی۔ شروع مجلس سے آخر تک جماعت خانہ کے صحن میں سماع ہوتا رہا، ایک مقام علیحدہ جس میں ایک حجرہ اور ایک رواق تھا، مخدوم کیلئے درست کیا گیا تھا، اور وہی مصلائے بلغاری جو بادشاہ نے بھیجا تھا وہاں بچھایا گیا، مخدومؒ اس پر متمکن ہوئے، ایک مسافر درویش جو مجلس میں حاضر تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر مخدوم کے حجرہ میں آیا، مخدوم اس کی جانب مخاطب ہوئے، اور آپ نے فرمایا کہ :۔ یہ منزل اور مقام تمہارا ہے، میں تو مجد الملک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں کہ اطاعتِ اولی الامر سے چارہ نہیں ہے اور یہاں جو کچھ ہے فقیروں پر صدقہ ہے، میں تو سلام ہی کے لائق نہیں، چہ جائیکہ مصلی کے لائق ہوتا۔"

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۵

اُس فقیر نے کہا:۔

"مخدوم! تم کو خانقاہ اور مصلیٰ کی وجہ سے کون پہچانتا ہے، تم کو جو پہچانتا ہے حق کی وجہ سے پہچانتا ہے۔ ہم لوگ یہاں صرف آپ کی قوتِ باطن اور آپ کے طفیل سے آئے ہیں، یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا۔"

مخدومؒ نے فرمایا کہ:۔

"جو فقراء کی زبان سے نکلتا ہے وہی ہوتا ہے۔" اور یہ مصرع پڑھا۔ ع

"آں راکہ خود سلطان بود او ہر چہ گوید آں بود"

افادہ و ارشاد

کم سے کم ۷۲۳ھ سے لیکر ۷۸۲ھ (جس میں آپ کی وفات ہوئی) تک نصف صدی سے زائد کا زمانہ خلق خدا کی ہدایت و ارشاد اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں گزرا، شیخ حسین معز شمس بلخی کے بقول اس عرصہ میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، جن میں سے بعض اقوال کے مطابق کم سے کم تین سو آدمی عارف کامل اور واصل بحق ہوئے۔ متعدد ہندو فقیروں اور برہمن جوگیوں کے قبول اسلام اور آپ کے ہاتھوں تکمیل و تحقیق تک پہونچنے کے واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

ارشاد و تربیت کا بہت بڑا ذریعہ اور مرکز آپ کی وہ مجلسیں تھیں جن میں مشائخ کے دستور کے مطابق ہر طبقہ کے آدمی کو حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کی اجازت تھی، اہل عقیدت اور اہلِ طلب ان مجالس میں شریک ہوتے، جن لوگوں کو کوئی بات دریافت کرنی ہوتی وہ دریافت کرتے اور جواب شافی پاتے۔ ان مجالس کا کوئی مستقل و متعین موضوع اور ان کی گفتگو کوئی مسلسل درس کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ڈالتا ارشاد فرماتے، یا کسی بات کے فرمانے کی کوئی مناسب تقریب یا تحریک پیدا ہوتی تو حسب حال کچھ فرماتے۔ یہ مجالس بڑے گہرے معارف و حقائق اور تصوف کے

دقیق نکات و لطائف پر مشتمل ہوتی تھیں۔ زین بدر عربی جو آپ کے ملفوظات کے جامع ہیں "معدن المعانی" کے خطبہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"در ہر مجلسے و محلے البتہ از طالبان صادق و مریدان واثق و بندگان موافق کہ حاضر بودند ہر کسے در خورد حال و کار خود ایراد سوالے از طریقت و التماس بیان از شریعت و درخواست اشارتے از حقیقت و طلب اظہار رموز معرفت عرض می داشتند، بندگی مخدوم نامور و شیخ دین پرور در مقابلۂ سوال سائل جواب شافی و بیان کافی بعبارات دلپذیر و اشارات بے نظیر ارزانی می داشت، از ہر عبارتے صد معانی غیبی مستفاد و از ہر اشارتے ہزار لطیفہ لاریبی مراد، از ہر معنی مفہومات بے نہایت، و از ہر لطیفہ ادراکات بے غایت، از ہر مفہومے حالات بے شمار و از ہر ادراکے مقامات بسیار، از ہر حالے ذوقے کہ آں رامیزان بیان نہ سنجد و از ہر مقامے خبرے کہ در جہاں نشان نگنجد۔"

ہر مجلس اور ہر موقع پر طالب صادق اور مریدین راسخ الاعتقاد اور حاضرین مجلس جو مناسبت رکھتے تھے وہ طریقت کے بارے میں کوئی سوال یا شریعت کی کسی تعلیم کی وضاحت کی درخواست کرتے اور معرفت کے اسرار و رموز سننا چاہتے تھے حضرت مخدوم ہر سائل کو جواب شافی مرحمت فرماتے اور بڑے دلپذیر طریقے پر اُس کی تشفی کرتے، آپ کے ارشادات بڑے بڑے لطیف نکات اور بڑے قیمتی فوائد و لطائف پر مشتمل ہوتے، اور ہر سائل اور سوال کے حسب حال ایسی تقریر فرماتے کہ اس سے ایسا ذوق پیدا ہوتا جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا اور ایسے مقامات کا پتہ چلتا جن کی اس محدود عالم محسوسات میں گنجائش نہیں۔

قطعہ

نشان ایں نتواں دید جز بدیدۂ پاک ÷ کہ آفتاب شناسی بہ بے بصر نرسد
بہ بیں وگرنہ ملامت بدیدگان نہ ازاں کہ ÷ زبان تپ زدہ را طعنہ بر شکر نرسد

بس مرتبہ دینیات یا تصوف کی کتاب بھی مجلس میں پڑھی جاتی، مخدوم ایک ایک مسئلہ کی تشریح فرماتے، فقہ، اصول حدیث، تفسیر، تصوف، سب پر گفتگو ہوتی، اہل مجلس بالخصوص اہل علم استفادہ کرتے۔

ارشاد و تربیت کا دوسرا ذریعہ (خصوصاً ان لوگوں کیلئے جو کسی اور مقام پر ہوتے) آپکے مکتوبات تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علاوہ (جن کے مکتوبات ایک زندۂ جاوید کارنامہ اور علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہیں) شاید کسی نے اپنے قلم اور زور تحریر سے اور خطوط و مکتوبات کے ذریعہ اتنا عظیم الشان انقلاب انگیز اور دیرپا وسیع اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا، جیسا آپ نے نہ صرف تصوف کے ذخیرہ میں بلکہ علوم و معارف، نکات و لطائف کے عالمگیر ذخیرے میں مکتوبات کا یہ مجموعہ خاص امتیاز رکھتا ہے، اور اپنی تاثیر، ادب و انشاء کی قوت، برجستگی اور زندگی کے لحاظ سے پورے فارسی ادبیات میں کم کتابیں اس پایہ کی ہوں گی۔ ان مکتوبات نے حضرت مخدومؒ کے زمانہ میں بھی اصلاح و تربیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی، اور ان خوش قسمت افراد کے علاوہ بھی جن کے نام اصالتاً یہ خطوط لکھے گئے تھے صدہا اشخاص نے ان سے شیخ کامل و محقق کے انفاس و توجہات کا فائدہ اٹھایا۔ حضرت مخدومؒ کی وفات کے بعد ہر صدی میں ہزاروں انسانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ خانقاہوں میں ان کا درس دیا گیا، اور شیوخ کبار نے ان کی تشریح و تقریر کی، اور صدیاں گذر جانے کے بعد آج بھی ان میں ویسی تاثیر و زندگی موجود ہے کہ معلوم ہوتا ہے لکھنے والے نے ابھی لکھا ہے، اور ان کے الفاظ تیر و نشتر کی طرح دل کے پار ہو جاتے ہیں۔

باب چہارم

صفات و خصوصیات

فنائیت

آپ کی سب سے نمایاں صفت جو آپ کا مزاج و مذاق بن گئی تھی، اور جس کے بارے میں آپ بالکل بے اختیار تھے، وہ صفت نیستی اور فنائیت ہے، جو مجاہدہ و ریاضت کے اعلیٰ ترین ثمرات اور سالک طریق کے بلند ترین کمالات میں سے ہے۔ آپکے مکتوبات کے لفظ لفظ اور آپکے ارشادات کے حرف حرف سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا تھا:-

"آخر ما جیب تمنا تہی"

سلسلۂ کبرویہ کے مشائخ کا یہ شعار خاص اور امام طریقہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی یہ میراث تھی جس کے آپ پورے طور پر وارث ہوئے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک موقع پر مشائخ عصر جمع تھے، ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا کا اظہار کیا۔ جب آپ کی باری آئی تو فرمایا کہ:-

"آرزوئے من آنست کہ نام من	میری آرزو یہ ہے کہ نہ اس دنیا میں
نہ دریں جہاں باشد و نہ	میرا نام و نشان رہے، نہ

دراں جہاں[1]۔ | اُس دُنیا میں۔

اس فنائیت و بے نفسی کا اظہار آپ کے اس جملے سے ہوتا ہے:——

"ہمہ تلبیس شیطان ماندہ ام نہ از خود خبرے نہ از اسلام اثرے"۔

ایک مکتوب میں اپنے حالِ زار پر نوحہ و ماتم کی ضرورت و فضیلت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر اپنا حال اور اپنی کیفیت کا اظہار ہے۔ فرماتے ہیں:——

"گفتہ عارفانست کہ حقا ثم حقا کہ ہیچ آوازے نزدیک خدائے تعالیٰ محبوب تر از آواز نوحہ کردن بر خویشتن نیست پس امروز شاید کہ صدیقان ایں راہ و خداوندان دیں نوحہ گری از خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ بیاموزند اے برادر ہر کہ او را در ہر لحظہ بر خویشتن ماتم و نوحہ گری نیست بطالے است پر از غفلت بقیامت مرداریست پر از حسرت، ایں چہ طمعہا و فاسد است کہ امروز ہر کسے را افتادہ است: جاہ و حشمت و نفاذ امر و نہی می باید، عز و ناز دُنیا می باید، و عزت

عارفین کا قول ہے کہ خدا کی قسم، پھر خدا کی قسم! خداوند تعالیٰ کو اپنے آپ پر رونے کی آواز سے زیادہ کوئی آواز پیاری نہیں ہے، پس چاہیئے کہ آج اس راہ کے صدیق اور دین کے پیشوا ماتم کرنی خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے سیکھیں۔ اے بھائی! جو کوئی ہر لحظہ اپنے آپ پر ماتم اور آہ و فغاں نہیں کرتا، وہ ایک مدعی ہے جو قیامت سے غافل ہے اور ایک مردار ہے جس کا دل حسرتوں سے بھرا ہوا ہے، یہ کیا جھوٹی خواہشات ہیں کہ آج ہر سر میں ان کا سودا ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیاوی جاہ و جلال ہونا چاہیئے، اور ہمارے احکام کے امر و نہی کا نفاذ ہونا چاہیئے اور دنیا کی ناز و نعمت

و تماشائے علی الدوام می باید و بایں ہمہ آشنائی با حضرت خداوند می باید"۔

ہونی چاہیئے اور عزت اور اس کا ہمیشہ اظہار ہونا چاہیئے، اور پھر اس سب کے ساتھ خداوند کریم کے ساتھ آشنائی بھی ہونی چاہیئے، خدا کی قسم یہ ناممکن ہے۔

رُباعی

جاں باز کہ وصل او بدستاں ندہند ∴ شیر از قدح شرع بمستاں ندہند

آں جا کہ ہم می ہمہ مرداں نوشتند ∴ یک جرعہ ازاں بخود پرستاں ندہند[1]

ایک دوسرے مکتوب میں جس میں خود شکنی اور نفس دشمنی کی نصیحت فرمائی ہے، وہ سراسر اپنا حال اور اپنی تصویر ہے، اور یقیناً یہ مکتوب اس مرتبہ کمال پر پہونچنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ مردانِ خدا اور کاملینِ طریق خود کسی مقام پر پہونچے بغیر اس مقام کی دعوت کو نفاق اور لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کا مصداق سمجھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:-

"چوں حلقہ بر در زنی و بر در آئی خاک اخاک باید بود و از ہمہ دعویٰ پاک باید بود، اگر ہزار تاج ملکانہ بر سر نہی چہرہ گدائی و رنگ بے نوائی کہ خاک را اصلی است چہ کنی گردی کہ بر روئے نشیند، با آب برخیزد، اما رنگ ورئے با آب برنخیزد[2]"۔

جبکہ تو اپنے یا اپنے مولیٰ کے دروازہ پر حلقہ زن ہے اور اس دروازہ پر آ گیا ہے تو مٹی کو مٹی اور تمام دعاوی سے پاک و صاف ہو جانا چاہیئے، اگر تو ہزاروں شاہانہ تاج بھی اپنے سر پر رکھ لے لیکن جو خاک کی اصلیت ہے یعنی چہرہ گدائی اور رنگِ بے نوائی، اس کو تو کیا کریگا، گرد جو اوپر ہی اوپر بیٹھ جایا کرتی ہے پانی سے دُھل جایا کرتی ہے لیکن اصلی رنگ روپ پانی سے دُھل نہیں سکتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں بغیر کسی اشارے وکنایہ کے صاف صاف اپنی ہی طرف منسوب کرکے اپنی بدحالی کا شکوہ اور ماتم فرماتے ہیں:-

مادبران و طوغان را کہ بندگان دنیا واسیر عادتیم و زنارداران راہ غفلتیم جز عادت پرستی کارے نہ و جز غفلت گری شعاری نہ راہ مردان دین رفتن و دعوی توحید کردن از بے باکی و نابینائی است، جہود و ترسا و کلیسا و بتخانہ را از ما ننگ است[1]۔

ہم شامت زدہ صاحب ادبار اور آلودہ جو کہ دنیا کے بندے اور خواہش عادت کے قیدی اور راہ غفلت کے زنار دار ہیں ہمارا کام عادت پرستی کے سوا کچھ نہیں اور غافلوں کے سوا کہیں ہمارا شعار نہیں ہمارا مردان خدا کے راستہ پر چلنا اور توحید کا دعوی کرنا بیباکی اور اندھے پن کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں اور آتش پرستوں کو اور کلیسا اور بتخانہ کو ہم سے شرم آتی ہے۔

آپ سے جو مناجات منقول ہے وہ آپ کی دل کی کیفیت کی پوری ترجمان اور آپکے جذبات اور احساسات کا تمام مرقع ہے۔ فرماتے ہیں:- ؎

خالقا بیچارۂ را ہم ترا ÷ ہمچو موئے لنگ در چاہم ترا
نے تنے نے دولتے نے حاصلے ÷ نے نوائے نے قرارے نے دلے
دیں ز دستم رفت و دنیا گم شدہ ÷ صورتم وا ماندہ معنی گم شدہ
من نہ کافر نے مسلماں زادہ ام ÷ درمیان ہر دو حیراں ماندہ ام
نے مسلمانم نہ کافر چوں کنم ÷ ماندہ سرگردان و مضطر چوں کنم

[1] مکتوب سی ام۔

یارب اشک و آہ بسیارم ہست ÷ گر ندارم ہیچ ایں بارم ہست
ہم تن زندانیم آلودہ شد ÷ ہم دل محنت کشم فرسودہ شد
ماندہ ام در چاہ زنداں پائے بست ÷ در چنیں چاہم کہ گیرد جز تو دست
پاک کن از راہ صحن جان من ÷ پس بشو از اشک من دیوان من
گرچہ بس آلودہ در راہ آمدم ÷ عفو کن گر حبس و از چاہ آمدم

اس فنائیت کا قدرتی و لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مدح و ذم خلائق آپکے حق میں یکساں تھے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں اور درحقیقت اپنا ہی واقعہ سناتے ہیں:-

اہل معرفت را از مدح و ذم و قدح خلق چہ زیاں، کہ نزدیک ایشاں مدح و قدح خلق ہر دو یکے است نہ ممدوح خلق ممدوح است و نہ مذموم خلق مذموم است، ممدوح حق ممدوح است، و مذموم حق مذموم است۔

اہل عرفان کو مخلوق کی تعریف وثنا اور ہجو وتردید سے بھلا کیا نقصان! کہ اُنکے نزدیک تو مخلوق کی ہجو وثنا برابر ہے، اچھا وہ نہیں جو مخلوق کے نزدیک اچھا ہے اور بُرا وہ نہیں جو مخلوق کے نزدیک بُرا ہے بلکہ ممدوح وہی ہے جو حق تعالیٰ کا ممدوح ہے اور مذموم وہی ہے جو حق تعالیٰ کا مذموم ہے۔

کسی فارسی کے قدیم شاعر نے گویا آپ ہی کے متعلق کہا ہے۔ ؎

گرفتار کمند خوبرویاں
نہ از مدحت خبر دارد نہ از ذم

اس مستی و از خود رفتگی کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ مقبولین بارگاہ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہے اسکی بناء پر آپ سے کرامات اور خوارق کثرت سے سرزد ہوتے تھے، لیکن اپنے اس مزاج وحال کی وجہ سے

اظہار کرامت سے بڑا متنفر تھا، اور کسی ایسی چیز کو پسند نہیں کرتے تھے جس سے آپکے مرتبہ و مقبولیت عند اللہ کا اظہار ہو۔ صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں :۔

"اگرچہ اکثر کارہائے وے مبنی بر خرق عادت و کرامت بود اما از اظہار آں کرامت بیزار بود شکستگی و بینوائی ظاہر کرد، اگر کسے استمداد در کارے و حاجتے خواستے حوالہ میران جلال دیوانہ کردے"[۱]

اگرچہ آپکے کاموں کا دارومدار خرق عادت اور کرامت پر تھا، لیکن آپ کرامت کے اظہار سے بیزار تھے اور شکستگی اور بینوائی ظاہر کرتے تھے، اگر کوئی شخص کسی کام یا کسی حاجت کیلئے مدد طلب کرتا تو اُس کو میران جلال دیوانہ کے سپرد کر دیتے۔

یہ وہ دور تھا جس میں بزرگوں کی کرامات و خوارق کا گھر گھر چرچا تھا، اور عوام اُنھیں کو خدا رسیدگی اور برگزیدگی کی علامت سمجھتے تھے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک مرتبہ چند آدمی کچھ مری ہوئی مکھیاں لیکر آپکے پاس آئے، اور کہا کہ مشہور مقولہ ہے کہ "الشیخ یحیی و یمیت" شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، آپ حکم دیجئے کہ یہ مکھیاں زندہ ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا کہ "میں خود درماندہ ہوں دوسرے کو کیا زندہ کروں گا"۔

علوِ اخلاق

صوفیائے کرام کے اخلاق مشکوٰۃ نبوت کے نور سے فیضیاب اور منور ہوتے ہیں، اسلئے ان حضرات کے اخلاق اسی ذات گرامی کے اخلاق کا پرتو ہے، جس کے متعلق قرآنی شہادت ہے کہ "انک لعلی خلق عظیم" صاحب مناقب الاصفیا

۱ مناقب الاصفیاء ص ۱۳

نے لکھا ہے کہ "اخلاق شیخ شرف الدین مانند اخلاق نبی بود"[۱]

آپ کے نزدیک اخلاقِ نبویہ سے آراستہ ہونا اور سیرتِ نبوی کے سانچہ میں ڈھلا جانا ضروری تھا، اس کا اندازہ آپ کے مکتوبات کے ان اقتباسات سے ہوگا۔ درحقیقت یہ خود آپ کا حال تھا جس کو ایک اصول کے طور پر بیان فرمایا جا رہا ہے :۔

"و ایں اخلاق است کہ در طریقت شعار ارباب علوم گشتہ کہ در ہمہ احوال اقتدا بشریعت دارند و اخلاق خویش را بر محک سنت امتحان کنند و ہر کہ در شریعت محقق نباشد وے را از طریقت ہیچ فائدہ نبود"[۲]

اور اصل اخلاق یہ ہے جو کہ طریقت میں اہل علم کا شعار بن گیا ہے کہ وہ اپنے احوال میں شریعت کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اخلاق کو سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جو کوئی شریعت کی تحقیق نہیں کر لیتا اُسے طریقت (تصوف) سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :۔

ہر کہ بمتابعت شرع راسخ تر نیکو خوی تر و ہر کہ نیکو خوی تر بر درگاہ خداوند عزیز تر چوں خلق نیکو میراث آدم است و تحفہ خداوند عالم است کہ بدو دادہ است۔ لابد ہیچ پیرایہ و زینت نباشد مومن را نیکو تر از خلق نیک و اصل خلق نیکو احتمال

جو کوئی شریعت کی پیروی میں جتنا راسخ زیادہ ہے اتنا ہی خوش خلق زیادہ ہے اور جو جتنا خوش خلق زیادہ ہے بارگاہِ خداوند تعالیٰ کا محبوب زیادہ ہے جبکہ اچھا اخلاق آدم علیہ السلام کی میراث اور خداوند عالم کا عطا کردہ تحفہ ہے پس لازماً مومن کیلئے اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی

۱ مناقب الاصفیاء ص ۱۳ ۲ مکتوب پنجاہ و نہم۔

فرمانِ خداوند است و متابعت شرع رسول
وے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ
حرکات و افعال سید کائنات علیہ
افضل الصّلوات والسّلام
ہمہ پسندیدہ بودہ است و ہر کہ متابعت
وے دارد باید کہ در معیشت چناں زندگانی
کند کہ او کردہ است[1]۔

اور اچھا طریقہ اور کوئی اور زیب و زینت
کی چیز نہیں ہے، اور اچھے اخلاق کی حقیقت
خداوند تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اسکے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی
کرنا ہے، کیونکہ سید کائنات علیہ افضل الصلوٰت
والسلام کے تمام افعال و حرکات ہمیشہ
(خلق و خالق کے نزدیک) پسندیدہ رہے ہیں،

اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اُسے چاہئے کہ
اپنی زندگی اس طرح گزارے جس طرح آپ نے گزاری ہے۔

آپ کے حالات اور آپ کی سیرت بتاتی ہے کہ آپ نے ان اخلاق میں بھی کامل اتباعِ نبوی کی پوری پوری کوشش کی، اور آپ کے اخلاق، خلقِ خدا کے ساتھ برتاؤ، اس کے حال پر رحمت و شفقت، مخلوق کے عیوب کی پردہ پوشی، اور بندگانِ خدا کی دلجوئی و دلداری میں آپ صاحبِ خُلقِ عظیم کے ایک متبع اور اخلاقِ نبوی کا ایک نمونہ تھے۔

رحمت و شفقت

آپ بڑے نرم دل، بندگانِ خدا کے حق میں بڑے کریم و شفیق، دوست پرور اور دشمن نواز تھے۔ عارف اور مردِ خدا کا مقام و طریقِ زندگی بیان کرتے ہوئے آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کی سچی تصویر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"رحمت و شفقت او برہمہ تابد خود نخورد

اس کی رحمت و شفقت کا آفتاب ہر ایک پر

[1] مکتوب پنجاہ ونہم ۔۱۲

بخلق دہد خود نپوشد بخلق پوشاند بزخم
مردمان ننگرد و بجفا ایشاں نہ بیند،
شفیع ظالم خود بود و جفا را بوفا پیش آید
دشنام را بدعا و ثنا مقابلہ کند، ایں
دانی چیست از بہر آں کہ وے محفوظ است
از ساحتِ دل وے جز باد راحت بر خلق
نوزد، او در شفقت چوں آفتاب بود
بر دشمن ہمچناں تابد کہ بر دوست در تواضع
چوں زمین بود ہمہ خلق پائے بر وے نہند
و او را باکس خصومت نہ، دست تصرف وے
از خلق کوتاہ بود، ہمہ خلق عیال وے بود
او عیال کس نہ بود در سخاوت چوں دریا بود
دشمن را ہمچناں بخشد کہ دوست را،
عین رحمت شدہ بر کافہ خلق شرق
و غرب زیرا کہ آزاد بود ہر چہ بیند
از یکجا بیند دیدہ اش دیدہ جمع بود
و ہر جزوے از اجزائے وے را
ہمچنیں خلعتے پوشانند و ہر کہ
بدیں صفت بود او را در طریقت ہیچ

چمکتا ہے، خود نہیں کھاتا، لوگوں کو کھلاتا ہے
خود نہیں پہنتا لوگوں کو پہناتا ہے، لوگوں سے
اُسے جو تکلیف پہنچتی ہے اُس کی طرف نگاہ
نہیں کرتا اور ان کے ظلم کو نہیں دیکھتا، اپنے پر
ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا ہے، جفا کا بدلہ
وفا سے دیتا ہے، گالی کا جواب دُعا و ثنا
سے دیتا ہے، تو جانتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں
کرتا ہے؟ اسلئے کہ وہ محفوظ ہے، اُس کے
دل کی فضا سے سوائے بادِ راحت کے خلق پر
کوئی ہوا نہیں چلتی، وہ شفقت میں آفتاب
کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح دوست پر
چمکتا ہے اُسی طرح دشمن پر چمکتا ہے۔
تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہے کہ تمام
مخلوق اُس پر پاؤں رکھتی ہے، وہ کسی کے ساتھ
جھگڑا نہیں کرتا، مخلوق پر دست درازی
کرنے سے اُس کا ہاتھ کوتاہ ہوتا ہے، تمام
مخلوق اُس کی عیال ہوتی ہے لیکن وہ کسی کا
عیال نہیں ہوتا، سخاوت میں دریا کی طرح
ہوتا ہے، دشمن کو اُسی قدر نوازتا ہے جس قدر

قدمے نبود[1]" | دوست کو مشرق و مغرب کی جملہ مخلوقات پر

رحمت ہی رحمت بن کر برستا ہے کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے، جو کچھ دیکھتا ہے

ایک ہی جگہ سے دیکھتا ہے (یعنی تمام مخلوق کو اُسی ذات پاک سے منسوب

سمجھتا ہے) اُس کی آنکھ "اہل جمع" کی آنکھ ہوتی ہے، اسکے وجود کے

اجزا میں سے ہر ایک جزو کو اسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے، اور جو ان

اوصاف سے موصوف نہ ہو اُس کو طریقت میں کوئی مرتبہ و مقام

حاصل نہیں ہوتا۔

اس رحمت و شفقت کا نتیجہ تھا کہ کسی بندۂ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ صافیہ کا قدیم زمانہ سے شیخ سعدیؒ کے اس مقولہ پر عمل رہا ہے کہ: "آزردن دلِ دوستاں جہل است وکفارہ یمین سہل"۔

ایک مرتبہ آپ نفل کا روزہ رکھے ہوئے تھے، ایک شخص بڑے اہتمام سے آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لایا اور کہا کہ میں بڑے شوق سے یہ آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمائیں۔ آپ نے اُسی وقت تناول فرمالیا اور فرمایا:

"روزہ توڑنے کی قضا ہے، لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں"۔

اس کا یہ بھی نتیجہ تھا کہ حتی الامکان پردہ پوشی سے کام لیتے اور اگر کسی کے متعلق کسی گناہ یا کوتاہی کی اطلاع ملتی تو اس کی تاویل فرماتے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کی، اور آپنے اُس کے

[1] مکتوب بست وچہارم۔

پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کسی نے آپ سے عرض کیا کہ: "یہ شخص شراب خوار ہے؟" آپنے فرمایا کہ "ہر وقت نہیں پیتا"۔ لوگوں نے کہا کہ: "ہر وقت پیتا ہے"۔ فرمایا: "رمضان میں نہیں پیتا ہوگا"[1]۔

دنیا سے بے لوثی اور بے تعلقی

معرفتِ حقیقی اور عشقِ کامل کا نتیجہ قدرتی طور پر دنیائے دوں سے بے رغبتی اور خشک دامنی ہے۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں دو شعر لکھے ہیں، وہ بالکل اپنا ہی حال ہے۔ ؎

من پاکباز عشقم تخم غرض نہ کارم ٭ پشت دنپاہ نغرم پشت طمع ندارم

نہ بند خلق باشم نہ از کسے ہراسم ٭ مرغ کشادہ بالم برگ قفس ندارم

آپنے مجد الملک کے پاس خاطر سے اور اُس کو محمد تغلق کے عتاب سے بچانے کیلئے خانقاہ کیلئے جو جاگیر بادل ناخواستہ قبول فرمالی تھی وہ فقیر دوست اور کریم النفس بادشاہ فیروز تغلق کے عہد میں واپس کردی، اور اگر سیرۃ الشرف کی وہ روایت صحیح ہے جو مونس القلوب کے حوالہ سے لکھی گئی ہے، تو دہلی تشریف لے جاکر پروانۂ جاگیر بادشاہ کے حوالہ کردیا، اسکے بعد خانقاہ کی تعمیر و توسیع سے کوئی تعلق اور دلچسپی نہیں رکھی، اگر کوئی اس کا مشورہ دیتا تو طبع عالی پر گراں گذرتا۔ صاحب گنج لایخفیٰ لکھتے ہیں کہ:۔

"شیخ حمید الدین مخدوم کے دوست تھے، خلوتوں میں آپکے ساتھ رہتے تھے

ایک بار آدھی رات گذرے مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، شب باقی تھی

مخدوم باہر نکل آئے اور صحن میں دیوار کے قریب بیٹھ گئے، شیخ حمید الدین

بھی ایک ساعت بیٹھے رہے، تھوڑی دیر بعد بولے کہ اگر یہ چبوترہ کچھ بڑھ جائے

تو صحن مصفا نظر آئے، مخدوم اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے

[1] مناقب الاصفیاء ص۱۳۱ (غالباً یہ واقعہ رمضان کا ہوگا)۔

جاتا تھا کہ اس نیم شب میں امورِ دینی میں کچھ مشکل پیش آئی ہوگی اُس کے حل کے لئے آپ تشریف لائے ہیں، لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ میں بر سر غلط تھا، آپ فرماتے ہیں کہ چبوترہ بڑھاؤ، یہ کہتے کہ اس بتخانہ کو چُن کر ویران کر دو[1]۔"

علوئے ہمت

آپ کا ایک بڑا امتیاز اور ترقیات و کمالات کا راز آپ کی جبلّی بلند ہمتی اور علو حوصلہ ہے جو آپ کے حالاتِ زندگی اور مکتوبات کی سطر سطر سے ظاہر ہوتا ہے، آپ نے اپنے اہلِ تعلق اور احباب و خدام کو ہمیشہ علوئے ہمت اور وسعتِ طلب کی ترغیب و تاکید کی ہے یقیناً اس پر سب سے زیادہ عمل آپ ہی کا ہوگا، ایک خط میں بڑے ولولہ انگیز طریقہ پر علو ہمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

"ہر چند تو پستی ہمت بلند دار، اے برادر ہمتِ مرداں بہیچ چیزے فرو نیاید، آسمان و زمین عرش و کرسی و بہشت و دوزخ بار ہمت ایشاں نکشد اینست کہ گفت"

تو کتنا ہی پست سہی، ہمت کو بلند رکھ بھائی! مردوں کی ہمت کسی بھی چیز کے ساتھ پست نہیں ہوتی، اُن کی ہمت کے بوجھ کو آسمان و زمین عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ نہیں اٹھا سکتے

اسی واسطے کہا گیا ہے ——— مثنوی

نے در غمِ دوزخ و بہشت اند ÷ ایں طائفہ را چنیں سرشتند

جنگ در حضرت خدائے زدہ ÷ ہر چہ آں نیست کہ پشت پائے زدہ

تا بجاروبِ لا نروبے راہ ÷ نکہ رسی در سرائے الا اللہ

[1] سیرۃ الشرف ص۱۱۵

"ہمت ایں مرداں فضائے پاک و صحرائے با وسعت بے خس و خاشاک خواہد تا در شے پرواز کنند و ہیچ فضائے پاک تر از فضائے پاک ربوبیت نیست و ہیچ صحرائے با وسعت تر از صحرائے وحدانیت نیست ہمت ایشاں گرد کعبہ و بیت المقدس نگردد و با آسمان و زمین طواف نکند سبحان اللہ عز و جل عجب کارے است مرشے در جائے خود نشستہ و پائے در دامن کشیدہ و سر بر زانو نہادہ و سر او از کون و مکان در گذشتہ و زے ہمت کہ آں را جز در آب و خاک نیابی از یں جا گفتہ است

ان مردانِ خدا کی ہمت ایسی پاک فضا اور ایسے وسیع صحرا کی طالب ہے جس میں خس و خاشاک کا نام و نشان نہیں تا کہ یہ لوگ اس میں پرواز کریں اور کوئی فضا "فضائے ربوبیت" سے زیادہ پاک اور کوئی صحرا "صحرائے وحدانیت" سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔ مردوں کی ہمت کعبہ اور بیت المقدس کے گرد نہیں گھومتی، اور آسمان و زمین کا طواف نہیں کرتی، سبحان اللہ کیا ہی عجیب کام ہے ایک مرد اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے پاؤں کو دامن میں سمیٹے ہوئے اور سر کو زانو پر رکھے ہوئے درانحالیکہ اس کا "سر" (ہمت) کون و مکان سے بھی آگے گزر گیا ہے، کیا ہی مبارک ہمت ہے کہ تو اس کو سوائے پانی اور مٹی (بنی آدم) کے اور کہیں نہ پائے گا اسی لئے کسی نے کہا ہے۔

حقا کہ بزہ نیا وردی کرد

چرخ فلک اے پسر کنم[1]

صاحب سیرۃ الشرف نے صحیح لکھا ہے:-

[1] مکتوب چہارم

"آپ کی آنکھ ہمیشہ نایافتہ پر لگی رہتی تھی، کیونکہ یافتہ آپ کو ادنیٰ شے دکھائی دیتی تھی" اور وسعت حوصلہ اور بلندیٔ ہمت کی وجہ سے ہر دم و ہر آن اعلیٰ ترین پیشِ نظر رہتا تھا"

دوسروں پر بھی اسی وسعت حوصلہ اور بلندیٔ ہمت کی فرمائش کی :-

"فی المثل اگر ہر دو عالم را بر در تو آرند و گویند	اگر بالفرض دونوں جہانوں کو تیرے دروازہ پر
تراست ہر تصرف کہ خواہی بکُن ہوشیار باش	لے آئیں اور کہہ دیں کہ یہ سب کچھ تیری ملکیت ہے
از آنچہ فوق الدنیا والآخرۃ ہست محجوب نگردی	جس طرح چاہے اس میں تصرف کر" پھر بھی
قطع طریق نشود ہمہ گو کہ عارفاں گفتہ اند"	ہوشیار رہ، ایسا نہ ہو کہ جو کچھ دنیا و آخرت سے

مافوق ہے وہ پردہ میں ہو جائے اور اُس تک پہونچنے کا راستہ قطع ہو جائے تو بھی وہی کہہ جو عارفوں نے کہا ہے۔ ؎

دنیاست بلاخانہ و عقبیٰ ہوس آباد
ما حاصل ایں ہر دو بیک جو نستانیم

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں :————

"ہر آئینہ چوں حوصلہ وسیع بود در وہمہ بگنجد و اگر تنگ بود نہ گنجد بروں افتد
ایں نکتہ دریں باب اے طلب اصلی فویست"

تجرید و تفرید

اہل تجرید و تفرید انقطاع عن الخلق اور اُنس مع الحق کے اس مقام تک پہونچ جاتے ہیں جہاں کسی نامحرم کا پہونچنا یا اس کی بلندیوں کا ادراک کرنا عامیوں کے لئے مشکل ہے، اسلئے جب تک وہ خود ہی اپنا حال نہ بتائیں یا اُس منزل کا نشان نہ دیں اس کا سراغ لگنا مشکل ہے، پھر چونکہ ان مردانِ خدا کو خلوت در انجمن اور سفر در وطن کی دولت حاصل

ہوتی ہے، اور "دست بکار و دل بیار" کی تصویر ہوتے ہیں منصب ارشاد و تربیت کی ذمہ داریاں اور اتباع نبوی کی شان ان کو ہمیشہ خلائق کے درمیان رکھتی ہے اسلئے اور بھی اُن کے اصل مقام سے ناآشنائی پیدا ہوتی ہے۔ تجرید و تفرید کون سا مقام ہے اور جو لوگ اس مقام پر پہونچ جاتے ہیں اُنکی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اس کو خود اُن ہی کی زبان سے سُنئے کس جوش و بلاغت کے ساتھ اور کس سرشاری و سرمستی کی کیفیت میں بیان کرتے ہیں :-

"تجرید از علائق و خلائق بود و تفرید از خود	"تجرید" تمام تعلقات اور مخلوقات سے
در دل غبارے نہ بر پشت بارے نہ با کس	الگ ہوتا ہے" اور "تفرید" اپنے آپ کو
شمارے نہ در سینہ بازارے نہ با ہیچ	چھوٹنے کا نام ہو کہ نہ دل میں کوئی "غبار" ہو
مخلوق کارے نہ ہمتش از ذرہ عرش	اور نہ پیٹھ پر کوئی بوجھ ہو، نہ کسی کے ساتھ کوئی
برگذشتہ و از کونین رمیدہ و با مراد	حساب و کتاب ہو، اور نہ سینہ میں
آرمیدہ و باوجود کونین بے دوست خوشی نہ	(دنیاوی تفکرات) کا کوئی بازار ہو، نہ کسی
و بے وجود عالمین با دوست ناخوشی نہ	مخلوق سے کسی قسم کا کوئی کام ہو، اس کی
عزیزے گفتہ است لا راحۃ	ہمت کا (شاہباز) عرش سے آگے گزر گیا ہو
مع اللّٰہ ولا راحۃ مع غیر اللّٰہ	اور دونوں جہانوں سے گزر کر اپنے مطلوب سے
چنانکہ گفتہ اند ہر کہ از خداوند محجوب است	ہمکنار ہو، دونوں جہانوں کے ہوتے ہوئے
در عین بلا و رنج است اگرچہ کلید	بغیر دوست کے کوئی خوشی نہ ہو، اور دونوں
خزائن ممالک در دست دارد و ہر شند و	جہانوں کی عدم موجودگی میں دوست کیساتھ
پوشے و گدائے کہ او را با خداوند	ہوتے ہوئے کوئی ناخوشی نہ ہو، ایک عزیز
خودکاریست بادشاہ دو جہان است	نے خوب کہا ہے: "اللہ کے ساتھ رہتے ہوئے

ہرچند نان شب ندارد[1]" — کوئی وحشت نہیں ہے، اور غیر اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے کوئی راحت نہیں ہے" چنانچہ کہا گیا ہے کہ جو کوئی خدا تعالیٰ سے محجوب (دور) ہے وہ عین مصیبت و رنج میں پڑا ہوا ہے اگرچہ کئی ملکوں کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہو، اور ہر دلق پوش اور گدا کہ اس کا خدا سے تعلق ہے وہ دونوں جہانوں کا بادشاہ ہے اگرچہ رات کا کھانا بھی اُسے میسر نہ ہو۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"دوستان بے وجود با وجود اند و بیگانگان با وجود بے وجود اند ولیکن شرط آنست کہ از ہمہ عالم بگریزی در بر خود درآئی و دل را از خود برداری دوست از خود بشوئی چنانکہ اصحاب کہف کردہ اند و از دل خود کہف سازی و در دل درآئی و حصار تکبیر بر خود گوئی و سگ نفس را از دل خود بیرون کنی تا ترا بر خلق جلوہ کنند چنانکہ اصحاب کہف را کردند "لو اطلعت علیہم لولیت منہم فرارا ولملئت منہم رعبا"

دوست بغیر وجود کے بھی موجود ہیں اور بیگانے موجود ہوتے ہوئے بھی غیر موجود ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ تو تمام عالم سے بھاگے اور اپنے آپ میں آئے دل کو اپنے سے اٹھا کر اپنے آپ سے ہاتھ دھو ڈالے جیسا کہ اصحاب کہف نے کیا ہے اپنے ہی دل کی کہف (غار) بنائے اور اپنے ہی دل میں آکر اپنے آپ پر چار تکبیر کہہ دے اور اپنے نفس کے کتے کو اپنے دل سے باہر نکال دے تاکہ تجھے مخلوقات پر ظاہر کریں جیسا کہ اصحاب کہف کو ظاہر کیا گیا (قرآن شریف میں یہ آیت ہے)

[1] مکتوب شصت و دوم۔

"اگر تو اُن کے حال سے مطلع ہو جائے تو تو پیٹھ پھیر کر بھاگ آئے اور تیرا دل اُن کے رعب سے بھر جائے، اگر تو اُن کو جھانک کر دیکھے۔"

امر بالمعروف اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر

لیکن تجرید و تفرید کے اس بلند مقام کے باوجود جس میں دل میں غبار اور کسی مخلوق سے سروکار کی بھی گنجائش نہیں، آپ کو خلق خدا کے حال پر رحمت و شفقت اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر اور اس سے تعلق خاطر رہتا تھا، اور حضرت اسی لئے آپ شاہان وقت سے کبھی کبھی خط و کتابت فرماتے، اور ان کو عدل گستری اور داد گری، مظلوموں کی حمایت و حفاظت کی طرف متوجہ کرتے، ایک مرتبہ خواجہ عابد ظفر آبادی کا مال تلف ہو گیا تو آپ نے سلطان الشرق فیروز شاہ کو ایک خط تحریر فرمایا، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چند حکایتوں اور احادیث نقل کرنے کے بعد جو ظالموں اور مظلوموں کے متعلق ہیں تحریر فرمایا:

"بحمد اللہ کہ امروز آں ذات معظم و مکرم است کہ پناہ مظلوماں و درماندگان است و عدل و انصاف از آں درگاہ در عالم پدید آمدہ است بدیں سعادت رسیدہ کہ پیغمبر علیہ السلام فرمودہ است "عدل یک ساعت بہتر از شصت سال عبادت"[1]

اللہ کا شکر ہے کہ آج وہ معظم و مکرم ذات جو کہ مظلوموں اور بیچاروں کا آسرا ہے اور عدل و انصاف اُسی بارگاہ سے دنیا میں ظاہر ہو رہا ہے اس سعادت تک پہنچ گئی ہے جس کے متعلق پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

آپ نے علوم دینیہ کی تحصیل اور تعلیم کی تکمیل سنارگاؤں میں کی تھی، اسلئے قدرتاً آپ کو بنگالہ اور وہاں کے حالات

[1] سیرۃ الاشرف ص ۴۳۲ (قلمی)۔

حالات سے خاص دلچسپی تھی، اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات کی فکر و اہتمام رہا کرتا تھا۔ مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں جو سلطان غیاث الدین شاہ بنگالہ کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:-

شیخ شرف الحق والدین را قدس سرہ العزیز بندہ ہمہ وقت می دید کہ در باب ایں ملک عین عنایت داشت و خدائے تعالیٰ را عین عنایت برایں زمین و بریں ملک بود و ہمت کہ شیخ شرف الدین را کہ لشکر آلٰہی بو[د] برسرایں زمین داشت[1]۔	شیخ شرف الحق والدین قدس سرہ العزیز کو بندہ ہر وقت اس ملک کے بارے میں بے حد عنایت و نوازش فرماتے ہوئے دیکھتا تھا اور دراصل خداوند تعالیٰ کی اس سرزمین پر و اس ملک پر نوازش تھی کہ شیخ شرف الدینؒ کو جو کہ لشکر آلٰہی تھے اس زمین پر آباد رکھا۔

اتباعِ سُنّت

اس راہ کے سالکین اپنے کرامات و مقامات میں جس قدر ترقی کرتے ہیں اُن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور آپ کے اتباع کامل کی اہمیت و ضرورت کا انکشاف اور زیادہ ہو جاتا ہے، اور اُن کے لئے یہ بات بدیہی بن جاتی ہے کہ وصول اور مقبولیت آپ کے اتباع کامل اور سنت و شریعت میں فنائیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس بارے میں آپ کا جو عقیدہ اور یقین تھا اسکی توضیح کے لئے یہ مکتوب کافی ہے:

"قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ دیداین حروف است دریں معنی عزیزے می گوید	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کہہ دیجئے (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ بھی تم کو دوست رکھے گا، اس معنی کی تائید کر رہا ہے"

اس بارے میں ایک عزیز کہتا ہے

[1] سیرۃ الشرف ص۱۳۵

(مثنوی)

او دلیل تو بس تو راہ مجوئی ؛ او زبان تو بس تو یاوہ مگوئی
ہر چہ او گفت گفت مطلق دان ؛ ہر چہ او کرد کردہ حق دان
خاک او باش بادشاہی کن ؛ آں او باش ہر چہ خواہی کن
ہر کہ چوں خاک نیست بر در او ؛ گر فرشتہ است خاک بر سر او

"ازیں جا معلوم می شود کہ بعضے نا اہل و فضول بگمان فاسد ہوا و جہل خود در راہ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) انمی روند لاجرم ازیں حدیث بوئے نصیب ایشاں نہ رفتن بے راہبر محال است کہ گفت راست۔"	اس سے معلوم ہوا کہ بعض نا اہل اور فضول لوگ جو اپنے گمان فاسد اور جہالت و ہوس کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار نہیں کرتے اس "حدیث" کے معنی کی بو سے بے نصیب رہتے ہیں راہبر

کے بغیر سیدھا راستہ چلنا محال ہے، اسی لئے کہا گیا ہے

(رباعی)

کور ہر گز کے تواند رفت راہ راست ؛ بے عصا کش کور را رفتن خطا ست
راہ دور است و پرآفت اے پسر ؛ راہ رو را می بباید راہبر[1]

اس اصول پر آپ کا جس شدت سے عمل اور اتباعِ سنت کا جس قدر اہتمام تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین وفات کے دن جبکہ آپ کی عمر ایک سو اکیس (۱۲۱) سال کی تھی، اور ضعف و ناطاقتی اپنی آخری حد کو پہونچ گئی تھی، آپ نے جو آخری وضو کیا تو اس میں اتباعِ سنت اور عمل بالعزیمت کا پورا

[1] مکتوب پانزدہم

اہتمام کیا۔ شیخ زین بدر عربی وفات نامہ میں لکھتے ہیں :-

"پیراہن جسم مبارک سے اتار کر وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین چڑھائی سواک مانگی، اور بسم اللہ بآواز بلند پڑھ کر وضو شروع کیا، آپ ہر عمل اور ہر فعل میں ادعیہ معمولی پڑھتے جاتے تھے، دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے مگر منھ دھونا سہو ہو گیا۔ شیخ خلیل نے یاد دلایا، آپ نے از سر نو وضو کیا تسمیہ اور ادعیہ جس طور پر کہ آتے ہیں ہر عمل میں باحتیاط تمام پڑھتے تھے اور حاضرین تعجب کرتے تھے کہ اس حال میں بھی اس قدر احتیاط ہے۔ قاضی زاہد نے داہنا پاؤں دھونے میں ہاتھ بڑھا کر مدد کرنی چاہی آپ نے روک کر فرمایا کہ ٹھہرو، اور اپنے سے وضو کیا، پھر کنگھی طلب کی اور ریش مبارک میں شانہ کیا، اور جانماز مانگی اور دو رکعت نماز پڑھی[1]"

اتباع سنت کے اہتمام کے ساتھ قدرتاً آپ بدعات سے مجتنب اور نفور تھے، بدعت سے احتیاط اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ایک موقع پر فرمایا کہ :-

"این دو در ہمہ جائے کہ سنت و بدعت
پیش می آید ترک سنت اولیٰ است
از اتیان بدعت، کہ بہ اتیان سنت
اتیان بدعت است[2]"

یہاں اور جہاں کہیں بھی سنت اور بدعت
دونوں سامنے آجائیں تو سنت کا چھوڑ دینا
اولیٰ ہے بدعت کے ارتکاب سے کہ سنت پر عمل
کرنے سے بدعت کا ارتکاب ہوتا ہے

---

[1] وفات نامہ از شیخ زین بدر عربی۔

[2] خوان پُرنعمت مجلس سوم (اس باب (چہارم) کے فارسی اقتباسات کا ترجمہ محب عزیز صوفی محمد حسین صاحب ایم۔ اے کے قلم سے ہے، جس کے لئے مصنف ان کا ممنون ہے۔)

باب پنجم

وفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور ان کے کمالات و مقامات کے متعلق جو کچھ ان کے معاصر تذکرہ نویسوں نے آنے والی نسلوں کے لئے قلمبند کیا وہ اگرچہ خود بہت ناکافی اور تشنۂ تفصیل ہے اور ان متفرق و منتشر حالات سے اُن کی عظمت کا صحیح تصور نہیں ہو سکتا لیکن یہ حالات بھی اگر خدانخواستہ مفقود ہو جاتے اور صرف ان کی وفات کا حال جو اُن کے خلیفۂ خاص اور واقعہ کے شاہد عینی شیخ زین بدر عربی نے تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے محفوظ رہ جاتا تو اُن کی عظمت اور مرتبت کا اندازہ کرنے کیلئے کافی تھا۔ تاریخ اسلام میں متعدد اکابر و ائمہ کی وفات کا واقعہ اور دنیا سے رخصت ہونے اور موت کے استقبال کی کیفیت کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے نہ صرف ان حضرات کی عظمت تعلق مع اللہ اور ایمان و یقین کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس سے اسلام کی صداقت بھی عیاں ہوتی ہے۔ کسی اُمت کے اکابر اور کسی مذہب کے پیشواؤں کی آخری زندگی کے واقعات اور اُن کے دم واپسیں کے حالات اس قدر مؤثر، یقین افروز، اور ولولہ انگیز تاریخ میں نظر سے نہیں گزرے جیسے مستند تاریخ نے ان اکابر اسلام کے محفوظ کئے ہیں۔

حضرت مخدوم منیری کی وفات کے جو حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں اُن سے اُن کی بے نظیر استقامت جذبۂ اتباعِ شریعت، اُمتِ محمدیہ کی فکر، اس کے لئے دلسوزی، اہلِ اسلام سے محبت اور انکی خیر خواہی اور زندگی کی نازک ترین ساعت میں بھی اُن کا خیال اور ان کے لئے دعا، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اور یقین و اعتماد کے ساتھ اس کی بے نیازی اور کبریائی کا ڈر، سلامتی ایمان و حُسنِ عاقبت کی فکر اور اہتمام بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ابنِ یمین نے جس طرح دنیا سے جانے اور جس حضوری و مشاہدہ، مسرت و تبسم کیساتھ محبوبِ حقیقی کے پیام و قاصد کا استقبال کرنے کا نقشہ کھینچا تھا وہ حضرت مخدوم کے وقتِ وفات کی سچی تصویر ہے۔ ؎

منگر کہ دل ابن یمیں پر خوں شد ؛ بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد
مصحف بکف و پا برہ و دیدہ بدوست ؛ با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

شیخ زین بدر عربی فرماتے ہیں:۔

"چہار شنبہ کا دن تھا اور ۵ شوال ۷۸۲ھ کی تاریخ میں حاضرِ خدمت ہوا، نمازِ فجر کے بعد اس نے حجرہ میں جس کو ملک الشرق نظام الدین خواجہ ملک نے تعمیر کیا تھا سجادہ پر تکیہ سے سہارا لگائے بیٹھے تھے شیخ جلیل الدین حقیقی بھائی اور خادم خاص اور بعض دوسرے احباب اور خادم جو متواتر کئی راتوں سے آپ کی خدمت کے لئے جاگتے رہے تھے جن میں سے قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین (جو خواجہ مینا کے بھانجے تھے) مولانا ابراہیم، مولانا آموں قاضی میاں، ہلال و عتیق اور دوسرے عزیز حاضر تھے۔ آپنے زبانِ مبارک سے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔ پھر حاضرین کی طرف رُخ کر کے فرمایا:۔ تم بھی کہو۔ لوگوں نے تعمیل ارشاد کی، اور سبنے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم

پڑھا۔ اور پھر آپ نے مسکراتے ہوئے تعجب کے طور پر فرمایا:۔ سُبحان اللہ! وہ ملعون اس وقت بھی مسئلہ توحید میں لغزش دینا چاہتا ہے، خدا کا فضل و کرم ہے، اس کی طرف کیا توجہ ہو سکتی ہے؟ پھر آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم پڑھنا شروع کیا، اور حاضرین سے بھی فرمایا تم بھی پڑھو۔ اس کے بعد آپ اپنے ادعیہ و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ چاشت کے وقت ان سے فارغ ہوئے، کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہوئے باآواز بلند الحمد للہ الحمدللہ کہنے لگے۔ فرماتے تھے خدا نے کرم فرمایا المنۃ للہ المنۃ للہ کئی بار دل کی خوشی اور اندرونی فرحت کے ساتھ اسی کو بار بار دہراتے رہے۔ فرماتے جاتے تھے:۔ الحمد للہ الحمد للہ۔ المنۃ للہ المنۃ للہ۔

بعد ازاں مخدومؒ حجرہ سے صحنِ حجرہ میں تشریف لائے، اور تکیہ کا سہارا لیا، تھوڑی دیر کے بعد دست مبارک پھیلائے، جیسے مصافحہ فرمانا چاہتے ہوں، آپنے قاضی شمس الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دیر تک لئے رہے، پھر ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، خدام کو رخصت کرنے کا آغاز انھیں سے ہوا، پھر قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر سینۂ مبارک پر رکھا اور فرمایا ہم وہی ہیں، ہم وہی ہیں۔ پھر فرمایا:۔ ہم وہی دیوانے ہیں، ہم وہی دیوانے ہیں۔ پھر تواضع اور خاکساری کی خاص کیفیت طاری ہوئی، اور فرمایا:۔ نہیں! بلکہ ہم اُن دیوانوں کی جوتیوں کی خاک ہیں۔ پھر حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ فرمایا اور ہر ایک کے ہاتھ داڑھی کو بوسہ دیا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے اُمیدوار رہنے کی تاکید فرمائی اور بلند آواز سے پڑھا:۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ پھر یہ شعر پڑھا۔ ؎

خدایا رحمت دریائے عام است

ازانجا قطرئے برما تمام است

اس کے بعد حاضرین کی طرف رُخ کرکے فرمایا، کل تم سے سوال کریں تو کہنا لا تقنطوا من رحمة الله لائے ہیں، اگر مجھ سے بھی پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، اس کے بعد کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا:۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدًا عبده ورسوله۔ یہ الفاظ بھی ادا کئے:۔ رضيت بالله ربًا وبالاسلام دينا وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبيًا وبالقرآن اماما وبالكعبة قبلة وبالمؤمنين اخوانا وبالجنة ثوابا وبالنار عذابا (میں اللہ کو رب مانتا ہوں اسلام کو دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، قرآن کو اپنا پیشوا، کعبہ کو قبلہ، اہل ایمان کو اپنا بھائی، جنت کو اللہ کا انعام، اور دوزخ کو اللہ کا عذاب تسلیم کرتا ہوں، اور اس عقیدے پر مطمئن ہوں)۔

اس کے بعد آپ نے مولانا تقی الدین اودھی کی طرف متوجہ ہوکر اپنا ہاتھ پھیلایا اور فرمایا:۔ عاقبت بخیر ہو۔ اور ان کے حال پر بڑی عنایت و مہربانی فرمائی۔ پھر زبان مبارک سے فرمایا:۔ آموں! مولانا آموں حجرہ کے اندر تھے، وہ سُن کر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا، اور چہرۂ مبارک پر ملنے لگے۔ فرمایا:۔ تم نے بڑی خدمت کی، تمہیں نہیں چھوڑوں گا، خاطر جمع رکھو، ایک ہی جگہ رہیں گے، اگر قیامت کے دن پوچھیں گے کیا لائے؟ تو کہنا لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا، اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، دوستوں سے کہو خاطر جمع رکھیں، اگر میری آبرو رہے گی تو میں کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد ہلال اور عقیق کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا

تم نے ہم کو بہت خوش رکھا، ہماری بڑی خدمت کی ہے جیسے ہم تم سے خوش رہے ہیں تم بھی خوش ہوگے اور ہمیشہ خوش رہوگے، تین مرتبہ اپنا ہاتھ میاں ہلال کی پیٹھ پر رکھا اور فرمایا بامُراد رہوگے۔ اس وقت آپ کے دونوں پاؤں میاں ہلال کی گود میں تھے، اور اُن کے حال پر بڑی عنایت تھی۔

اس عرصہ میں مولانا شہاب الدین ناگوری آئے، آپ نے کئی بار اُن کے سر، چہرہ، داڑھی اور دستار کو بوسہ دیا۔ آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے، اور الحمد للہ الحمد للہ کہتے جاتے تھے، آپ نے ہاتھ نیچے کرلیا اور درود پڑھنے لگے۔ مولانا شہاب الدین کی بھی آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر تھی اور درود پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا شہاب الدین خواہرزادہ خواجہ معین کا نام لیا اور فرمایا میری بڑی خدمت کی، مجھ سے بہت اتحاد تھا، بڑی خوبی کے ساتھ میری صحبت اٹھائی، عاقبت بخیر ہو۔ اس وقت مولانا شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین جونپوری کا نام لیا، اور فرمایا کہ:۔ ان دونوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آپ نے بہت خوش ہوکر مسکراتے ہوئے اور اپنی تمام انگلیوں سے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مظفر میری جان ہے، میرا محبوب ہے، مولانا نصیر الدین بھی اسی طرح ہیں، خلافت اور مقتدائی کے لئے جو شرائط و اوصاف ضروری ہیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں، میں نے جو کچھ کہا اس سے ان غریبوں کو فتنۂ خلق سے محفوظ رکھنا مقصود تھا[1]۔ اس موقع پر مولانا شہاب الدین نے ۔ ۔ ۔ پیش کیا[2]

[1] یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

[2] یہاں پر جو عبارت ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی۔

اور عرض کیا:۔ مخدوم اسے قبول فرمائیں؟۔ فرمایا:۔ میں نے قبول کیا، یہ کیا ہے میں نے تو تمہارا سارا گھر قبول کیا۔ اس کے بعد ان کو کلاہ عطا ہوئی، انھوں نے تجدید بیعت کی درخواست کی، آپ نے قبول فرمایا۔

اس دوران میں قاضی مینا حاضر خدمت ہوئے، میاں ہلال نے تعارف کرایا اور عرض کیا:۔ یہ قاضی مینا ہیں؟۔ فرمایا:۔ قاضی مینا، قاضی مینا!۔ قاضی مینا نے کہا:۔ حضرت حاضر ہوں! اور ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپنے اُن کا ہاتھ اپنے چہرہ و ریش مبارک اور رخسار پر پھیرا، اور فرمایا:۔ خدا کی تم پر رحمت ہو، با ایمان رہو اور با ایمان دنیا سے جاؤ، از راہِ شفقت یہ بھی فرمایا کہ:۔ مینا ہمارے ہیں۔ اس دوران میں مولانا ابراہیم آئے آپنے اپنا دایاں ہاتھ ان کی داڑھی پر پھیرا اور فرمایا کہ تم نے میری اچھی خدمت کی اور پورا ساتھ دیا، با آبرو رہو گے۔ مولانا ابراہیم نے عرض کیا:۔ مخدوم[1] ۔۔ ۔۔ ۔۔ مجھ سے راضی ہیں؟ فرمایا:۔ ہم سب سے راضی ہیں، تمھیں بھی ہم سے راضی ہونا چاہئے، جو کچھ ہے میری طرف سے ہے۔

اس کے بعد قاضی شمس الدین کے بھائی قاضی نور الدین حاضر ہوئے، آپ نے قاضی نور الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی شفقت کے ساتھ ان کی داڑھی، چہرہ و رخسار اور ہاتھ کو کئی بار بوسہ دیا، آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ:۔ تم ہماری صحبت میں بہت رہے ہو اور ہماری بڑی خدمت کی ہے، انشاء اللہ کل ایک ہی جگہ رہیں گے، اس کے بعد مولانا نظام الدین کوہی حاضر ہوئے۔ فرمایا:۔ غریب اپنا وطن چھوڑ کر ہمارے جوار میں آگیا تھا، یہ کہہ کر کلاہِ مبارک اپنے سر سے اتار کر اُن کو عطا فرمائی،

[1] یہاں پر مطبوعہ اور قلمی نسخہ میں صبح البیاض کا لفظ ہے، شاید اسکے معنی یہ ہوں کہ آج صبح کے وقت۔ ۱۲

اور حُسنِ عاقبت کی دُعا فرمائی، اور فرمایا حق تعالیٰ تمھیں مقصود تک پہونچائے۔ پھر سب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔ دوستو! جاؤ اپنے دین و ایمان کا غم کھاؤ اور اسی میں مشغول رہو!۔

اس کے بعد کاتبِ سطور زین بدر عربی نے دستِ مبارک کو بوسہ دیا، اپنی آنکھ، سر اور بدن پر پھیرا۔ ارشاد ہوا:۔ کون ہے؟۔ میں نے عرض کیا:۔ گدائے آستانہ توجہ کرتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مجھے از سرِ نو غلامی میں قبول فرمایا جائے؟۔ فرمایا:۔ جاؤ تم کو بھی قبول کیا، تمھارے گھر اور تمام اہلِ خاندان کو قبول کیا، خاطر جمع رکھو، اگر میری آبرو رہی تو کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا:۔ مخدوم تو مخدوم ہیں، مخدوم کے غلاموں کی بھی آبرو ہے۔ فرمایا:۔ اُمیدیں تو بہت ہیں۔

قاضی شمس الدین آئے اور حضرت مخدومؒ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ مولانا شہاب الدین ہلال و عتیق نے عرض کیا کہ:۔ مخدوم! قاضی شمس الدین کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟۔ فرمایا:۔ قاضی شمس الدین کے بارے میں کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے، کئی جگہ میں اس کو فرزند لکھ چکا ہوں، خطوں میں میں نے اس کو برادرم بھی لکھا ہے، ان کو علم درویشی کے اظہار کی اجازت ہو چکی، انھیں کے خاطر اتنے کہنے اور لکھنے کی نوبت آئی، ورنہ کون لکھتا؟۔

اس کے بعد برادر و خادم خاص شیخ خلیل الدین نے جو پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، آپ نے اُن کی طرف رُخ کیا اور فرمایا:۔ خلیل! خاطر جمع رکھو، تم کو علما اور درویش چھوڑیں گے نہیں ملک نظام الدین خواجہ ملک آئے گا اُس کو میرا سلام و دُعا پہونچانا، میری طرف سے بہت معذرت کرنا اور کہنا کہ میں تم سے راضی ہوں، اور راضی جا رہا ہوں، تم بھی راضی رہنا ـــــــ فرمایا کہ جب تک ملک نظام الدینؒ تم کو نہ چھوڑے گا۔

شیخ خلیل الدین بہت متاثر تھے، آنکھوں میں آنسو تھے، حضرت مخدوم نے جب ان کی دل شکستگی دیکھی تو بڑی شفقت سے فرمایا:۔ خاطر جمع رکھو اور دل کو مضبوط رکھو۔ اس کے بعد فرمایا:۔ کون ہے؟۔ ہلال نے عرض کیا کہ:۔ مولانا محمود صوفی ہیں۔ آپ نے بڑے گہرے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ:۔ بیچارہ غریب ہے، مجھے اس کی بڑی فکر ہے، بیچارے کا کوئی نہیں، اس کے بعد ان کے لئے حسنِ عاقبت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد قاضی خاں خلیل حاضرِ خدمت ہوئے۔ فرمایا:۔ بیچارہ قاضی ہمارا پرانا دوست ہے، ہماری صحبت میں بہت رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے اور عاقبت بخیر کرے، اس کے فرزند بھی ہمارے دوست ہیں، سب کی عاقبت بخیر ہو اور حق تعالیٰ دوزخ سے رہائی دے۔

اس کے بعد خواجہ معز الدین مشرف بہ خدمت ہوئے۔ فرمایا:۔ عاقبت بخیر ہو۔ پھر مولانا فضل اللہ نے قدم بوسی کی۔ فرمایا:۔ بھلے بھلے اللہ عاقبت بخیر کرے۔ فتوح باورچی روتا ہوا آیا اور قدموں میں گر گیا۔ فرمایا:۔ بیچارہ فتوحا جیسا کچھ تھا میرا ہی تھا، اس کے حق میں بھی دعائے عاقبت فرمائی۔ اس کے بعد مولانا شہاب الدین نے شرفِ قدم بوسی حاصل کیا، ہلال نے تعارف کرایا کہ مولانا شہاب الدین حاجی رکن الدین کے بھائی ہیں۔ فرمایا:۔ انجام بخیر ہو ایمان کا غم کھاؤ، اور رحمت حق کے امیدوار رہو کر پڑھو لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا۔

کچھ دیر کے بعد نماز ظہر کے قریب سید ظہیر الدین اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے، آپ نے سید ظہیر الدین کو بغل میں لے لیا، اور بڑے لطف و شفقت کے ساتھ فرمایا:۔ میں جو عاقبت عاقبت کہتا تھا یہی عاقبت ہے، اسکے بعد تین مرتبہ اُن کو بغل میں لیا اور آخری بار یہ آیت پڑھی:۔ لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا۔

اور حاضرین کو رحمت و مغفرت خداوندی کا امیدوار بنایا، اس کے بعد وہاں سے اٹھے اور حجرہ میں تشریف لے گئے، اور سید ظہیر الدین کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے اور ان سے کچھ دیر باتیں فرمائیں، اس کے بعد سلطان شاہ پرگنہ دار راجگیر اپنے بیٹے کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا، اور ایک روغن کا سر ریاح پیش کیا، ارشاد ہوا کہ مولانا نظام الدین بھی لائے تھے، پھر شربت اور پان دے کر معذرت کی۔ اس کے بعد خلیل کے بھائی منور نے عرض کیا کہ توبہ و بیعت کرنا چاہتا ہوں؟ فرمایا:۔ آؤ! اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر توبہ و بیعت سے مشرف فرمایا، پھر قینچی طلب کی، قینچی سے بال تراشے اور کلاہ پہنائی، اور فرمایا:۔ جاؤ دوگانہ ادا کرو۔ اس طرح اس کے بیٹے نے بھی بیعت کی، اس کو بھی یہی حکم ہوا۔

اسی اثناء میں قاضی عالم احمد مفتی مولانا نظام الدین مفتی کے بھائی جو مریدانِ خاص میں سے ہیں آئے، اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، اسی درمیان میں ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے اور آکر بیٹھ گئے، آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی، آپ نے فرمایا:۔ پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہو؟ حاضرین نے عرض کیا ابھی چھوٹا ہے، سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا، میاں ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت کلام ربانی سننے کا ذوق ہے، انھوں نے اس لڑکے کو بلایا، اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی، سید ظہیر الدین نے بھی جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو، لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا، اس نے سورۂ فتح کے آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول الله والذین معه پڑھنی شروع کیں، حضرت مخدوم تکیہ کے سہارے سے آرام فرما رہے تھے اُٹھ بیٹھے، اور معمول قدیم کے مطابق باادب دوزانو بیٹھ گئے، اور

بڑی توجہ سے قرآن مجید سُننے لگے، اڑکا جب لیغیظ بھم الکفار پر پہونچا تو مرعوب ہوگیا اور اس سے پڑھا نہ جا سکا، آپ نے اس کو آگے کے لفظ کی تلقین فرمائی، جب لڑکے نے قرأت ختم کی تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اچھا پڑھتا ہے، اور خوب ادا کرتا ہے لیکن مرعوب ہو جاتا ہے، اس موقع پر آپ نے ایک مغربی درویش کا ذکر کیا کہ کبھی اُس کی طبیعت حاضر ہوتی تھی، اور قرآن مجید سُننے کا ذوق ہوتا تھا، اور کبھی طبیعت حاضر نہیں ہوتی تھی اور قرآن مجید سُننے کا ذوق نہیں ہوتا تھا۔

اس کے بعد قاضی عالم کو شربت اور پان دینے کو ارشاد ہوا، اور معذرت فرمائی۔ آپ نے پیراہن جسم سے اُتارنا چاہا اور وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین سمیٹی، مسواک طلب فرمائی، آواز سے بسم اللہ پڑھی اور وضو شروع فرمایا اور ہر موقع کی ادعیہ پڑھیں، کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھوئے، مُنھ دھونا بھول گئے۔ شیخ فریدالدینؒ نے یاد دلایا کہ مُنھ دھونا رہ گیا، آپ نے از سرِ نو وضو کرنا شروع کیا، اور بسم اللہ اور وضو کی دعائیں جس طرح سے آتی ہیں بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مفتی سید ظہیرالدینؒ اور حاضرین مجلس دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے ایسی حالت میں یہ احتیاط؟ قاضی زاہد نے پاؤں دھونے میں مدد کرنی چاہی، حضرت مخدومؒ نے اُن کو روک دیا، اور فرمایا:۔ کھڑے رہو! اس کے بعد خود سے وضو پورا کیا، وضو مکمل کرنے کے بعد کنگھی طلب فرمائی اور داڑھی میں کنگھی کی، اس کے بعد مصلےٰ طلب فرمایا، نماز شروع کی، اور دو رکعت میں سلام پھیرا، تکان ہو جانے کی وجہ سے کچھ دیر آرام فرمایا، شیخ جلیل الدین نے عرض کیا کہ:۔ حضرت سلامت حجرہ میں تشریف لے چلیں، ٹھنڈک کا وقت ہوگیا ہے؟۔ آپ کھڑے ہوئے، جوتیاں پہنیں، اور حجرہ کی طرف چلے، آپ کا ایک ہاتھ مولانا زاہد کے کاندھوں پر تھا دوسرا مولانا شہاب الدین کے کاندھوں پر، حجرہ میں

آپ ایک شیر کی کھال پر لیٹ گئے۔ میاں مُنوّر نے بیعت توبہ کی درخواست کی، آپ نے انکی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور اُن کو توبہ و بیعت سے مشرف کیا، اور اُن کے سر کے بال دونوں جانب سے تھوڑے تھوڑے تراشے، اُن کو کُلاہ پہنائی اور فرمایا جاؤ دوگانہ ادا کرو، یہ آخری بیعت توبہ تھی جو آپ نے کرائی، اس موقع پر ایک عورت اپنے دو لڑکوں کے ساتھ حاضر ہوئی، اور شرفِ قدمبوسی حاصل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد مغرب کی نماز کے نزدیک خدام نے عرض کیا کہ:۔ حضرت چارپائی پر آرام فرمائیں؟ آپ چارپائی پر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا۔

نمازِ مغرب کے بعد شیخ جلیل الدین، قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین، قاضی نورالدین ہلال اور عقیق اور دوسرا احباب و خدام جو خدمت میں مصروف تھے چارپائی کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مخدومؒ نے کچھ دیر کے بعد بآوازِ بلند بسم اللہ کہنی شروع کی، کئی بار بسم اللہ کہنے کے بعد زور زور سے پڑھا لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اسکے بعد بار بار بلند آواز کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا، پھر کلمۂ شہادت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ اس کے بعد فرمایا:۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پھر کچھ دیر تک کلمۂ شہادت زبان پر جاری رہا، پھر کئی بار فرمایا:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اسکے بعد بڑے اہتمام سے اور دل کی بڑی قوت اور بڑے ذوق و شوق سے محمدؐ محمدؐ محمدؐ اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد الخ پھر یہ آیت پڑھی:۔ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تا آخر، رضیت باللہ ربا و

بالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا ۔ اسکے بعد تین مرتبہ کلمۂ طیبہ کا ورد فرمایا، پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ جیسے کوئی دعا اور مناجات کرتا ہے، فرمایا:- اللّٰھم اصلح امۃ محمد اللّٰھم ارحم امۃ محمد اللّٰھم اغفر لامۃ محمد اللّٰھم تجاوز عن امۃ محمد اللّٰھم اغث امۃ محمد اللّٰھم انصر من نصر دین محمد اللّٰھم فرج عن امۃ محمد فرجا عاجلا اللّٰھم اخذل من خذل دین محمد برحمتک یا ارحم الراحمین، ان الفاظ پر آواز بند ہوگئی، اس وقت زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:- لاخوف علیھم ولاھم یحزنون، لا الٰہ الا اللہ ۔ اسکے بعد ایک بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا، اور جاں بحق تسلیم ہوئے ۔ یہ واقعہ شبِ پنجشنبہ ۶ شوال ۷۸۲ھ عشا کی نماز کے وقت کا ہے، اگلے روز پنجشنبہ کے دن نمازِ چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی۔[1]

نمازِ جنازہ وتدفین

نمازِ جنازہ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے پڑھائی جو انتقال کے بعد پہونچے تھے۔ "لطائف اشرفی"[2] میں حضرت مخدوم صاحبؒ کے خود

[1] از رسالہ وفات نامہ از شیخ زین بدر عربیؒ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ

[2] لطائف اشرفی حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنی کی مرتب کی ہوئی ہے، جو حضرت اشرف جہانگیرؒ کے مرید تھے، اور آپ کی صحبت میں تیس سال رہے تھے، یہ حضرت اشرف جہانگیرؒ کی سوانح حیات بھی ہے اور آپ کی تعلیمات کا مجموعہ بھی ۔ ۱۲

وصیت اور پیشگوئی فرمانے اور حضرت شیخ اشرف جہانگیرؒ کے وہاں پہونچنے اور حسب وصیت نماز پڑھانے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم صاحبؒ کی وصیت واطلاع کے مطابق جنازہ تیار کر کے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور ان کا انتظار تھا۔ شیخ اشرف جہانگیر دہلی سے بنگالہ سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق لاہوری پنڈویؒ کی خدمت میں تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں بہار شریف میں اس وقت پہونچے جب حضرت مخدومؒ کا جنازہ تیار کر کے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور امام کا انتظار تھا، آپ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبر میں اُتارا۔[1]

قبر کچی ہے اور اُس پر کوئی گنبد نہیں ہے ۔ سوریوں کے عہدِ سلطنت میں اُسکے گرد وپیش مکانات، مسجد اور حوض وفوارہ بنا، لیکن بخیال اتباعِ شریعت جس کا حضرت مخدومؒ کو بڑا اہتمام تھا، قبر اپنی حالتِ اصلی پر چھوڑ دی گئی۔[2]

اولاد واعقاب

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں:-

"مخدومؒ کی صلبی اولاد کا سلسلہ اس وقت ایک پوتی سے جاری ہے، آپ کے صاحبزادے شاہ ذکی الدین نے آپ کی حیات ہی میں ایک لڑکی یادگار چھوڑ کر قضا کی ۔ اس لڑکی کا بیاہ سید وحید الدین رضوی خواہرزادہ شیخ نجیب الدین فردوسیؒ سے ہوا، اس کد خدائی سے ایک لڑکی طاہرہ نام پیدا ہوئی، جو شہاب الدین علوی طوسی سے بیاہی گئی، ان کے دو بیٹے شیخ علیم الدین وشیخ امام الدین ہوئے، ایک زمانہ کے بعد جب فرزندانِ حسین نوشۂ توحید نے

[1] لطائف اشرفی مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۵ھ صفحہ ۹۳

[2] سیرت الشرف

خلع خلافت کیا تو مجاوران درگاہ حضرت بارکہ کی اولاد کو لاکر سجادۂ خلافت خانقاہ پر متمکن کیا، الدین سے پہلے بزرگ جو سجادہ پر بیٹھے وہ شاہ بیکھ تھے[1]

مخدوم صاحبؒ کے بھائیوں سے خاندانی سلسلہ چلا، اور ان کی اولاد اب بھی منیر اور صوبۂ بہار میں موجود ہے۔

ممتاز مریدین و خلفاء

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں :۔ مخدومؒ کے مریدوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ نوشہ توحید ان کی تعداد لاکھ سے زیادہ بتاتے ہیں، یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتی، بایں ہمہ اتنا ضرور کہا جائے گا کہ کثیر تھی، اور اس میں مسترشدین و تلامذہ بھی شریک ہیں۔ مخدومؒ کے ممیز مستفیدوں میں یہ تھے :۔

"مولانا مظفر بلخی، ملک زادہ فضل اللہ، مولانا نصیر الدین جونپوری، مولانا نظام الدین دروخھاری شیخ عمر، قطب الدین، فخر الدین، شیخ سلیمان، خواجگی، خواجہ احمد، امام تاج الدین، حسین معز بلخی الملقب بہ نوشہ توحید، مولانا قمر الدین، مولانا ابو القاسم، مولانا ابو الحسن، قاضی شرف الدین قاضی منہاج الدین دروخھاری، مولانا تقی الدین اودھی، مولانا شہاب الدین ناگوری، شیخ خلیل الدین، مولانا رفیع الدین، مولانا آدم حافظ، زین بدر عربی، قاضی صدر الدین، شمس الدین[2] خوارزمی، شیخ معز الدین، مولانا کریم الدین، خواجہ حافظ جلال الدین، خواجہ

---

[1] سیرۃ الشرف قلمی ص۸۱ ۔ [2] صاحب سیرۃ الشرف کو مغالطہ ہوا ہے کہ یہ وہ شمس الدین خوارزمی ہیں جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں شمس الملک کے خطاب سے ملقب ہو کر منصب صدارت پر مامور ہوئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ شمس الملک مستوفی الممالک مولانا شمس الدین خوارزمی جو عہد بلبنی میں منصب صدارت پر فائز تھے آٹھویں صدی ہجری شروع ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ انھیں کے شاگرد تھے۔ یا تو صاحب سیرۃ الشرف کو نام میں مغالطہ ہوا ہے، یا حضرت مخدومؒ سے جن کو شرف استفادہ حاصل تھا وہ کوئی دوسرے شمس الدین خوارزمی تھے۔

حمید الدین سوداگر، شیخ مبارک، زکریا غریب، قاضی خاں، نجم الدین شاعر، قاضی بدر الدین ظفرآبادی مولانا لطف الدین، احمد سفید باف، شیخ ذکی الدین، مولانا نظام الدین خال زادۂ مخدومؒ، مولانا احمد آمون، مولانا زین الدین، شیخ شعیب، سید شہاب الدین، عماد حاافقی، حاجی رکن الدین مولانا اوحد الدین خواہرزادہ شیخ نجیب الدین فردوسی، سید جلال الدین خواہرزادہ شیخ نجیب الدین فردوسی، شیخ رستم و شیخ وجیہ الدین و شیخ وحید الدین (ہمرسیاہان شیخ نظام الدین اولیاؒ) مولانا حسام الدین امام ہیبت خانی وغیرہم[1]"

تصنیفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا شمار کثیر التصنیف بزرگوں میں ہے، لیکن آپ کی بہت سی تصنیفات اور رسائل امتداد زمانہ اور لوگوں کی غفلت سے ضائع ہو گئے اور ان میں بہت سی کتابوں کے نام بھی سیر و سوانح میں محفوظ نہیں ہے، جو کتابیں ملتی ہیں یا تصنیفات میں ان کے نام نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں :۔

"راحت القلوب، اجوبہ، فوائد رکنی، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، رسالۂ مکیہ، معدن المعانی، لطائف المعانی، اشارات مخ المعانی، خوان پر نعمت، تحفۂ غیبی، رسالہ در طلب طالبان، ملفوظات، زاد سفر، عقائد شرفی، فوائد مریدین، بحر المعانی، مغز المعنٰی، کنز المعانی، گنج لایفنیٰ، مونس المریدین، شرح آداب المریدین[2]"

لیکن آپ کی سب سے بڑی یادگار اور آپ کے علوم تبت اور مقام تحقیق و اجتہاد کا سب سے بڑا مظہر آپ کے "مکتوبات" ہیں، اور "مکتوبات سہ صدی" وغیرہ کے نام سے ملتے ہیں۔

---

[1] سیرۃ الشرف ص۱۵۱ و ص۱۲۶ ۔ [2] سیرۃ الشرف و نزہۃ الخواطر وغیرہ ۔ ۱۲

باب ششم

"مکتوبات"

مکتوبات اور اُن کا علمی و ادبی پایہ

حضرت مخدومؒ کی زندہ یادگار اور اُن کے علوم و کمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے، جو نہ صرف اس عصر کی تصنیفات میں بلکہ معارف و حقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ علم کی گہرائی، تحقیقات کی ندرت، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات، اذواق صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سُنّت کے صحیح و عمیق فہم، مقامِ نبوت کی حرمت و عظمت کے بیان، شریعت کی حمایت اور وجد انگیز نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدومؒ کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربّانیؒ کی نظیر نظر نہیں آتی۔ ان مکاتیب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے محققین و عارفین کے علم و فکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے، اور انھوں نے معرفتِ الٰہی، ایمان و یقین، مشاہدہ و ادراک، تصفیۂ قلب و تزکیۂ نفس، رُوح کی لطافت و ذکاوت، اخلاق کی باریکیوں، اور نفسِ انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات و فتوحات حاصل کیں، اور اُن کی ذکاوت اور قوتِ فکریہ کے طائرِ بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا، اور کن کن فضاؤں میں پرواز کی۔

علوم و معارف کے علاوہ یہ مکاتیب زورِ قلم، قوتِ بیانی اور حُسنِ انشا کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں، اور اُنکے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل اور "ادبِ عالی" میں شمار کئے جائیں۔ دُنیا کی اکثر زبانوں اور علم و ادب کے بارہ میں یہ زیادتی کی گئی ہے کہ صرف اُن شخصیتوں کو ادیب، صاحبِ اسلوب اور انشاء پرداز تسلیم کیا گیا ہے، اور اُنھیں کی تحریر اور نتائجِ فکر کو ادب کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جنھوں نے ادب و انشا کو ایک پیشہ یا ذریعہ اظہارِ کمال کے طور پر انتخاب کیا، یا جو قدیم زمانہ میں سرکار و دربار سے متعلق تھے اور کوئی تحریری خدمت اُن کے سپرد تھی، یا جنھوں نے انشا میں صناعی اور تکلف سے کام لیا، اس کا نتیجہ ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں انشا پرداز صاحبِ اسلوب کی حیثیت سے ہمیشہ عبدالحمید الکاتب، ابواسحٰق الصابی، ابن العمید، صاحب ابن عباد، ابوبکر خوارزمی، ابوالقاسم حریری اور قاضی فاضل کا نام لیا جاتا ہے، حالانکہ انکی تحریروں کا بڑا حصہ مصنوعی، زندگی اور رُوح سے محروم اور تاثیر سے خالی ہے، ان کے مقابلہ میں امام غزالی، ابن جوزی، ابن شداد، شیخ محی الدین بن عربی، ابوحیان توحیدی، ابن قیم، ابن خلدون کہیں بڑھ کر انشا پرداز کہلانے کے مستحق ہیں، اور ان کی تصنیفات میں صحیح اور طاقتور انشا، خیالات و جذبات کے اظہار اور انسانی تاثرات و احساسات کی تصویر کے نہایت دلکش اور دل آویز نمونے ہیں لیکن ان بے گناہوں کا گناہ یہ ہے کہ انھوں نے کبھی ادب و انشا کو اپنا مستقل پیشہ یا اظہارِ کمال کا ذریعہ نہیں بنایا، اور اُن کی اکثر تحریروں کا موضوع دینی یا علمی ہے۔

دلچسپ اور عبرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک ہی مصنّف دو کتابیں لکھتا ہے، ایک تو سراسر تکلف اور تصنع سے بھری ہوئی ہوتی ہے، اور دوسری سادہ اور بے تکلف، اسکے زمانہ کی سوسائٹی اور ادبی حلقے پہلی تصنیف کی داد و تحسین کی صداؤں سے گونج جاتے ہیں، اور شاید وہ مصنّف خود بھی اسی کتاب کو حاصلِ زندگی اور سرمایۂ نازش و افتخار سمجھتا ہے، لیکن حقیقت پسند زمانہ اور انقلابِ روزگار اپنا صحیح فیصلہ صادر کرتا ہے، پُر تکلف تصنیف کتب خانوں کی زینت ہو کر رہ جاتی ہے، اور دوسری کتاب کو بقائے دوام کا

خلعت عطا ہوتا ہے، اور وہ گلشن بے خزاں کی طرح سدا بہار بن جاتی ہے۔ ابن جوزی کی مایۂ ناز تصنیف جس کا انھوں نے بڑے فخر کے ساتھ "المدہش" (حیرت میں ڈال دینے والی کتاب) نام رکھا تھا پردۂ خفا میں ہے لیکن اُن کی بے تکلف کتاب "صید الخاطر" جس میں انھوں نے نہایت سادہ طریقہ پر اپنی زندگی کے تجربات اور روزمرہ کے تاثرات قلمبند کئے تھے، اور جس کو شاید وہ خاطر میں بھی نہ لاتے ہوں، آج مقبول عام اور ادب کے طالب علموں کا مرکزِ توجہ بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان کے فارسی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو یہاں کے ادب و انشا پر ظہوری، ابو الفضل اور نعمت خان عالی چھائے ہوئے نظر آتے ہیں، حالانکہ اگر انشا کے لئے جذبات و حقائق کے موثر اظہار کو معیار قرار دیا جائے تو ان کی تحریروں کا بڑا حصہ جن میں لفظی صنائع و بدائع اور لفظی رعنائیوں کا زور ہے، اپنی قیمت کھو دیتا ہے اور بہت تھوڑا حصہ ادب و انشاء کے فطری معیار پر پورا اُترتا ہے، ان کے مقابلہ میں ایسی بہت سی تصنیفات لائق اعتنا ٹھہرتی ہیں جن کو عام طور پر مورخین ادب اور خوگرِ تقلید ناقدین نے ہمیشہ نظر انداز کیا حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد فاروقیؒ کے "مکتوبات" کا بڑا حصہ، عالمگیرؒ کے "رقعات"، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی "ازالۃ الخفا" اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی "تحفۂ اثنا عشریہ" کے بہت سے ٹکڑے فارسی ادب و انشا کا کامیاب نمونہ ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر زبان میں ادب کا جو دائرہ کسی پیش رو نے کھینچ دیا اسکے حدود اربعہ سے باہر نکلنے، دوسرے علوم و فنون کے ذخیرے کو کھنگالنے اور نئے ادبی شاہکاروں کو دریافت کرنے کی دردسری عام طور پر گوارا نہیں کی گئی اور اس طرح صدیوں تک ان ادبی جواہرات پر خاک پڑی رہی۔

ادب و انشا کے سلسلہ میں عام مورخ و نقاد اکثر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تحریر کی قوت کلام کی تاثیر اور قبول عام و بقائے دوام کے لئے سب سے زیادہ معاون عنصر لکھنے والے کی اندرونی کیفیات، اس کا یقین، دلی جذبہ، کسی حقیقت کے اظہار کے لئے اس کی بے چینی اور بے قراری ہے۔

ایسے کسی شخص کو جو اس اندرونی کیفیت سے سرشار اور اس کو دوسروں میں پیدا کرنے کے لئے مضطرب و بیقرار ہو جب قدرت کی طرف سے ذوقِ سلیم بھی عطا ہو، الفاظ و اسالیب بیان پر ضروری حد تک قدرت بھی حاصل ہو اور اس کی تحریر میں علم و ادب، عقل و استدلال اور حُسنِ بیان کے ساتھ سوزِ دروں اور خونِ جگر بھی شامل ہو تو اس کی تحریر میں ایسا اثر اور ایسا زور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہے اور سیکڑوں برس گذر جانے کے بعد بھی اس کی تازگی و زندگی اور اس کی تاثیر و قوتِ تسخیر قائم رہتی ہے۔

تحریر و تقریر کو بہتر و کامیاب بنانے کے لئے جتنی صفات اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قوانین ضروری ہیں ناقدین ادب نے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور ہر عہد میں ان پر بحث ہوتی رہی ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا موثر اور ناقابلِ فراموش عنصر یا عامل صاحب کلام کا اخلاص اور دردمندی ہے۔ ادب و انشاء کے ذخیرہ کا اگر ایک نئے اور زیادہ حقیقت پسندانہ اور گہرے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس کو دو قسموں پر تقسیم کرنا بیجا نہ ہوگا۔ ایک وہ تحریریں یا اظہارِ خیال جو اندرونی تقاضے اور داعیہ اور کسی طاقت ور عقیدہ یا یقین کے ماتحت وجود میں آئیں، اور ان سے مقصود کسی فرمائش یا حکم کی تعمیل، کوئی دنیاوی منفعت یا کسی صاحب اقتدار یا صاحب ثروت انسان کی رضامندی نہیں تھی، بلکہ وہ خود اپنے ضمیر یا عقیدہ کے فرمان کی تعمیل تھی جس میں اہلِ حکومت اور اہل ثروت کے فرمان سے زیادہ قوت ہوتی ہے اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحب ضمیر انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی فرمائش کی تعمیل یا کسی دنیاوی منفعت کے حصول یا کسی بالاتر انسان کے حکم کی تعمیل میں ہو۔ ادب کی ان دونوں قسموں میں زمین آسمان کا فرق ملے گا۔ پہلا ادب "ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہے، وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کا موضوع دینی اور اخلاقی ہے، تو اس کا قلب اور اخلاق پر گہرا اور انقلاب انگیز اثر پڑتا ہے، ہزاروں آدمیوں کے

دل میں اسکے پڑھنے سے اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسکے برخلاف دوسری قسم کا ادب داد و تحسین اور عارضی سُرور و خوش وقتی کے سوا روح اور قلب پر اپنا کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتا، اس کی زندگی اور عمر محدود و مختصر ہوتی ہے، پہلے ادب میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہوتی ہے، دوسرے ادب میں صنعت اور اہتمام۔ ادب کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہو تو ان دونوں قسموں میں وہی فرق ہے جو ایک تمثیلی حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی نے ایک شکاری کتے سے پوچھا کہ: "ہرن بھاگنے میں تم سے کیوں بڑھ جاتا ہے، اور تم اس کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟ اس نے جواب دیا اسلئے کہ وہ اپنے لئے دوڑتا ہے، اور میں اپنے آقا کے لئے"۔

ناقدین ادب نے وقت، ماحول، فضا اور طبیعت کے فراغ کو ادب و شاعری کے لئے بہت زیادہ سازگار و معاون عنصر تسلیم کیا ہے، اور بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ لب جو، کنار دریا، گوشۂ چمن، فصل بہار، نسیم سحر، صبح کا سہانا وقت، ان کی شاعری اور اُن کے ادب کے لئے محرک بن جاتا ہے، اور ان میں بہت سے لوگ ایسے مقام کی تلاش اور ایسے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اس طرح یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی کہ روح کی لطافت اور دماغ کا سکون ادبیات کے لئے بہت معاون ہے۔

بعض اہلِ دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت اور قوت ہے، وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت و سرمستی کا نتیجہ ہے، اور اس کے لئے وہ کسی خارجی مدد اور مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، اُن کی خوشی و سرمستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ اُن کے دل میں ہوتا ہے۔ خواجہ میر دردؔ نے جو خود صاحب دل اور صاحب درد تھے، اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔ ؎

جائیے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

غرض اس باطنی کیفیت، یقین و مشاہدہ، دعوت کے غلبہ اہلِ عصر و اہلِ تعلق کو حقائق سے آگاہ کرنے اور منزلِ مقصود پر پہونچانے کے جذبہ، اخلاص و دردمندی، رُوح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اس کے تھ

ذوقِ سلیم اور زبان پر قدرت نے حضرت شیخ شرف الدینؒ کو ایک بلند ادبی مقام عطا کیا ہے، اور انھوں نے اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کیلئے ایک مستقل اسلوب پیدا کر لیا ہے جو انھیں کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے مکتوبات نہ صرف فارسی ادبیات بلکہ اسلامی ادبیات میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں، اور معارف و حقائق، دعوت و اصلاح کے وسیع ذخیرے میں کم چیزیں ایسی ہوں گی جو اپنی ادبیت اور قوت و تاثیر میں ان کی نظیر ہوں۔

مکتوبات کے مجموعے اور اُن کے مکتوب الیہ

مکتوبات کا سب سے مشہور اور متداول مجموعہ وہ ہے جو قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ[1] کے نام کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں سو مکاتیب ہیں، کہیں "مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ مَنیری قدس سرّہٗ" کے نام سے چھپا ہے، اور کہیں "سہ صدی مکتوبات" کے نام سے، اور کہیں "مکتوبات صدی" کے نام سے۔ اس کے مرتب حضرت مخدومؒ کے معتمد خاص شیخ زین بدر عربی ہیں، وہ اس مجموعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"بندۂ ضعیف زین بدر عربی کہتا ہے کہ قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ نے جو حضرتؒ کے ایک مرید ہیں، بار بار اس مضمون کے عریضے ارسال خدمت کئے کہ یہ غریب موانع کی بناء پر حضرت مخدومؒ کی مجلس میں حاضری اور شرفِ صحبت سے (جو علوم و معارف کے حصول کا ذریعہ ہے) محروم ہے، اور حضرت مخدومؒ سے دُور ایک دوسرے مقام پر پڑا ہے، اس کی درخواست ہے کہ علم سلوک کے ہر باب میں بندہ کے فہم و استعداد کے مطابق کچھ جز تحریر میں لے آیا جائے تاکہ یہ دُور افتادہ اس

---

[1] چوسہ حضرت مخدوم صاحبؒ کے عہد میں ایک مرکزی اور معروف مقام تھا، اس زمانہ میں ضلع شاہ آباد کمشنری پٹنہ کا ایک غیر مشہور دیہات ہے۔ ۱۲

استفادہ کرسکے۔ یہ درخواست جو بڑے اخلاص و الحاح سے کی گئی تھی منظور ہوئی، اور حضرت مخدوم نے مراتب و مقاماتِ سالکین اور احوال و معاملاتِ مریدین کے سلسلہ میں بقدرِ ضرورت کچھ قلمبند فرمادیا، اور اس طرح توبہ و ارادت، توحید و معرفت، عشق و محبت، گردش و روش، کشش و کوشش، بندگی و عبودیت، تجرید و تفرید، سلامتی و ملامتی، پیری و مریدی کے بہت سے ضروری اور مفید مضامین و ہدایات، سلف کی حکایات اور ان کے احوال و اعمال کا بہت سا ذخیرہ تحریر میں آگیا۔ یہ خطوط ۷۴۷ھ کے مختلف مہینوں میں بہار سے قصبۂ چوسہ بھیجے جاتے رہے۔ خدام و حاضرین خانقاہ نے ان مکتوبات کی نقل رکھ لی، اور ان کو مرتب کرلیا تاکہ اصحابِ توفیق، طالبینِ صادق اور بعد میں آنے والوں کے کام آئیں۔

کامی سرنشانہ شد و خود جہانیاں ÷ سرمایہ بار ندہمہ زین نقود و غیب
یارب ازیں نقود سرہ و نقی بہ بخش ÷ ما را کہ قلب و ناسرہ ہستیم پر زعیب

ایک دوسرا مختصر مجموعہ "مکتوباتِ جوابی" کے نام سے علاحدہ بھی شائع ہوا ہے، اور "سہ صدی مکتوبات" (شائع کردہ کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور) کے مجموعہ میں بھی شامل ہے، یہ اُن مکتوبات کا باقی ماندہ حصّہ ہے جو شیخ مظفر کے نام ان کے عرائض کے جواب میں لکھے گئے، اور ان میں زیادہ تر راہِ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا حل اور اس راہ کی ترقیات و کیفیات کا بیان ہے، اور ان سے شیخ مظفر کے علوِ استعداد اور انعاماتِ الٰہیہ کا اندازہ ہوتا تھا۔ شیخ مظفر نے وصیت کی تھی کہ یہ مکاتیب انھیں کے ساتھ دفن کردیئے جائیں، اتفاقاً کچھ مکاتیب پر بعض خدام کی نظر پڑگئی اور انھوں نے اس کی نقل لے لی۔ یہ مجموعہ "مکتوبات جوابی" کے نام سے موسوم ہے، اس مجموعہ میں اٹھائیس مکاتیب ہیں۔

مکتوبات کا ایک تیسرا مجموعہ وہ ہے جس میں ایک سو ترپن (۱۵۳) مکتوبات ہیں، اور مختلف اشخاص کے نام ہیں، یہ مکتوبات جمادی الاولی ۷۶۹ھ اور رمضان المبارک ۷۶۹ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ خاص خاص مکتوب الیہم کے

نام یہ ہیں:-

"شیخ عمر ساکن قصبۂ انگلی، قاضی شمس الدین، قاضی زاہد، مولانا کمال الدین سنتوسی۔ مولانا صدر الدین۔ مولانا ضیاء الدین، مولانا محمود سنگانی۔ شیخ محمد ظفرآبادی المعروف بدیوانہ، ملک الامرا ملک مفرح، مولانا نظام الدین۔ داور ملک داماد سلطان محمد۔ مولانا نصیر الدین خاں۔ ملک خضر۔ شیخ قطب الدین۔ شیخ سلیمان۔ سلطان الشرق فیروزشاہ۔

مضامین کا ماخذ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو صاف احساس ہوتا ہے کہ یہ بلند علوم، یہ نادر نکات اور تحقیقات لکھنے والے کی صرف ذہانت، وفورِ علم اور غور و مطالعہ کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اس کے ذاتی تجربات اور اس کے ذوق و یقین کا نتیجہ ہیں۔ خدا کے علوئے بارگاہ، شانِ بے نیازی، اس کی داوری و کبریائی، جلال و جمال، مومن کے خوف و رجا، عارفین و واصلین بارگاہ کے ناز و گداز، سُرور و اندوہ، دریائے رحمت کی طغیانی، توبہ و انابت الی اللہ کی ضرورت پر جو لکھا گیا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محرمِ راز و آشنائے حقیقت لکھ رہا ہے۔

اسی طرح مرتبۂ انسانیت کی رفعت و بلندی، قلبِ انسان کی عظمت و وسعت، محبت کی قدر و قیمت انسان کی بلند پروازی، دُوررسی، مشکل پسندی اور عنقا طلبی، علوِ ہمت اور قوتِ طلب کے متعلق جو طاقتور مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ اعلیٰ ترین تحریرات میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔

نفس کے مغالطوں، شیطان کے فریب، اخلاقِ رذیلہ اور سلوک کی گھاٹیوں کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ سب طویل تجربے، وسیع علم اور عملی واقفیت پر مبنی ہے۔

اہلِ طریقت کی جن غلطیوں پر متنبہ کیا گیا ہے، اور شریعت کی ضرورت، تکالیف شرعیہ کے ہمیشہ باقی رہنے، نبوت کی ولایت پر ترجیح، اور مقامِ نبوت کی عظمت کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے اس کی قدر و قیمت

اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس عصر اور ماحول کا جاننا ضروری ہے جس میں یہ مکتوبات لکھے گئے ہیں۔

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت ان مکتوبات کے کچھ نمونے اور اقتباسات پیش کریں گے، جو لوگ تفصیل اور استیعاب کے خواہشمند ہیں وہ اصل مکتوبات کی طرف رجوع کریں۔

باب ہفتم

"مقامِ کبریا"

بے نیازی سُلطانِ عالم

ایک مکتوب میں شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی کو بیان کرتے ہیں کہ کسی کو اس سے چون وچرا کی گنجائش اور یارائے سوال نہیں لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ وہ جس کو چاہے دولتِ ایمان اور نعمتِ قبول سے نوازے، اور جس کو چاہے راندۂ درگاہ اور مطرود بارگاہ بنادے، جس کو چاہے خاک سے افلاک پر پہنچادے، اور جس کو چاہے افلاک سے خاک پر گرادے۔

"اگر گوئی چرا چنین است"۔ ذلك فضل الله یوتیه من یشاء (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے اس سے نوازے) اگر تم کہو کہ ایسا کیوں ہے؟ تو جواب دیا جائے گا: ذلك فضل الله یوتیه من یشاء۔

کہ بے باخداوند تواند کہ گوید چرا کے را	کس کی مجال ہے کہ خدا سے یہ کہہ سکے کہ
ایں دولت دادی دیگرے راندادی چنانکہ	کیوں فلاں کو یہ دولت دی فلاں کو نہیں
بادشاہے راز نہدیکے رامنصب وزارت دہد	دی جیسا کہ ایک بادشاہ (اس لم شہود میں)

دو دیگرے را دربانی دستور بانی ہمچنیں اگر دولتے در دین بکسے دہد خواہد از خرابات بیروں آرد و خواہد از میان جولاہگان کتناساں و ترہ فروشان و ظالمان و حرامخوران برگزیند و گوید اهولاء منّ الله علیهم من بیننا۔ فضیل عیاض را اگرچہ راہزن است بیارید کہ خواندۂ ماست بلعم باعور را کہ چار صد سال بر سر سجادہ بود از درگاہ ما برانید کہ راندۂ ماست۔ عمر را کہ بت پرستی دارد می خواہیم۔ عزازیل را کہ ہفصد ہزار سال عبادت دارد نمی خواہیم کہ گویدچرا لا یسئل عما یفعل۔"

ایک کو منصب وزارت سے سرفراز کرتا ہے دوسرے کو دربانی و کناسی پر مقرر کرتا ہے، اسی طرح جب وہ کسی کو دین کی دولت عطا فرماتا ہے تو کبھی اس کو خرابات سے اٹھالاتا ہے کبھی بے حیثیت لوگوں، خاکروبوں کنجڑوں، ظالموں اور حرامخوروں کے گروہ سے نکال لاتا ہے، کس کا جگر ہے کہ کہے :- اهولاء من الله علیهم من بیننا (کیا اللہ کو ہمارے درمیان انھیں پر احسان کرنا تھا) حکم ہوتا ہے کہ فضیل بن عیاض کو اگرچہ وہ راہ زن ہے لاؤ وہ ہمیں مطلوب ہے بلعم باعور کو جو سات لاکھ برس تک مصلے سے نہیں ہٹا ہماری درگاہ سے باہر لے جاؤ کہ وہ ہمارے یہاں کا نکالا ہوا ہے، ہم عمر کو جو بت پرستی میں مشغول ہے چاہتے ہیں عزازیل کو جو سات ہزار سال سے عبادت میں مشغول ہے نہیں چاہتے ہیں کس کی مجال ہے کہ کہے کیوں —————— (بیت) سے

گرگ از رمہ برد آنچہ مراد دل او بود

گو بادیہ پیمائی ہمی مرد شبانرا

"اگر نظر لطف افگند ہمہ عیب ما ہنر است

اگر مہربانی کی نظر ڈالے تو ہمارے سب عیب ہنر بن

و ہمہ نقصان ما کمال و ہمہ زشتی ما جمال، اے برادر مشتے خاک بود در عین مذلت در راہے افتادہ و پا کوب اقدام شدہ نظر لطف در آمد گفت :- اِنّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَة[1]"

جائیں، ہمارے تمام نقص کمال اور ہماری تمام بد ذیبی حسن و جمال۔ اے برادر! ایک مٹھی بھر خاک تھی، جو ذلت و خواری کی حالت میں راستہ میں پڑی، اور پاؤں کے نیچے آ رہی تھی، لطف و نوازش کی ایک نظر پڑی اور صدا آئی۔ اِنّی

جاعل فی الارض خلیفة

ایک دوسرے مکتوب میں اس شان بے نیازی کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہیں :-

"چشم بکشائے، و حسرت آدم ببیں، و فریاد نوح بشنو و بے کامی خلیل ببیں، و حدیث مصیبت یعقوب بشنو، بچاہ زندان یوسف ماہ رو ببیں، و آرہ بر فرق زکریا نگر، و تیغ بر گردن یحییٰ ببیں، و جگر سوختہ و دل کباب گشتہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم وعلیہم اجمعین ببیں، و برخوان کل شیئ ھالک الا وجھہ[2]"

چشم عبرت کھولو، آدمؑ کی حسرت نوحؑ کی فریاد سنو، ابراہیم خلیل اللہ کی ناکامی اور یعقوب پیغمبر کی مصیبت کی داستان پر کان دھرو، کوئیں میں یوسف ماہ رو کو دیکھو، حضرت زکریا کے سر پر آرہ اور حضرت یحییٰ کی گردن پر تلوار ملاحظہ کرو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوزش جگر و بیتابی دل پر غور کرو اور پڑھو :- کل شیئ ھالک الا وجھہ۔

ایک جگہ بارگاہ الٰہی کی بلندی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اے برادر بحقیقت بداں کہ بایں بضاعت

میرے بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ان کھوٹے سکوں

[1] مکتوب سی ام۔ [2] مکتوب سی و ہشتم۔

ناسرو مراد ترا دریں حضرت راہ نیست القوا
کہ حوصلہ باز را آفریدہ اند در حوصلہ کنجشک
کجا گنجد قبائے کہ بربالائے صاحب دولتاں
دوختہ اند برقد ما بے دولتاں راست
کجا آید[1] ۔

کے ساتھ تمہاری اس دربار عالی میں
رسائی نہیں، جو لقمہ باز و شاہین کے معدہ کیلئے
پیدا کیا گیا ہو وہ کنجشک اور چھوٹی چڑیوں کے
معدہ میں کہاں سما سکتا ہے؟ وہ قبا جو
صاحب اقبال و دولت کے جسم کے اندازہ سے
سی گئی ہو، ہم بے دولتوں کے حقیر قد و قامت پر کہاں راست آسکتی ہے؟

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ لطف الٰہی کا کوئی جھونکا پہنا ہے اور ارادۂ آلٰہی کا کوئی اشارہ ہوتا ہے تو خاک کو کیمیا بنتے اور مطرود و مردود کو مقبول بارگاہ ہوتے دیر نہیں لگتی۔ یہ بتاتے ہیں جہاں بہت ڈرنے کی ہے وہاں بڑی اُمید و حوصلہ کی بھی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"ایں دولت بخبش است نہ باستحقاق،
باللہ العظیم اگر باستحقاق بودے نصیب من و تو
ذرہ نیامدے لیکن علت از میان برداشتند
تا چنانکہ پاکاں اُمیدوار ند بے باکاں ناپاکاں
ہزار چنداں دانند دل سرمزہ کہ آشیاں
مکان است روا بود کہ صدر ملوک گردد
ولیکن اسباب درمیان است، اگر
می خواہی کہ بجائے و یا کسے گردی لاابدا آنجا

یہ دولت فضل الٰہی پر منحصر ہے نہ کہ استحقاق پر،
بخدائے عظیم اگر معاملہ استحقاق پر ہوتا، تو
میرے اور تمہارے حصہ میں ایک ذرہ بھی
نہ آتا لیکن علت کو درمیان سے اٹھا لیا یہاں تک
کہ اب جس طرح پاک نفوس اس دولت کے
امیدوار ہیں بے باک و ناپاک ہزار چند
امیدوار ہیں، وہ مزبلہ (گھورا) جو کتوں کی
نشست گاہ ہے ہو سکتا ہے کہ بادشاہوں کی

[1] مکتوب چہل و یکم۔

کہ نہاد شوریدہ و آلودہ تست پیشتر باید
شد و قدمے چند باید زد از شریعت زاد
و راحلہ، و از حقیقت بدرقہ[1]۔

شہ نشین بن جائے لیکن حکمت الٰہی نے اس کے
کچھ اسباب بھی مقرر کر دیئے ہیں اگر تمہیں منظور ہے
کہ کسی مقام پر پہنچو یا کوئی چیز بن جاؤ چونکہ
تمہاری نہاد شوریدہ اور آلودہ ہے، مردانہ وار قدم اٹھانے پڑیں گے
اور شریعت سے زاد و راحلہ اور حقیقت سے بدرقہ لینا پڑے گا۔

ایک دوسرے مکتوب میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"و فضل بے علت یکے را می نواز، و عدل
بے علت دیگرے را می گداز، عمرؓ در بتخانہ
مقبول و عبداللہ بن ابی کعب در مسجد
مخذول رحمت برجانش باد کہ گفت:۔

فضل بے علت ایک کو نوازتا ہے اور
عدل بے علت دوسرے کو پگھلاتا ہے، عمرؓ
بتخانہ کے حال کر قبول بنائے جاتے ہیں
اور عبداللہ بن ابی مسجد میں مخذول رہتا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ (بیت) ـــــــ ؎

آنرا کہ تہی سوزی می دانی ساخت
وانرا کہ تہی سازی می دانی سوخت

"اے برادر مراد ترا کار با جبارے و قہارے
افتادہ است کہ اگر خواہد بہشت را عین دوزخ
گرداند و دوزخ را عین بہشت، و از کعبہ
کلیسا برآرد و از بتکدہ کعبہ سازد در قدرت او

میرے بھائی تمہیں تمہیں ایک جبار و قہار سے
واسطہ ہے، اگر چاہے بہشت کو عین دوزخ
قرار دے اور دوزخ کو عین جنت بنا دے
کعبہ سے کلیسا برآمد کرے، اور بتکدہ کو

[1] مکتوب پنجاہم۔

ہر دو یکے است ہیچ زہرہ نماندہ است کہ
آب نشدہ است خوف آنست کہ دمبدم
و لحظہ بلحظہ می لرزی و می ترسی بناید کہ
دست روبے علت از پردۂ غیب پیدا شود
و قہر یست او را بے علت و لطفے است او را
بے علت از لطف آلودۂ طلبد تا آب
مغفرت بشوید تا پاکی لطف از دل پیدا آید
قہر ش پاکی طلبد تا رو یش بدود ہجراں سیاہ
کند تا پاکی سلطان قہر از اسباب ظاہر گردد
گاہ از زیر دامن شقی نبی بیروں آرد و گاہ
از زیر دامن نبی شقی پیدا آرد گاہ سگے را
در صف اولیا نشاند و گاہ ولی را در طویلۂ
سگاں بندد و لکن چوں قبول خواہد کرد
رد نکند و چوں رد خواہد کرد بہ ہیچ چیز
قبول نکند[۱]۔

کعبہ بنا دے، اس کی قدرت وقوت کے
سامنے سب ایک ہے، کس کا زہرہ ہے کہ
آب نہ ہوا ہو، خوف یہ ہے کہ دمبدم
و لحظہ بلحظہ لرزاں و ترساں رہو، کہیں ایسا
نہ ہو کہ اس کا دستِ قدرت بے علت
پردۂ غیب سے نمودار ہو، اس کا قہر بھی بے علت ہے
اور اس کا لطف بھی بے علت ہے، اپنے
لطف و مہربانی سے ایک آلودہ (معاصی) کو
طلب کرتا ہے تاکہ اس کو آبِ مغفرت سے
دھوئے، تاکہ لطف کی پاکی دل سے ظاہر ہو
اس کا قہر کبھی کسی پاک کو طلب کرتا ہے تاکہ
ہجر کے دھوئیں سے اس کا چہرہ سیاہ کرے
تاکہ سلطانِ قہر کا اسباب سے بے نیاز ہونا
ثابت ہو جائے، کبھی کسی شقی کے دامن کے
نیچے سے نبی کو باہر لاتا ہے، اور کبھی نبی کے
دامن کے نیچے سے شقی کو پیدا کرتا ہے، کسی کتے کو اولیا کی صف میں
بٹھاتا ہے اور کبھی ولی کو کتوں کے طویلہ میں باندھ دیتا ہے، لیکن

[۱] مکتوب پنجاہ و ہفتم (۵۷)۔

جب وہ کسی کو قبول کر لیتا ہے تو اس کو رد نہیں کرتا، اور کسی کو
رد کر دیتا ہے تو پھر کسی کے بدلہ میں قبول نہیں کرتا ———

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"نظر بر قدرت و فضل او باید داشت اگر خواہد
ہزار ہزار کلیسا و بتخانہ را کعبہ و بیت المقدس
گرداند و ہزار ہزار عاصی و فاسق را حبیب اللہ
و خلیل اللہ خطاب کند و علت درمیان نہ
و اگر خواہد بیک لحظہ ہزار ہزار کافر را مومن گرداند
و ہزار ہزار مشرک و بت پرست را موحد
گرداند، و علتے درمیان نہ، و ہزار ہزار زنختی
را لحمتی و ہزار ہزار خراباتی را مناجاتی کس را
زہرۂ چون و چرا نہ"

نظر قدرت اور فضل پر رکھنی چاہئے، اگر چاہے
ہزار ہزار کلیسا اور بتخانہ کو کعبہ اور بیت المقدس
بنا دے اور ہزار ہزار عاصیوں و فاسقوں کو حبیب اللہ
اور خلیل اللہ کا خطاب دے، علت درمیان میں
نہیں ہے، اگر چاہے ایک لحظہ میں ہزار کافروں کو
مومن بنا دے اور ہزار ہزار مشرکوں و بت پرستوں
کو موحد کر دے، اس کے لئے کسی علت کی ضرورت
نہیں، ہزار ہزار لعنتیوں کو رحمتی اور ہزار
ہزار خراباتیوں کو مناجاتی بنا دے، کسی کو
چون و چرا کا زہرہ نہیں ہے ——— ؎

ہست سلطانی مسلم مر ترا
نیست کس را زہرۂ چون و چرا

بسا پیرے مناجاتی کہ از مرکب فرو ماند ❊ لسا رند خراباتی کہ زیں بر شیر نر بندد[۱]

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :-

[۱] مکتوب شصت و دوم (۶۲)

"خود آں کند کہ خواستہ است نہ ہلاک کس بیند
و نہ نجات کس یکے در بادیہ بہ تشنگی جان می داد
و می گفت چندیں دریاہائے آب و من بہ تشنگی
جان می دہد از غیب ندا شنید کہ ہزار
ہزار صدیق را در بادیہ خونخوار آریم و بہ تیغ
مشیت خود ہمہ را ہلاک کنیم تا زاغے چند را
از کلہ و دیدۂ ایشاں قوت سازیم و اگر
معترضے زبان اعتراض برخواست ما بکشاید
ایں مہر سیاست بر زبان او نہیم کہ لا یسئل
عما یفعل زاغ زاغ ما صدیق صدیق
ما فضول در میان کیست ؟"[1]

جو چاہتا ہے کرتا ہے، نہ کسی کی ہلاکت کی
پرواہ ہے نہ کسی کی نجات کی۔ ایک صحرا میں
پیاس سے جان دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پانی کے
اتنے دریا بہہ رہے ہیں اور میں پیاس سے جان
دے رہا ہوں، غیب سے صدا آتی ہے کہ ہزاروں
صدیقین کو ہم خونخوار جنگل میں لاتے ہیں اور
اپنی تیغ مشیت سے سب کو ہلاک کر دیتے ہیں
تاکہ کچھ زاغ و زغن ان کے کلہ اور دیدہ سے
اپنی روزی حاصل کریں، اگر کوئی معترض
زبان اعتراض کھولتا ہے تو ہم اس کی
زبان پر یہ کہہ کر مہر لگا دیتے ہیں کہ :-

لا یسئل عما یفعل۔ پرندے بھی ہمارے ہیں اور صدیق
بھی ہمارے۔ بیچ میں سوال و اعتراض کرنے والا کون ؟۔

ایک دوسرے مکتوب میں یہ مضمون بیان کرتے ہوئے کہ کسی کو اپنے انجام کی خبر اور یہ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، اور یہ کہ دونوں طرح کے معاملوں کا امکان ہے، اور دونوں کے بیشمار واقعات، ایسا پُراثر مکتوب تحریر فرماتے ہیں جس کو پڑھ کر آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے :-

"اے برادر راہ نا ایمن است منزل بس دور"

میرے بھائی راستہ غیر محفوظ ہے، منزل دور ہے

[1] مکتوب پنجاہ و ششم (۵۶)۔

و محبوب و مطلوب نامتناہی و قالبے ضعیف و
دلے بیچارہ و جانے عاشق و سرے مشتاق؛
بیت ـــــ ؎

محبوب و مطلوب نامتناہی، جسم ضعیف، دل بیچارہ،
جان عاشق، سر مشتاق ـــــ
شاعر کہتا ہے :ـــــ

جز جان و جگر نیست شکار خور تو
زانست کہ ہر سگ نہ دارد سر تو

"بس خرمن طاعت کہ بوقت نزع وقدمنا
الی ما عملوا باد بے نیازی بر دہند
و بس سینہ آباداں کہ در حالت سکرات موت
وبدا لہم من اللہ مالم یکونوا
یحتسبون، خراب کنند بس روئے کہ
در لحد از قبلہ بگردانند، بس آشنا را کہ
در شب نخستیں بیگانہ خوانند یکے را گویند
نم کنومة العروس، دیگرے را گویند
نم کنومة المنحوس، روئے می آید کہ
بہیچ طاعت باز نگردد"

کتنے خرمن طاعت ہیں جو نزع کے وقت
وقدمنا الی ما عملوا من عمل
فجعلناہ ہباءً منثورا کی بے نیازی
کی آندھی کے نذر ہو جاتے ہیں، اور کتنے
آباد سینے ہیں جن کو سکرات موت میں
وبدا لہم من اللہ مالم یکونوا
یحتسبون کا فرمان سلطانی ویران
کر دیتا ہے، کتنے چہرے ہیں جن کو لحد میں
قبلہ سے پھیر دیتے ہیں، کتنے آشنا ہیں جن کو
پہلی ہی شب میں بیگانہ کہہ دیتے ہیں، کتنے ہیں

جن سے کہا جاتا ہے "نم کنومة العروس" اور دوسرے سے
ارشاد ہوتا ہے "نم کنومة المنحوس"، کبھی ایسا رد کرتے ہیں
جو کسی طاعت پر بھی واپس نہیں لیتے۔ شعر ؎

من لم یکن للوصال اہلا ؛ فکل احسانہ ذنوب

"وقبولے می آید کہ از ہیچ معصیت نیندیشد" شعر ؎

اور کبھی ایسا قبول کرتے ہیں کہ پھر کسی معصیت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

فی وجہہ شافع یمحو اساء ته

من القلوب و یأتی بالمعاذیر

"خلیلؑ را از بتخانہ آزر بیرون یخرج الحی من المیت می خواں وکنعاں را در سرائے نوحؑ بنگر و یخرج المیت من الحی میداں، اثبات آدمؑ بہ ہیں کہ زیاں ذلت محو نگرد و محو ابلیس بہ بیں کہ اثبات طاعت سود نداشت چنانکہ لھم البشریٰ خوانندگاں راہمراہ است لا بشریٰ یومئذ للمجرمین راندگاں راہ در راہ است چنانکہ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود بیان است یعرف المجرمون بسیماھم نشان است"

خلیل اللہؑ کو بتخانہ سے نکلتا ہوا دیکھو اور یخرج الحی من المیت پڑھو، کنعان کو نوحؑ کے گھر سے باہر آتا ہوا دیکھو اور یخرج المیت من الحی کو یاد کرو، آدمؑ کے نقش کو ایسا دوام بخشا کہ لغزش کا نقصان بھی اس کو مٹا نہ سکا، ابلیس کو حرف غلط کی طرح ایسا مٹایا کہ بڑی طاعتوں کے حق نے بھی اُس کو کچھ فائدہ نہ پہونچایا جس طرح کسی کے لئے لھم البشریٰ کی بشارت ہے اسی طرح راندگانِ درگاہ کے لئے لا بشریٰ یومئذ للمجرمین کا اعلان بھی ہے، جیسے کہیں سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ہے، ایسے ہی یعرف المجرمون بسیماھم بھی۔

شاعر نے ٹھیک کہا ہے

(رباعی)

غافل منشیں زخویش چوں بیخبرے ٭ حاصل کن ازیں جہانِ فانی ہنرے

خود بنشیند غبار و شک برخیزد ٭ کاسپ است بر یرانت یا لاشہ خرے

"تا توانی با دل شکستہ باش و خراب"[1]

جہاں تک ہو سکے دل شکستہ رکھو اور ویران

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بتاتے ہیں کہ شہنشاہِ مطلق کے صفات و معاملات جمالی و جلالی قہاری و غفاری دونوں اپنا اپنا عمل کرتے ہیں، اور یہ دونوں صفتیں اپنے عمل میں ایسی آزاد ہیں اور عالم میں اُن کے ایسے تصرفات ہیں کہ مومن کے لئے خوف و رجا (امید و بیم) کے درمیان رہنے کے سوا چارہ نہیں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی شان فعالٌ لما یرید کی تشریح کرتے ہوئے، اور اس کی مثالیں دیتے ہوئے اپنے اس زورِ قلم اور اس یقین و وثوق کے ساتھ جو انھیں کا حصہ ہے، لکھتے ہیں:۔

"گاہ لطف بے علت می گوید کہ در آئی کہ ایں جا گرد قدم سگے توتیائے دیدۂ دوستاں می سازند و بہ تشریف وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید در کلام مجید خود تا قیامت می نوازند گاہ قہرِ بے علت ندامی کند الحذر الحذر اینجا معلم الملکوت را کہ ہفصد ہزار سال معتکف درگاہ بود لباس ملکی از سرش برمی کشند و داغ وان علیک لعنتی بر پیشانی آدمی

کبھی لطف بے علت کہتا ہے کہ اندر آجا کہ یہاں کتے کے پاؤں کی گرد کو بھی دوستوں کی آنکھ کی توتیا بناتے ہیں، اور وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید کہہ کر قیامت تک کے لئے کتے کا مرتبہ بڑھاتے ہیں، اور کبھی قہر بے علت آواز دیتا ہے کہ خبردار خبردار یہاں معلم الملکوت کے سر سے جو سات لاکھ سال معتکف درگاہ رہا ہے لباس ملکی اُتار کر وان علیک لعنتی

[1] مکتوب ہفتاد و ہفتم (۷۷)۔

نهند گاه عمرے راکہ بیگانہ بود در کلیسا از
پیش بت بری دارند و می گویند
انا لک شئت ام ابیت و انت
لی شئت ام ابیت، گاہ بلعم بن باعوٗ
راکہ یگانہ بود و اسم اعظم خلعت داشت از
مسجد بیروں می کنند و در طویلۂ سگاں می
بندند و می گویند فمثلہ کمثل الکلب
ان تحمل علیہ یلھث گاہ ہزار
آسیا و بلا و رحا عنا بر دل و جگر مرید
می رانند، گاہ ہزاراں ساکنان خطائرِ
قدس را بر استقبال می فرستند و بلطف
می خوانند، گاہ کوہے می بخشند، گاہ
کاہے نگزارند، گاہ در صدرِ بہشت
نشانند، گاہ بیروں کنند و بر در
نگذارند، ایں جا عقل و علم نگونسار ند،
ایں جا پیر و مرید نقش بر دیوار اند، ایں جا
"فعّال لما یرید" است. ایں جا
یفعل اللہ ما یشاء و یحکم
ما یرید" است[1]۔

کا داغ اس کی پیشانی پر لگا دیتے ہیں، کبھی
عمر کو جو بیگانہ تھا بُت کے سامنے سے ہٹا کر
اپنے پاس بُلا کر کہتے ہیں میں تمھارا ہوں
چاہو یا نہ چاہو، اور تم میرے ہو چاہو یا
نہ چاہو، اور کبھی بلعم باعور کو جو یگانہ تھا
اور اسم اعظم کے خلعت سے سرفراز تھا
مسجد سے باہر کھینچ کر کتوں کے طویلہ میں
باندھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں فمثلہ
کمثل الکلب ان تحمل علیہ
یلھث (اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی ہے
کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے، اور
اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے تب بھی
ہانپے) کبھی ہزار بلاؤں اور تکلیفوں کی چکیاں
طالب کے دل و جگر پر چلاتے ہیں، کبھی کبھی
ہزار در ہزار ساکنین حظیرۃ القدس کو اس کے
استقبال کے لئے بھیجتے ہیں، اور بڑی
مہربانی اور دلنوازی کے ساتھ اس کو اپنے
پاس بُلاتے ہیں، کبھی کبھی پورا پورا پہاڑ
بخش دیتے ہیں اور کبھی ایک تنکا بھی نہیں

[1] مکتوب ہفتاد و ہشتم (۷۸)۔

چھوڑتے، کبھی بہشت کے صدر مقام پر بٹھاتے ہیں اور کبھی ایسا باہر نکالتے ہیں کہ دروازہ پر بھی نہیں چھوڑتے، یہاں عقل و علم نگونسار ہیں اور پیر و مرید نقش بر دیوار، یہاں فعّال لما یرید کا ظہور ہے، اور یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید کی تجلی۔

دریائے رحمت کا جوش

اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی و استغنا، اختیارِ مطلق، قدرت کاملہ اور جباری اور قہاری کے متعلق اور ایسے اقتباسات گذر چکے ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان پر ایک لرزہ طاری ہو جاتا ہے، اور کچھ عجب نہیں کہ ایک مخلص اور صاحبِ یقین کی زبان سے جس کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر و تحریر کی پوری قوت عطا فرمائی ہے، پڑھنے والے پر مایوسی کی کیفیت طاری ہو جائے اور اس کو اپنا کہیں ٹھکانا نظر نہ آئے، علمائے ربانی اور نائبین رسولِ بشیر و نذیر کا نمونہ ہوتے ہیں، اور وہ بندگانِ خدا کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے، بلکہ ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں، اور عمل و کوشش پر آمادہ کرتے ہیں کہ یہی انبیاءؑ کی بعثت اور ان کے نائبین کی دعوت اور جد و جہد کا مقصود ہے، جلال کے ساتھ جمال، قہاری کے ساتھ غفاری کی شان بھی اسی وضاحت اور قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور رحمتی وسعت کل شیئ اور قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم کی تفصیل اسی بلاغت اور خطابت کے ساتھ فرماتے ہیں:-

جس بلیغ و پُرزور قلم نے آفتابِ قہر کی تابش و سوزش اور شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی اور کبریائی کو بیان کیا تھا، اب وہ اسی زور اور بلاغت کے ساتھ دریائے رحمت کی طغیانی اور خدائے کریم ارحم الراحمین کی آمرزش و بخشش اور نکتہ نوازی کا نقشہ کھینچتا ہے، اور اس طرح دعوت میں توازن پیدا ہوتا ہے جو انبیاءِ کرام کا ورثہ اور اُن کے نائبین برحق کا حصہ ہے، فرماتے ہیں:-

"اے برادر چوں دریائے رحمتِ حق موج کرامت و مغفرت زند جملہ زلات و معاصی منعدم و لاشی گردد ہمہ عیب رنگ ہنر گیرد زیراکہ زلت و معصیت لم یکن است و رحمت لم یزل است لم یکن بالم یزل کے برابر تواند شد و را با این خاک کار رحمت است واگرنہ این سیاہ گلیم وجود ما و این ذرۂ خاک ناپاک ما راکے زہرہ بودے کہ قدم بر حاشیہ بساط مالک الملک نہادے اے بسا خراباتی درِ دے؛ حدیث شیطان در رُخ مالیدہ و درختِ روزگارش در مزبلۂ شہوات بالیدہ ناگاہ علی الفتوح رسولِ معبولِ وصول پدید آمدہ گفتہ الحبیب یقرئک السلام و یقول لی معک کلامٌ[ل]"

میرے بھائی! جب اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کرامت و مغفرت کی موج اٹھتی ہے تو تمام لغزشیں اور معاصی معدوم و فنا ہو جاتے ہیں اور سب عیب، ہنر بن جاتے ہیں اس لئے کہ زلت و معصیت حادث اور فانی ہے اور رحمتِ حق لم یزلی، حادث و فانی ابدی اور لم یزلی کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں، اس مشتِ خاک کا سارا دار و مدار رحمت ہی پر ہے، ورنہ ہمارے اس وجود کی یہ سیاہ گلیم اور ہماری خاک ناپاک کے اس ذرہ کا کیا حوصلہ تھا کہ مالک الملک کے حاشیۂ بساط پر قدم رکھتا، کتنے اہلِ خرابات ہیں جن کے چہرہ پر شیطان نے سیاہی مل دی ہے اور جن کی قسمت کا درخت خواہشاتِ نفسانی کے مزبلہ میں اُگا ہے ناگاہ قبولیتِ حق کا قاصد نمودار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ محبوبِ حقیقی تم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

ل مکتوب پنجاہ و ششم (۵۶) ۔

صلائے عام

وہ اپنے مکتوب الیہ کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور اصلاحِ حال ترقی اور خدا کی رحمت کا ایسا شوق دلاتے ہیں کہ گویا مائدہ شاہی چنا ہوا ہے اور ساری دنیا کو صلائے عام ہے اور میخانۂ رحمت جوش پر ہے، یہاں محروم رہنے کا کوئی سوال نہیں، اور یہ کہ مطلوب خود طالب کو سہارا دینے والا اور اپنی طرف کھینچنے والا ہے، ورنہ کہاں یہ ظلوم و جہول، حادث و فانی انسان کہاں وہ ملک قدوس۔ لیس کمثلہ شیئٌ ۔ ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
برکریماں کارہا دشوار نیست

"درِ کرم باز است و مائدہ کشیدہ بشتاب و خود را دریاب اے برادر از آنجا کہ بشر است طلب او چہ تواند بود اما کرمِ فیاض نہ خواجہ رامی گذارد و نہ غلام را و نہ تونگر را و نہ درویش را، چوں آفتاب از برجِ خویش طالع گردد اگر اہلِ عالم کمرِ طلب درمیان بندند تا ذرہ از نور او بدست آرند نتوانند ولکن او خود بحکم کرم چنانچہ در کوشکِ سلطانان و سرائے خواجگان بتابد در کلبۂ گدایان و زاویہ اندوہ درویشان نیز بتابد و خاک و آب را ببیں این دولت را ببیں کہ یحبہم و یحبونہ ۔ و دیگر

دروازۂ کرم کھلا ہوا ہے اور دسترخوان لگا ہوا ہے جلدی کرو اور اپنے کو پالو اے بھائی! بشر کیا بشر کی طلب کیا! لیکن کرمِ بے نہایت نہ آقا کو چھوڑتا ہے نہ غلام کو، نہ غنی کو نہ فقیر کو، جس طرح کہ آفتاب جب اپنے بُرج سے طلوع کرتا ہے اگر اہلِ عالم کمرِ ہمت باندھ لیں کہ اس کے نور کا ایک ذرہ اپنے ہاتھ میں لے لیں اس پر وہ قادر نہیں لیکن وہ خود اپنی سخاوت و فیضِ عام کی بنا پر جس طرح کوشکِ سلطانی پر اور سرائے اُمرا پر چمکتا ہے فقیروں اور بے نواؤں کے کلبۂ احزان کو بھی روشن کرتا ہے، تم خاک و آب کو مت دیکھو

الی اللہ ولی الذین اٰمنوا و دیگر
سقاھم ربھم ملک مقرب را ایں
تشریف و خلعت کہ تراہست نیست
فرشتگان مقرب و معصوم ہستند و پاکان
و مقدسان و سبحان و روحانیان ہستند
ولیکن خود کار آب گل دیگر است ''

اس دولت و اقبال کو دیکھو کہ یحبھم
ویحبونہ، ارشاد ہے ایک جگہ فرماتا ہے
اللہ ولی الذین اٰمنوا، دوسری جگہ
فرماتا ہے وسقاھم ربھم، مقرب
فرشتے کو بھی یہ عزت و خلعت حاصل نہیں
جو تم کو حاصل ہے۔ ملائکہ مقرب ہیں،
معصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں، بڑی تسبیح و تقدیس کرنے والے
اور بڑے رُوحانی ہیں لیکن آب و گل کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔

کریم نکتہ نواز

رحمت کی اس وسعت اور خود رحیم کی دستگیری، چارہ سازی اور نکتہ نوازی کی بنا پر وہ بڑے سے بڑے عاصی اور آلودۂ معاصی کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ رجوع و انابت سے کام لے، اور صدق دل سے توبہ کرکے اپنی قسمت اور اپنی حقیقت میں بڑی سے بڑی تبدیلی پیدا کرلے، وہ اس موقع پر گناہگاروں اور ان بے قیمت چیزوں کو یاد دلاتے ہیں جن کی دیکھتے دیکھتے قسمت بدل گئی، اور وہ بے قیمت سے بیش قیمت بن گئیں۔ گناہ کتنے زیادہ ہوں خدا کی رحمت ان سے کہیں وسیع اور کہیں قوی اور غالب ہے۔ سودا کتنا ہی عیب دار و ناقص ہو جب نقاد خریدار نے خرید لیا تو پھر اس میں کیا عیب رہ جاتا ہے، اور کسی کا کیا مُنہ ہے کہ اس میں عیب نکالے۔ فرماتے ہیں:۔

"اے برادر ہر چند آلودۂ و ملوثے چنگ
بتوبہ زن و اُمیدوار باش کہ از سحرۂ فرعون
آلودہ ترنۂ، و از سگ اصحاب کہف
ملوث ترنۂ، و از سنگ طور سینا جماد ترنۂ،

اے بھائی! تم کتنے ہی آلودہ و ملوث ہو
دامن توبہ تھام لو، اور اُمیدوارِ رحمت بنے رہو
کہ تم نہ ساحرانِ فرعون سے آلودہ تر ہو اور
نہ اصحاب کہف کے کتے سے زیادہ گندے،

واز چوب حنانہ بے قیمت ترنۂ، غلام را
اگرچہ از حبش آرند چہ زیاں دارد و چوں خواجہ
اش کافور نام نہد، چوں ملائکہ گفتند کہ مارا
بفساد ایشاں طاقت نیست ندا آمد آرے
اگر بر در شما فرستم رد کنید و اگر بر دست شما
بفروشم نخریدی ترسید کہ معصیت ایشاں از
رحمت ما زیادت آید یا می ترسید کہ
آلودگیِ ایشاں بر کمال قدوسی ما لوثی آرد
ایں مشتے خاکیانند کہ در حضرت ما مقبول
آنند، چوں قبول ما آمد معصیت و لوث
ایشاں را چہ زیاں کند۔

نہ طور سینا کے پتھر سے زیادہ بڑھ کر جماد، اور نہ
ستون حنانہ[1] سے بڑھ کر بے قیمت، غلام کو
اگر حبش سے پکڑ کر کے لاتے ہیں تو کیا عیب
کی بات ہے جبکہ اس کا آقا اس کو کافور
لقب دیتا ہے، جب ملائکہ نے عرض کیا کہ
ہم کو اس مشتِ خاک کے فساد کی طاقت نہیں،
آواز آئی کہ اگر ہم اس کو تمہارے دروازے
بھیجیں رد کر دینا، اگر تمہارے ہاتھ
بیچیں تو مت خریدنا، تم ڈرتے ہو کہ ان
انسانوں کی معصیت ہماری رحمت سے
زیادہ ہوگی، یا اس سے ڈرتے ہو کہ ان کی
آلودگی ہمارے کمالِ قدوسیت پر داغ ڈال دے گی، یہ مشتِ خاک ہیں جو
ہماری بارگاہ میں مقبول ہیں اور ہمیں قبول ہیں، ان کی معصیت و آلودگی
سے کیا نقصان۔

شاعر نے خوب کہا ہے ـــــ ؎

[1] ستون حنانہ: مسجد نبوی کا وہ چوبیں ستون تھا جس کے سہارے سے کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب منبر نبوی بن گیا اور آپ نے اس پر ایستادہ ہو کر خطبہ دینا شروع فرمایا، تو دردِ فراق سے لکڑی کے اس ستون کی چرچراہٹ کی آواز سُنی گئی۔ ۱۲

سراسر ما ہمہ علیم بدیدی و خریدی تو
زہے کالائے پر عیب و زہے لُطفِ خریداری[۱]

توبہ کی تاثیر

توبہ سے انسان کی حالت میں جو تغیر اور اس کو جو ترقی اور کمال حاصل ہوتا ہے، توبہ کی کیفیت اور اس کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"توبہ ایں بود مرید بحقیقت ایں جا تائب گردد، وایں را گردش خوانند یعنی از حال پلیدی و آلودگی بحال پاکی بگشت کلیسا بود مسجد گشت بتخانہ بود صومعہ گشت، دیو بود آدمی گشت خاک بود زر گشت، شب تار بود روز روشن گشت آں گاہ بر دل مرید آفتاب ایمان طالع شود و اسلام جمال خود بد و نماید در سر کوئے معرفت راہ یابد"[۲]

توبہ اس طرح ہوتی ہے اور مرید اس موقع پر تائب ہوتا ہے اس کو گردش کہتے ہیں یعنی پلیدی اور آلودگی کی حالت سے پاکی کی حالت میں وہ تبدیل ہوگیا، کلیسا تھا مسجد ہوگیا، بتخانہ تھا عبادت گاہ بن گیا، سرکش تھا انسان بن گیا، مٹی تھا سونا بن گیا، اندھیری رات تھی روز روشن ہوگیا، اس وقت مومن کے دل پر ایمان کا آفتاب طلوع کرتا ہے اور اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے اور کوچۂ معرفت کی وہ راہ پاتا ہے۔

[۱] مکتوب دوم (۲)۔

[۲] مکتوب بست و نہم (۲۹)۔

باب ہشتم

مرتبۂ انسانیت

ایک انقلاب انگیز دعوت

کتاب کے موثر ترین حصّوں میں سے ایک حصّہ وہ ہے جو انسان کے مقام اور مرتبہ، قلبِ انسانی کی وسعت و رفعت، انسان کی صلاحیتوں اس کی ترقی کے امکانات، اور محبت کی قدر و قیمت کے متعلق لکھا گیا ہے۔

اس موضوع پر نظم میں حکیم سنائیؒ، خواجہ فرید الدین عطارؒ اور مولانا رومؒ نے بہت کچھ فرمایا ہے لیکن نثر میں حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے مکتوبات سے زیادہ طاقتور، بلیغ اور موثر تحریر نظر سے نہیں گذری۔ ان کو پڑھ کر انسان کے دل میں اعتماد و حوصلہ، جرأت و ہمت، اُمید و رجا، ترقی و پرواز اور ان انتہائی کمالات تک پہونچنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے جو انسان کے لئے مقدر ہیں، اور اس یاس و نا اُمیدی کم حوصلگی و بے اعتمادی افسردگی و شرمندگی کا ازالہ ہوتا ہے جو "خود شکنی" و "خود انکاری" کے بعض کوتاہ اندیش مبلغوں نے پیدا کر دی تھی، اور جس کے نتیجہ میں انسانیت ننگ و عار اور ایک ناقابلِ اصلاح فطری عیب اور ناقابلِ تلافی تقصیر بن گئی تھی، اور در و دیوار سے یہ صدا آنے لگی تھی۔ ع

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب[۱]

[۱] اے انسان تیرا وجود ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں۔ ۱۲

اور یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ انسان کی ترقیات میں خود انسانیت سب سے بڑھ کر سدِ راہ اور ایک سنگِ گراں ہے جس کو راستے سے ہٹانا انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے، انسان اپنے کو "محمود و مسجود ملائکہ" سمجھنے کے بجائے فرشتوں پر رشک کرنے لگا تھا، اور اس ناسوتی فطرت اور خصائص انسانیت سے منحرف اور باغی ہو کر اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرنے اور فرشتوں کی تقلید کرنے کا خواہش مند نظر آتا تھا۔

اس فضا میں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ایک نامانوس آواز بلند کی اور اس جوش اور بلاغت کے ساتھ انسانیت کی بلندی اور انسان کی رفعت و محبوبیت اور اسکے خلیفۃ اللہ ہونے کا اعلان کیا، اور اس مضمون کو اپنے مکتوبات میں اتنے بار دہرایا اور مختلف اسالیب اور طریقوں سے اس کو بیان کیا، کہ اگر اس کو یکجا جمع کر دیا جائے، تو اس موضوع پر ایک ایسا ادبی ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے جس کو پڑھ کر انسان کا دل حوصلوں اور اُمنگوں سے معمور ہو جاتا ہے اور انسان کے قلبِ افسردہ اور تنِ مردہ میں زندگی کی رُوح دوڑ جاتی ہے اور اُس کو اپنی انسانیت پر ناز ہونے لگتا ہے۔

خالق کی نظرِ خاص

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ موجودات و مصنوعات تو بہت تھے، اور ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر، لیکن محبوبیت و خلافت کی خلعتِ فاخرہ ضعیف البنیان انسان ہی کے جسم پر راست آنے والی تھی، وہ بیشک ملائکہ کی طرح معصوم نہیں، اس سے گناہوں کا صدور مستبعد نہیں، لیکن خالق کی نظرِ عنایت سب کی تلافی کے لئے کافی ہے، اور یہ وہ پاسنگ ہے کہ ترازو کے جس پلڑے پر رکھ دیا جائے وہ پلڑا جھک جائے گا۔ فرماتے ہیں:-

"موجودات بسیار بودند و مصنوعات بیشمار لیکن باہیچ موجودے ایں کار نبود کہ با آب و گل چوں رب العزت خواست کہ نقطۂ خاک را

موجودات بہت اور مصنوعات بیشمار تھے، لیکن کسی ہستی کے ساتھ وہ معاملہ نہیں تھا جو اس مٹی پانی کے مجموعہ کے ساتھ تھا، جب

لباس وجود پوشاند و بر سر یر خلافت نشاند ملائکۂ ملکوت گفتند "اتجعل فیھا من یفسد فیھا"، لطف قدیم جواب داد "لیس فی الحب مشورۃ"، عشق و تدبیر ہم جمع نشوند تسبیح و تہلیل شمارا چہ خطر اگر قبول ما نبود وایشاں را از گناہ چہ ضرر، چوں ساقی لطف ما قدح عفو در دست ایشاں نہد" فاولئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات" بلے شمار است روید و ایشاں ہر گونہ روند لیکن چوں بایشاں راخواستم بساط رحمت گستردیم اگر بر جبیں خطے از معصیت پدید آید محبت ما آنرا بلطف بردارد شما آں می بینید کہ سروکار ایشاں باماست در معاملت آں نمی بینید کہ سروکار ما بایشان است در محبت چنانکہ قائلے گفتہ است۔ شعر

واذا الحبیب اتی بذنب واحد

جاءت محاسنہ بالف شفیع[1]

رب العزت کو منظور ہوا کہ اس خاکی پُتلے کو وجود کا لباس پہنائے اور خلافت کے تخت پر بٹھائے، ملائکہ ملکوت نے عرض کیا کہ:- "آپ زمین میں ایک ایسی ہستی کو خلیفہ بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں جو اس میں فساد برپا کریگی" لطف قدیم نے جواب دیا "محبت میں مشورہ نہیں ہوتا، اور عشق و تدبیر جمع نہیں ہوتے"، تمہاری تسبیح و تہلیل کی کیا قیمت ہے، اگر ہمیں قبول نہ ہو، اور ان کو گناہوں سے کیا نقصان اگر ہمارے لطف و عنایت کا ساقی عفو و معافی کا پیمانہ ان کے ہاتھ پر رکھ دے۔۔۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کرے گا، ہاں تم ہمیشہ سیدھے راستے میں چلنے والے ہو، اور وہ ہر طرف چلیں گے، لیکن جب ہم نے ان کو چاہا تو رحمت کا فرش اُن کے لئے بچھایا، اگر اُن کی پیشانی پر گناہ کوئی لکیر ڈالے گا ہماری مہربانی اس کو مٹادے گی۔ تم یہ تو دیکھتے ہو کہ معاملات میں

[1] مکتوب سی و ہشتم۔ ۱۲

ہم ان کے مطلوب ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ محبت میں وہ ہمارے
مطلوب ہیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎
کہ محبوب سے ایک گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس کے محاسن ہزار سفارشی
لاکر کھڑا کر دیتے ہیں۔

امانت محبت ایک دوسری جگہ انسان کی محبوبیت اور اختصاص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"مخلوقات دیگر را با محبت کار نبود کہ
ہمت بلند نداشتند آں کار ملائکہ کہ راست
بینی ازاں سمت کہ با ایشاں حدیث محبت
نرفتہ است و ایں زیر و زبرے کہ درراہ
آدمیاں می بینی ازاں ست کہ با ایشاں
حدیث محبت رفت کہ "یحبھم و یحبونہ"
پس ہر کرا شمۂ محبت بمشام او رسیدہ است
کو دل از سلامت بردارد و خود را وداع
کند کہ المحبۃ لا تبقی و لا تذر"
بیت ؎
عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد
ورنے بسلامت و بساماں بودم
چوں نوبت درد دولت آدم درآمد خروشے

دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی سروکار
نہ تھا کہ وہ ہمت بلند نہیں رکھتی تھیں،
ملائکہ کے کام میں جو تم کو یکسانی اور یک رنگی
نظر آتی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ
حدیث محبت کے مخاطب نہیں، اور یہ جو
آدمیوں کے راستے میں نشیب و فراز نظر آتے ہیں
وہ اس وجہ سے کہ ان کے ساتھ محبت کا
معاملہ ہے۔ پس جس کے مشام جاں تک
محبت کی خوشبو پہونچی اس کو چاہئے کہ
سلامتی کو سلام کرے اور خود کو وداع، کہ
محبت کسی چیز کی رَوادار نہیں شاعر نے کہا ہے ؎
عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد
ورنے بسلامت و بساماں بودم

و جوشے در مملکت افتاد و گفتند چہ افتاد کہ
چندیں ہزار سال تسبیح و تہلیل ما را بباد
بر دادند و آدم خاکی را بر کشیدند بر ما گزیدند
ندا شنیدند کہ شما بصورت خاک منگرید بداں
ودیعت پاک نگرید کہ یحبھم و یحبونہ
و آتش محبت در دلہا ایشاں زدہ است"[1]

جب آدم کی قسمت و اقبال کا ستارہ
بلند ہوا تو کائنات میں ایک تلاطم برپا ہوا
کہنے والوں نے کہا کہ اتنے ہزار سال کی ہماری
تسبیح و تہلیل کو نظر انداز کر دیا، اور خاک کے
پتلے آدم کو سرفراز کیا گیا اور ہم پر ترجیح
دی گئی۔ آواز آئی کہ "تم اس خاک کی صورت کو
مت دیکھو، اس پاک جوہر کو دیکھو جو اُن کے اندر ودیعت ہے" یحبھم
و یحبونہ۔ محبت کی آگ اُن کے دلوں میں لگائی گئی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں اس خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"خدائے عز و جل را ہشتاد ہزار عالم است
ایں جملہ ازیں حدیث فارغ اندو حظے
و نصیبے ندارند الا آدمی کہ ایں کرامت
بہیچ نوع از انواع موجودات دیگر را ندادند
ازیں جاست کہ گفت آنکہ گفت"
بیت ؎
پنداے بلندی و پستی توئی
ہمہ نیستند انچہ ہستی توئی[2]

اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے لیکن
یہ سب مخلوقات حدیث سوز و محبت سے بے تعلق ہیں
اور انکو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا، یہ دولت تو
آدمی ہی کے حصہ میں آئی، موجودات کی دوسری
اقسام میں سے کسی قسم کو بھی یہ شرف عطا نہ ہوا۔
اسی لئے کسی کہنے والے نے کہا ہے۔ ؎
پنداے بلندی و پستی توئی
ہمہ نیستند انچہ ہستی توئی

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶)۔ [2] مکتوب پنجاہ و نہم (۵۹)۔

حاصلِ وجود

ایک دوسرے مکتوب میں آب و گل کی اس قسمت و عزت کا ذکر کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ انسان کا حاصلِ وجود اور اس پورے نظامِ خلق و تکوین کا مقصود ہے، اور اس کو محبوبیت و اختصاص حاصل ہے۔ فرماتے ہیں:-

"اے برادر دولت آب و خاک نہ اندک است و کار آدم و آدمیاں نہ مختصر، عرش و کرسی و لوح و قلم و آسمان و زمین ہمہ بہ طفیل اوست، استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ گفت اگر آدم را خلیفہ گفت و خلیل را "اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا" گفت و موسیٰ را "واصطنعتک لنفسی" گفت، و ما را یحبھم و یحبونہ گفت، گفتہ اند اگر ایں حدیث را با دلہائے مناسبت نبودے دل خود دل نبودے واگر خورشید محبت بر جانہائے آدم و آدمیاں نتافتے کار آدم چوں موجودات دیگر بودے۔"[1]

میرے بھائی مٹی پانی کا اقبال کچھ کم نہیں اور آدم اور آدمیوں کا مرتبہ معمولی نہیں، عرش و کرسی لوح و قلم آسمان و زمین سب انسان ہی کے طفیل میں ہیں۔ استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے آدم کو اپنا خلیفہ کہا، حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ کا لقب دیا (واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا) اور حضرت موسیٰ کیلئے ارشاد ہوا کہ میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا اور مومنین کے متعلق ارشاد ہے:- "یحبھم و یحبونہ"، لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اس حدیثِ محبت کو دلوں سے مناسبت نہ ہوتی تو دل دل کہلانے کا مستحق نہ ہوتا۔

اور اگر آفتابِ محبت آدم و اولادِ آدم کے جان و دل پر ضیا پاشی نہ کرتا، تو آدم کا معاملہ بھی دوسری موجودات ہی کی طرح ہوتا۔

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶)۔

بارِ امانت

انسان کی بلندی اور اس کی خصوصیت اس بارِ امانت کا نتیجہ ہے جس کے قبول کرنے سے آسمان و زمین اور پہاڑوں نے دست بستہ معافی مانگی اور اس ظلوم و جہول انسان نے اس کو اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھا لیا، اس کی بے مائگی اور بے نوائی کام آئی، خاک کے ذرہ نے سوچا کہ اگر اس بارِ عظیم کے حقوق کی ادائگی میں کوتاہی ہوئی، تو اس کے پاس کیا ہے جو لے لیا جائے گا، اور خاک کے نیچے کون سا مرتبہ ہے جس پر اُتار دیا جائے گا، وہ اپنی بلند ہمتی اور خود شناسی سے اب بھی "ھل من مزید" کا نعرہ لگا رہا ہے۔ ایک مکتوب میں جو ادب، زورِ بیان اور تاثیر کے اعلیٰ نمونوں میں سے ہے، فرماتے ہیں:-

"آب و خاک را کارے بلند است و ہمتے بس بزرگ، ہر چند فقر و فاقہ و گدائی و بینوائی اصل اوست چوں آفتاب امانت در آسمان عرض نیافت ملائکہ ملکوت کہ ہفتصد ہزار سال در ریاض تقدیس و تسبیح چریدہ بودند نعرۂ نحن نسبح بحمدک زدہ مسکین وار رخت بینوائی بربستند و بعجز خود معترف گشتند" فابین ان یحملنھا" و ہمچنیں آسمان گفت مرا صفت رفعت است و زمین گفت مرا خلعت بسط است و کوہ گفت مرا صفت ثبات است و معدن جواہر گفت بناید کرد ما آفتے

آب و خاک کا مرتبہ بلند ہے اور ہمت بڑی، ہر چند فقر و فاقہ گدائی و بینوائی اس کے خمیر میں داخل ہے لیکن جب آفتابِ امانت آسمانِ وجود میں درخشاں ہوا ملائکہ ملکوت نے جو سات لاکھ سال سے تقدیس و تسبیح کے چمنستان سے اپنی غذا حاصل کر رہے تھے اور "نحن نسبح بحمدک" کا نعرہ بلند کر رہے تھے عاجزانہ اپنی بے بسی کا اظہار اور اپنے عجز کا اعتراف کیا "فابین ان یحملنھا" اور اس بارِ گراں کے اٹھانے سے معذوری ظاہر کی۔ آسمان نے کہا کہ میری صفت رفعت ہے۔ زمین

داد یابد، آں ذرۂ خاک بیباک دست نیاز از آستین فقر وفاقہ بیروں آورد وآں بار امانت بجان گرفت واز دو عالم بذرہ ہیند یشید گفت مرا چیست کہ از من بستانند چیزے را کہ خوار کنند در خاک مانند خاک رادر چہ مانند مردانہ پیش آمد بارے کہ اہل ہفت آسمان وزمین نکشید ند بر خود نہادہ ونعرۂ "ھل من مزید" زد[1]

نے کہا کہ میرا خلعت فرشِ خاکی ہے، پہاڑ نے کہا میرا منصب پہرہ داری اور ایک پاؤں پر کھڑا رہنا ہے، جواہرات نے عرض کیا کہ کہیں ہمارے شیشہ میں بال نہ آجائے، اس خاکِ بیباک کے ذرہ نے فقر وفاقہ کی آستین سے دستِ نیاز نکالا اور اس بارِ امانت کو سینہ سے لگالیا اور دو عالم میں سے کسی چیز کا غم نہ کیا، اس نے کہا میرے پاس کیا ہے جس کو چھین لیں گے، جب کسی چیز کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں مٹی میں ملا دیتے ہیں، مٹی کو کس میں ملائیں گے. مردانہ وار بڑھا، اور اس بوجھ کو جس کو سات آسمان وزمین نہ سہار سکے ہنسی خوشی اٹھالیا، اور "ھل من مزید" کا نعرہ لگایا۔

ذرۂ خاک کا اقبال

ایک دوسری جگہ اسی آب وگل کی قسمت وقیمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔ شہباز محبت کو سینۂ آدمؑ کے سوا کوئی آشیانہ نہ ملا، آسمان کی بلندی اور عرش وکرسی کی وسعت سے گزرتا ہوا اس نے دلِ عاشق کو اپنا نشیمن بنایا، اسی بلاغت طراز قلم سے تحریر فرماتے ہیں :۔

"آب وخاک را اندک مشمر ہر چہ دارد

آب وخاک کو کم نہ سمجھو، جو کچھ کمالات ہیں

[1] مکتوب چہل ونہم (۴۹)۔

آب وخاک دارد، ہر چہ آمدہ است با آب وخاک آمدہ است ودیگر ہمہ نقش بر دیوار اند، آوردہ اند کہ چوں شہبازِ محبت از آشیانۂ عزت بپرید بہ عرش رسید عظمت دید در گذشت بہ کرسی رسید وسعت دید در گذشت بہ آسماں رسید رفعت دید در گذشت بہ خاک رسید محنت دید فرود آمد"[1]

آب وخاک ہی کے اندر ہیں، اور جو کچھ اس دنیا میں آیا ہے آب وخاک ہی کے ساتھ آیا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ نظر آتا ہے نقش بر دیوار سے زیادہ نہیں، کہنے والوں نے کہا ہے کہ شہبازِ محبت نے آشیانۂ عزت سے پرواز کی، عرش کے پاس سے گزرا عظمت دیکھی گزر گیا، کرسی پر پہنچا وسعت دیکھی گزر گیا، آسمان پر پہنچا رفعت دیکھی آگے بڑھ گیا، خاک پر پہنچا محنت دیکھی اُتر آیا۔

اس مضمون کو کسی شاعر عارف نے انسان کا ترجمان بن کر یوں ادا کیا ہے۔ ؎

ارض وسما کہاں تری وسعت کو پا سکے

میرا ہی دل ہے وہ کہ تو اس میں سما سکے

ایک دوسری جگہ انسان کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے اور اسکے حال پر اسکے پیدا کرنے والے کی نظرِ عنایت اور نگاہِ محبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اے برادر اوراباایں آب وخاک سرّ ہا وکرہا است، ودر خبر است کہ چوں عزرائیل آہنگ جان یکے از ایں امت کند

اے بھائی خالق کا اس آب وخاک کے ساتھ خاص معاملہ اور خاص عنایات ہیں، ایک روایت میں آیا ہے کہ جب ملک الموت

[1] مکتوب پنجاہم (۵۰)۔

از حضرت عزت بدو خطاب رسد کہ
سلام و تحیت ما اول بدو رساں پس دست
بجان او برو، در کلام مجید خواندۂ کہ فردا
حق تعالیٰ بے واسطہ بر مومناں سلام گوید
کہ "سلام قولا من رب رحیم"
لا الٰہ الا اللہ، کلام او ازلی و سلام
او ازلی اگر ارادت قدیم او را بایں مشتے
خاکیاں کرم نبودے در ازل بہ ایشاں سلام
نہ کردے عزیزے بدیں اشارت کردہ است۔

رُباعی

آں را کہ ز محبوب سلامے باشد
وز حضرت او بدو پیامے باشد
در حلقۂ بندگانش خورشید منیر
قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد[1]

اس امت میں سے کسی کی روح قبض کرتا ہے تو رب العزت کی طرف سے ان کو خطاب ہوتا ہے کہ پہلے میرا سلام پہنچانا پھر روح قبض کرنا تم نے قرآن مجید میں پڑھا ہوگا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بے واسطہ مومنوں کو سلام کہے گا، فرماتا ہے:- (سلام قولا من رب رحیم) جس طرح لا الٰہ الا اللہ، اس کا کلام ازلی ہے، اس کا سلام بھی ازلی ہے، اگر اس مشت خاک کے ساتھ یہ قدیم نظر عنایت نہ ہوتی تو ازل میں اس کو سلام بھی نہ کیا جاتا۔ ایک شاعر نے اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ ؎

آں را کہ ز محبوب سلامے باشد ؛ وز حضرت او بدو پیامے باشد
در حلقۂ بندگانش خورشید منیر ؛ قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد

سرّ الٰہی کا حامل

ایک دوسرے مکتوب میں انسان کی اشرفیت اسکے منصب خلافت اور اسکے علو ہمت کا راز یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ سرّ الٰہی کا حامل اور نفخت من روحی کے شرف سے مشرف ہے، رسالت، صحف آسمانی اور دولت دیدار اس کی خصوصیات ہیں۔ فرماتے ہیں:-

[1] مکتوب پنجاہ و یکم (۵۱)۔

"حق تعالیٰ از میان ہژدہ ہزار عالم گروہے
نہ آفرید از آدمی بزرگ ہمت تر وایں از انست
کہ ہیچ گروہے را نگفت و نفخت فیہ
من روحی مگر آدمیاں را داند؟ ہیچ
گروہے پیغامبراں و کتابہا نفرستاد مگر
در گروہ آدمیان، و بر ہیچ گروہ سلام نہ کرد
مگر بر آدمیاں و ہیچ کس را دولت دیدار
خود نداد مگر آدمیاں را و آدمیاں بردند
کہ از قوت محبت خویش و بزرگی ہمت
خویش طاقت فراق نداشتند، بدنیا از
دل ایشاں حجاب برداشت و بعقبیٰ از
چشم ساں حجاب برداشت تا در دنیا
جز وے را نخواستند و در عقبیٰ بجز وے
ننگریستند و ایں تحفہ در کتب ما زاغ
البصر و ما طغیٰ آموختند، عزیزے
گفتہ است۔ ؎

مثنوی

الا اے مرغ حکمت و آں زمانے
چو خواہی یافت بہ زیں آشیانے

حق تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں سے کوئی گروہ انسانوں کے گروہ سے زیادہ عالی ہمت نہیں پیدا کیا اور انسانوں کے سوا کسی گروہ کے متعلق یہ ارشاد نہیں ہوا کہ "نفخت فیہ من روحی" اور کسی گروہ میں پیغمبروں کو مبعوث نہیں فرمایا، اور نہ آسمانی کتابیں نازل کیں اور نہ کسی گروہ کو سلام کہلایا، نہ کسی گروہ کو اپنے دیدار کی نعمت عطا فرمائی، وہ آدمی ہی تھے جو اپنی محبت کی قوت اور اپنی ہمت کی بلندی کی وجہ سے طاقت فراق نہیں رکھتے تھے، دنیا میں ان کے دل سے حجاب اٹھا لیا اور عقبیٰ میں ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھایا، اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں وہ اس کے سوا کسی کے طالب نہیں اور عقبیٰ میں اسکے جمال جہاں آرا کے سوا ان کی آنکھوں نے کچھ نہ دیکھا اور یہ سبق انھوں نے مکتب ما زاغ البصر و ما طغیٰ میں پڑھا تھا کسی شاعر عارف نے خوب کہا ہے۔ ؎

پروازِ معانی باز کن پر
سرائے ہفت دریا باز کن در
چوں تو برسد رہے حضرت نشینی
تو باشی جملہ و خود را نہ بینی [ل]

الالائے فرغ حکمت و آں زمانے
چو خواہی یافت بہ زیں آشیانے
پروازِ معانی باز کن پر
سرائے ہفت دریا باز کن در
چوں تو برسد رہے حضرت نشینی
تو باشی جملہ و خود را نہ بینی

مسجود و محمود

ایک دوسری جگہ انسان کا وہ مرتبہ بیان کرتے ہوئے جس کی وجہ سے وہ مسجود ملائک اور محمود خلائق بن گیا۔ تحریر فرماتے ہیں :-

اے برادر آں کہ ترا مسجود ملک کردہ است محسود فلاک گردانیدہ است کارے عظیم است ہر آئینہ در وجود خاکی مگر معنی منور و مقدس است کہ اسرار ملکی و اوہام بشری از دریافت آں معنی عاجز و قاصر اند چوں شعاع ایں معنی طلوع نماید ملک حیران شود و فلاک سرگرداں بود۔ ادراتو اضع و ایں را تحاشع از لوازمات بود و از واجبات باشد۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ اشارت کردہ است۔

میرے بھائی! جس چیز نے تم کو فرشتوں کا مسجود اور افلاک کا محسود بنا دیا ہے وہ بہت بڑی چیز ہے۔ انسان اپنے وجود خاکی میں گویا ہی نکتہ رہو معنوی اعتبار سے ایسا منور و مقدس ہے کہ ملکوتی اثرات اور بشری اوہام؛ اس کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز و قاصر ہیں جب اس معنی کی شعاع جلوہ فگن ہوتی ہے ملائک حیران اور آسمان سرگرداں ہوتا ہے وہ تواضع سے سر بگریبان اور یہ ہیبت سے

[ل] مکتوب پنجاہ و سوم (۵۳)

رباعی
ع
فرشتہ گر بہ بیند جوہر تو
دگر رہ سجدہ آرد بر در تو
نہ مسجود ملائک جوہر تست
نہ تاجے از خلافت بر سر تست
خلیفہ زادہ گلخن رہا کن
بہ گلشن شو گدا طبعے رہا کن
بمصر اندر برائے تست شاہی
تو چوں یوسف چرا در قعر چاہے [ل]

ازرہ برادرم خواجہ فریدالدین عطار نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ع
فرشتہ گر بہ بیند جوہر تو
دگر رہ سجدہ آرد بر در تو
نہ مسجود ملائک جوہر تست
نہ تاجے از خلافت بر سر تست
خلیفہ زادہ گلخن رہا کن
بہ گلشن شو گدا طبعے رہا کن
بمصر اندر برائے تست شاہی
تو چوں یوسف چرا در قعر چاہے

دل آگاہ

لیکن انسان اور نوع انسانی کی اشرفیت اور خصوصیت اس مضغۂ گوشت کی وجہ سے ہے جس کو دل کہتے ہیں اور دل کی قدر و قیمت اور زندگی و قوت اس جوہر کی وجہ سے ہے جس کو محبت کہتے ہیں۔ دل کے متعلق فرماتے ہیں :-

عرش بیافرید بمقربان داد بہشت بیافرید برضواں داد و دوزخ بیافرید بہ مالک داد چوں دل مومن را بیافرید گفت ـ القلوب بین اصبعین [۲]

عرش پیدا کیا مقربین کے سپرد کیا، بہشت پیدا کی رضوان کو اس کا پاسبان بنایا، اور دوزخ پیدا کی تو مالک کو اس کا دربان بنایا لیکن جب مومن کا دل پیدا کیا فرمایا، دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

[ل] مکتوب پنجاہ و ہشتم (۵۸) [۲] مکتوب چہل و سوم (۴۳)۔

ایک دوسرے مکتوب میں دل کی وسعت و قوت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"ہیچ چیز عزیز تر از دل بودے در معرفت خویش آنجا نہادے این ست معنی آنکہ گفت لا یسعنی سمائی ولا ارضی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن آسمان معرفت ما را نتابست و زمین در خور ما نیامد، دل بندہ مومن بود کہ بار رخت ما کشید آرے رستم را ہم رخش رستم کشد و آفتاب سلطنت او بہ کوہ کہ در عالم اجسام و صور ثابت تر و عظیم تر از و ہیچ چیز نیست یکبار بیش نتافت کہ ذرہ ذرہ گشت "جعلہ دکا" و ہر روز سہ صد و شصت بار بر دلِ مومن می تابد و او "ھل من مزید" نعرہ می زند و فریاد می کند، الغیاث الغیاث تشنہ ام[1]"

اگر کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز اور قیمتی ہوتی تو اپنی معرفت کا موتی اسی میں رکھتا، یہی معنی ہے اس ارشاد کے کہ :۔ نہ میرا آسمان مجھے سما سکتا ہے نہ میری زمین، اگر میرے لئے گنجائش ہے تو مومن بندہ کے دل میں آسمان میری معرفت کا اہل نہیں، زمین اس بات کی متحمل نہیں، بندۂ مومن کا دل ہی ہے جس نے اس بوجھ کو اٹھایا، رستم کا گھوڑا ہی رستم کو اٹھا لیتا ہے، لیکن جلالِ الٰہی کا آفتاب جب پہاڑ پر جس سے زیادہ عالم اجسام میں زیادہ جمنے والی اور عظیم کوئی چیز نہیں، جب ایک بار چمکا تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو گیا دجعلہ دکا، تین سو ساٹھ مرتبہ مومن کے دل پر چمکتا ہے اور وہ "ھل من مزید" کا نعرہ لگاتا رہتا ہے، اور پکارتا رہتا ہے :۔ الغیاث الغیاث پیاسا ہوں۔

[1] مکتوب سی و ہشتم (۳۸)۔

شکستہ تر، عزیز تر

دل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر چیز ٹوٹ کر بے قیمت ہو جاتی ہے، لیکن یہ جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے[1]۔ فرماتے ہیں :۔

"اے برادر شکستہ چیز ہیچ چیز قیمت نہ دارد مگر دل، ہر چند شکستہ تر با قیمت تر، موسیٰ علیہ السلام در مناجات خود گفت :۔ "الٰھی این اطلبك" فرمان شد انا عند المنکسرۃ قلوبھم[2]"

اے بھائی ٹوٹی ہوئی چیز کوئی قیمت نہیں رکھتی مگر دل جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ایک سرگوشی میں فرمایا کہ :۔ آپ کو کہاں تلاش کروں؟ جواب ملا :۔ میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

محبت کی فرمانروائی

دل کا سرمایہ محبت ہے، اور محبت تمام عالم اور سارے زمانوں کو محیط ہے اس عالم سے اس عالم تک اس کا سکہ رواں ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"اول این حدیث است و میانہ این حدیث است و آخر این حدیث است امروز این حدیث است و فردا این حدیث است، محققان گفتہ اند کہ این عالم و آن عالم ہر دو برائے طلب است

حدیث محبت تینوں زمانوں پر محیط ہے اول و آخر درمیان اسی کا دور دورہ ہے محققین نے کہا ہے کہ یہ عالم اور وہ عالم سب طلب کے لئے ہیں، اگر کوئی کہے کہ وہ عالم، عالم طلب نہیں ہے، یہ ناممکن ہے۔

[1] اسی کو اقبال نے اس طرح کہا ہے۔ ؎

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ ⁂ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

[2] مکتوب ششم (۶)۔

اگر کس گوید کہ آں عالم عالمِ طلب نیست
ایں محال است یکے نماز و روزہ نیست
اما طلب ہست فردا ہمہ شرائع را قلم
در کشند اما ایں دو چیز ابد الآباد بماند
"الحب للہ والحمد للہ"[1]

ہاں نماز روزہ نہیں ہوگا لیکن طلب ہوگی۔
روز قیامت تمام احکام پر قلم نسخ
پھر جائے گا، لیکن یہ دو چیزیں
ابد الآباد تک رہیں گی: "الحب للہ
والحمد للہ۔

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶)

بابِ نہم ۹

تحقیقات و علومِ عالیہ

بلند و لطیف علوم و مضامین

حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات میں نادر تحقیقات اور بلند و لطیف علوم و مضامین کا ایسا ذخیرہ ہے جو حقائق و معارف کی کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے۔ اس کتاب کے صفحات پر جا بجا ایسے لطیف نکتے اور ایسی تحقیقات بکھری ہوئی ہیں جو ذاتی تجربات کا نچوڑ اور سالہا سال کی ریاضتوں اور وہبی علوم کا نتیجہ ہیں اور جن کو پڑھ کر وجد و سرور کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی بڑے سے بڑے طرب انگیز ادبی مقالے اور وجد آفریں شعر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

وحدۃ الشہود

اس کتاب میں بعض ایسی تحقیقات بھی ملتی ہیں جن کے متعلق علمی حلقوں میں شہرت ہے کہ وہ کئی صدی بعد کی تحقیقات ہیں، اور جس صدی (آٹھویں صدی) میں مخدوم صاحب تھے اس میں کوئی شخص ان سے آشنا نہیں تھا۔ ان ہی تحقیقات میں سے ایک "توحید شہودی یا وحدۃ الشہود" کا نظریہ ہے۔ اس نظریہ اور تحقیق کا چرچا حقیقتاً گیارھویں صدی ہجری سے ہوا۔ جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدۃ الوجود کے متوازی اس کی دعوت اور وضاحت پیش فرمائی، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی تقریر و تبلیغ اور اس کی

اشاعت کا سہرا حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی کے سر ہے، اور اس بارے میں انھوں نے جس تفصیل و تکمیل، اور جس قوت او جرأت سے کام لیا وہ انھیں کا حصہ تھا اور وہ اس مسئلہ میں امام اور مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ دو ڈھائی سو برس پہلے مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کا ذکر ملتا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو اُن کو حاصل تھا ثابت کرتے ہیں کہ عام طور پر جس کو وحدت وجود اور غیر حق کا عدم محض اور فنائے کامل سمجھا جاتا ہے وہ در اصل وجود حقیقی کے سامنے دوسری موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور ذرات کا وجود بے حقیقت ہو جاتا ہے، وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:۔

"نابودن دیگر است و نادیدن دیگر"

کسی چیز کا نابود و معدوم ہو جانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز

اور فرماتے ہیں:۔ یہ ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑا گئے، اور جہاں توفیق الٰہی او خضر کامل کی رہبری کے بغیر جادۂ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔

"چنداں از نور ظہور حق بر روندہ آشکارا شود
کہ ہمہ ذرات وجود پیش دیدہ وے در اشراق
آں نور متواری شوند بر مثال متواری شدن
ذرہ با ہوا در اشراق نور آفتاب و ذرہ در نور
آفتاب نتواں دید نہ ازاں کہ ذرہ نیست شد،
و نہ آنکہ ذرہ آفتاب شد بلکہ ازاں کہ با ظہور
نور آفتاب ذرہ را جز متواری شدن روئے
نیست، ہمچنیں نہ آنکہ بندہ بندۂ خدا گردد،

ظہور حق کے نور سے سالک پر اس طرح ظاہر
ہوتا ہے کہ تمام ذرات وجود اس روشنی کی
آب و تاب میں اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتے
ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے
ذرات ہوا چھپ جاتے ہیں اور ان ذرات کو
دیکھا نہیں جا سکتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ
ذرہ موجود نہیں، اور نہ یہ کہ ذرہ آفتاب ہو گیا ہے
بلکہ بات یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کے ظاہر

تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا
و نہ آں کہ بندہ بحقیقت نیست شود، نابودن
دیگر است و نادیدن دیگر۔ ؎
پیش توحید او نہ کہنہ است نہ نو است
ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست
تو چوں در آئینہ نگری آئینہ را نہ بینی زیرا کہ
مستغرق جمال خودی و نتوانی گفت آئینہ
نیست شد و یا آئینہ جمال شد و یا جمال
آئینہ شد، دیدن قدرت در مقدور است
ہمچنیں بود بے تفاوت و ایں را صوفیاں
"الفناء فی التوحید" خوانند۔
بیت۔ ؎
گوید آں کس دریں مقام فضول
کہ تجلی نہ داند او ز حلول
بسیار کس را ایں جا قدم بلغزیدہ است
جز بمدد توفیق و عنایت ازلی و بدرقہ
پیر رسیدہ و صاحب دیدہ شدہ
و فراز و نشیب ایں راہ گذشتہ و شربت
از قہر جلال و لطف جمال چشیدہ ایں بادیہ را

ہونے پر سوائے چھپ جانے کے ذرہ کا منہ نہیں کہ
وہ اپنی صورت دکھائے۔ اسی طرح سے یہ بات
نہیں کہ بندہ خدا ہو گیا، تعالی اللہ عن
ذلک علوا کبیرا، اور نہ یہ کہ بندہ حقیقت میں
معدوم ہو جاتا ہے، نابود اور معدوم ہو جانا
اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز۔ شاعر عارف نے
صحیح کہا ہے۔ ؎
پیش توحید او نہ کہنہ است نہ نو است
ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست
جب تم آئینہ دیکھتے ہو تو آئینہ کو نہیں دیکھتے اس لئے
کہ اپنے جمال میں مستغرق ہوتے ہو اور یہ نہیں کہہ سکتے
کہ آئینہ معدوم ہو گیا اور یہ کہ آئینہ تمھارا جمال
بن گیا ہے یا تمھارا جمال آئینہ بن گیا ہے، قدرت کو
مقدورات کے اندر بالکل اسی طرح دیکھا جاتا ہے
اس کو صوفیہ فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ ؎
گوید آں کس دریں مقام فضول
کہ تجلی نہ داند او ز حلول
بہت لوگوں کا قدم اس جگہ پھسل گیا ہے،
توفیق الٰہی و عنایت ازلی اور مرشد کی رہنمائی

کے قطع نتواند کرد[1]: | کے بغیر جو مقام تحقیق پر فائز، صاحب نظر،

اس راستہ کے نشیب و فراز سے گزرا ہوا، قہر جلال اور لطف جمال کا مزہ
چکھے ہوئے ہو اس بادیہ کو کوئی قطع نہیں کر سکتا۔

تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں

اس موقع پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ آفتاب کے سامنے دوسری روشنی کے ماند ہو جانے کی جو مثال دی گئی ہے اور اس سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ روشنی معدوم نہیں ہوتی صرف آفتاب کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور اس کا وجود ہیچ نظر آنے لگتا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی حقیقت نہیں رہتی، اسکے وجود کو وجود کہنا ہی صحیح نہیں ہے وہ تو اسکے مقابلہ میں معدوم ہی ہو جاتا ہے، ایک ہی چیز بیک وقت موجود اور معدوم نہیں ہو سکتی۔ شیخ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں، آفتاب پانی کے چشمہ پر چمکتا ہے پانی کو گرم کر دیتا ہے، اس سے پانی کی صفت بدلتی ہے پانی کی ذات نہیں بدلتی، اور پانی کسی معنی میں بھی آفتاب نہیں بن جاتا۔ فرماتے ہیں:۔

"این سخن آں بود کہ چراغ را باعین آفتاب ہیچ والیتے نبود و ولایت کلی آفتاب را بود چوں از وجود او اور اثرہ نبود وجود او چوں عدم او بود اگر کسے گوید کہ عدم ضد وجود بود و وجود ضد عدم و یک چیز در یک حال ہم موجود بود و ہم عدم محال بود، جواب آنست کہ این سخن

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جرم آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی ہستی نہیں رہ جاتی، اس وقت آفتاب ہی کا دور دورہ ہوتا ہے، جب چراغ کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں تو اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے، اگر کوئی کہے کہ عدم وجود کا ضد ہوتا ہے او وجود عدم کا ضد، اور ایک

[1] مکتوب اوّل (۱)۔

در عین نیست در صفات است کہ عین نگردد، صفات بگردد، خلق نگردد، آفتاب بر آب تابد آب را گرم کند صفات آب بگردد و بدل شود و عین آب نگردد زیرا کہ عین آب بر جاست آفتاب در صفات آب عمل کرد نہ در ذات آب و در این اجتماع ضدین نیست[1]"

چیز کا ایک ہی وقت میں موجود و معدوم ہونا محال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ گفتگو ذات کے متعلق نہیں صفات کے متعلق ہے، ذات میں تغیر نہیں ہوتا، صفات میں تغیر ہوتا ہے، فطرت میں تغیر نہیں ہوتا، آفتاب پانی پر چمکتا ہے پانی کو گرم کر دیتا ہے، پانی کی صفات بدل جاتی ہیں
لیکن پانی کی ذات اور فطرت نہیں بدلتی وہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے،
آفتاب نے صفات میں عمل کیا نہ کہ ذات میں، ایسی حالت میں اجتماع
ضدین کی کوئی بات نہیں۔

تیز رفتار کی حرکت نظر میں نہیں آتی

کاملین اور منتہیوں کی ترقی قطع مقامات اور ان کی باطنی کیفیات ایسی ہوتی ہیں جن کا مبتدیوں کو اور بعض اوقات اُن کے ہم نشینوں کو بھی ادراک نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے کمالات کے وارثوں اور اولیاء کاملین کے کمالات اور کیفیات ایسی لطیف، نازک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اکثر اوقات اُن کے معاصر اور اُن کی صحبت میں رہنے والے اُن سے ناواقف اور بیگانہ رہتے ہیں، اور ان اہل وجد و شوق اور اہل جذب و سلوک کو ترجیح دیتے ہیں جو اُن کی گرد پا کو بھی نہیں پہونچتے، یہ حضرات کاملین جن کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کا ظرف، علو حوصلہ اور قوت تحمل عطا فرماتا ہے، نہ گریبان چاک کرتے ہیں نہ دامن تار تار، نہ نعرے لگاتے ہیں نہ وجد میں آ کر رقص کرنے لگتے ہیں، نہ اُن سے کثرت سے کرامات و خوارق کا صدور ہوتا ہے، نہ وہ دعویٰ کرتے ہیں، نہ کسی کیفیت کا

[1] مکتوب ہشتاد و ششم (۸۶)۔

اظہار ہونے دیتے ہیں، ان کا وہ حال ہوتا ہے جو عارف شیراز نے بیان کیا ہے۔ ؎

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز ٭ کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند ٭ آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ رفتار جتنی تیز ہوتی ہے اُسی قدر اس کی حرکت نظر میں نہیں آتی، فرماتے ہیں:- تیز آندھی کو سب محسوس کرتے ہیں لیکن نسیم سحری جو دل کی کلیوں کے ساتھ مسیحائی کرتی ہے اور چمن کو حیاتِ نو بخشتی ہے اس طرح چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

رفتن چوں تیز گردد دیدار بالعکس باز گردد نہ بینی کہ آں سنگ آسیا خراس کہ می گردد از غایت رفتن ہر کہ نظر کند گوید کہ ایستادہ است، خواجہ جنید را رحمۃ اللہ علیہ گفتند چرا اے پیر بسماع بر نخیزی، او ایں آیت بر خواند وتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب شمار فتن ما نمی بنید چوں رفتن تیز شود در دیدار نیاید، نسیم سحر چناں گزرد کہ کس را خبر نباشد۔ له

رفتار جب تیز ہو جاتی ہے اس کا دیکھنا بند ہو جاتا ہے، دیکھتے نہیں کہ بڑی چکی کے پتھر کی گردش جب تیز ہو جاتی ہی تو جو شخص دیکھتا ہے سمجھتا ہے کہ چکی بند ہے اور اس کا پتھر گردش نہیں کر رہا ہے، حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے کہا کہ آپ سماع کے موقع پر اپنی جگہ سے جنبش نہیں فرماتے، آپ نے یہ آیت پڑھی وتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب تم پہاڑوں کو دیکھو گے تو ان کو کھڑا ہوا سمجھو گے حالانکہ وہ ابر کی طرح رواں دواں ہوں گے، تم ہماری رفتار

له مکتوب چہارم (۴)۔

نہیں دیکھتے، جب رفتار تیز ہو جاتی ہے دیکھنے میں نہیں آتی، نسیم سحر اس طرح چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔

خواہشات نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں شکستگی مقصود ہے

تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ بہت سے طالبین صادقین خواہشات نفسانی کا سرے سے فنا ہو جانا اور اس کا استیصال کلی ضروری سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ اس میں سرے سے کسی خواہش کا مادہ ہی باقی نہ رہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ مقصود ازالہ شہوات نہیں، شکستگی شہوات ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احیاء العلوم میں ثابت کیا ہے کہ اصلاح و تربیت کا مقصود غصہ وغیرہ کا جڑ سے نکل جانا اور اس کی صلاحیت کا مفقود ہو جانا نہیں، بلکہ اس پر قابو پانے کی صلاحیت اور اس کو مغلوب کرنے کی قوت ہے، اسلئے قرآن مجید میں تعریف کے موقع پر "والفاقدین الغیظ" نہیں کہا "والکاظمین الغیظ" فرمایا۔ اگر سرے سے غصہ ہی نہ آتا ہو تو غصہ کو پی جانے اور اُس کو دبانے کا سوال کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟۔ شیخ بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں:-

جہل و حماقت آں کس است کہ چناں می پندارد کہ شریعت فرمودہ است کہ از شہوت و صفات بشریت پاک می باید شد اصلا و ایں قدر نادانستہ باشد کہ چگونہ شریعت چناں فرماید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چنیں می گوید کہ بشرم و در خشم شوم و از خشم بر روئے بسیار دیدند و خداوند می فرماید

یہ اس شخص کی جہالت و حماقت ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہش نفس اور صفات بشریت سے مطلقاً پاک ہونا چاہیے، اس نے یہ غور نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بشر ہوں کسی وقت مجھے غصہ آجاتا ہے اور غصہ کا اثر بھی اکثر آپ پر ظاہر ہو جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا

والکاظمین الغیظ ثنا می گوید آنرا کہ خشم فرو خورد نہ آنرا کہ خشم ندارد و چگونہ فرماید کہ شہوت نمی باید کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ حرم داشت و اگر کسے را شہوت ساقط شود علاج باید کرد، تا باز آید کہ رحم است بر اہل و فرزند دلیرگی در غزا کافران از خشم خیزد و کثرت توالد و تناسل و ابقاء نام نیک از شہوت خیزد و مطلوب پیغمبر آں بودہ است توالد و تناسل لیکن فرمودہ است کہ ایں ہر دو را زیر دست باید داشت چناں بودہ باشد کہ در فرمان شرع باشد مانند اسپ در فرمان رائض و سگ در فرمان صیاد لیکن سگ باید کہ معلّم بود و گر نہ در صیاد آویزد و بے اسپ تیز صید نتواں کرد، اما باید کہ ریاضت یافتہ باشد و اگر نہ صیاد را بیندازد و پس شہوت و خشم ہمچو سگ و اسپ است و سعادت آخرت صید نتواں کرد بے ایں ہر دو اما بشرط آنکہ زیر دست

ارشاد ہے:۔ والکاظمین الغیظ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کو دباتے ہیں، اس کی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ ہی نہیں، اور کس طرح شریعت خواہش نفس کے بالکل ازالہ کا مطالبہ کر سکتی ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں، اگر کسی کی خواہش نفس بالکل زائل ہو گئی ہو تو اس کو علاج کرنا چاہئے کہ پھر پیدا ہو جائے اسلئے کہ گھر والوں اور اولاد پر شفقت، جہاد میں کافروں پر غصہ، اور اولاد کا سلسلہ اور نیک نام کا بقا، یہ سب چیزیں نفس کے احساسات اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں پیغمبروں نے اس کی تمنا کی ہے کہ ان کا سلسلہ نسل چلے، لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہشات کو مغلوب رکھا جائے اور احکام شریعت کے ماتحت جس طرح گھوڑا سائیس اور کتا شکاری کے قبضہ میں ہوتا ہے، کتا بھی ایسا چاہئے جس کی تربیت ہو چکی ہو ورنہ شکاری ہی پر حملہ آور ہو جائے گا، شکار کے لئے

باشند کہ اگر غالب باشند سبب ہلاک بود، پس مقصود از ریاضت آنست کہ تا ایں ہر دو صفت شکستہ شوند و زیر دست باشند و ایں ممکن است[1]"

گھوڑے کی بھی ضرورت ہے لیکن ایسا گھوڑا درکار ہے جو رام کر لیا گیا ہو ورنہ اپنے سوار کو گرا دے گا، اسی طرح شہوت اور غصہ کتے اور گھوڑے کی طرح ہیں، آخرت کی سعادت کو ان دونوں کے بغیر شکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن شرط یہ ہے کہ ماتحت اور قابو کے ہوں، اگر غالب ہوں گے تو ہلاکت کا سبب بن جائیں گے، پس ریاضت اور مجاہدہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں شکستہ اور مغلوب ہو جائیں اور یہ ممکن ہے۔

کرامت بھی ایک بُت ہے

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے حضرت مخدوم صاحبؒ کے زمانہ میں ہر طرف کرامات کا چرچا تھا اور عوام اس کو بزرگی کی شرط اور مقبولیت کا معیار سمجھتے تھے۔ حضرت مخدوم صاحبؒ اس مذاق عام اور شہرت عام کے برخلاف یہ ثابت کرتے ہیں کہ کرامات بھی اہل اللہ کے لئے ایک حجاب اور غیر اللہ کے ساتھ مشغولی کا حکم رکھتی ہیں اور اس طرح سے وہ بھی ایک طرح کا بُت ہے جس کی نفی اور اس سے استغنا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے:۔

یکے از بتان کرامات است تا کافران بر بت تعلق کنند اعدا باشند چوں از بت تبرا کنند اولیا گردند بت عارفاں را کرامت است اگر با کرامت بیارامند محجوب و معزول گردند

کرامات بھی ایک بُت ہے، جس طرح کافر بُت سے تعلق رکھتے ہیں دشمن ہوتے ہیں، جب بُت سے بے تعلقی اور برأت کا اظہار کرتے ہیں دوست بن جاتے ہیں، عارفوں کا

[1] مکتوب نمبر دوم۔

واگر از کرامات تبرا کنند مقترب گردند و موصول گردند عزیزے گفتہ است۔ ؎

قطعہ

زاہداں را جنت و فردوس باید زنگاہ
عاشقاں را لذت اندر قصر زنداں است و بس
لطف او را عام و خاص و نیک و بد یابندہ اند
قہر او را پیش رفتن کار مرداں است و کس

ازیں جا است کہ چوں حق سبحانہ عز و جل مر ایشاں را چیزے از کرامات پدید آورد اندر دل ایشاں خضوع و خشوع زیادہ گردد و ذل و تواضع بیش آں باشد کہ بود و ترس و خوف زیادت اراں گردد[1]۔

بت کرامت سے اگر کرامت پر قانع اور مطمئن ہو جائیں محجوب و معزول ہوں اور اگر کرامات سے بے تعلقی کا اظہار کریں مقرب و رو اصل کسی عارف نے کہا ہے۔ ؎

زاہداں را جنت و فردوس باید زنگاہ
عاشقاں را لذت اندر قصر زنداں است و بس
لطف او را عام و خاص و نیک و بد یابندہ اند
قہر او را پیش رفتن کار مرداں ست و بس

اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں سے کرامات ظاہر فرماتا ہے تو ان کے دل میں خضوع و خشوع زیادہ ہو جاتا ہے فروتنی اور تواضع پہلے سے بڑھ جاتی ہے اور ان کے خوف اور ڈر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

کشوف و کرامات اور استدراج :-

و آنچہ بر صدیقان از کشف و صدق فراست چیزے پدید می آید و از کارہائے

صدیقین پر کشف اور فراست صادقہ سے جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور

[1] مکتوب ہشتم (۸)۔

مستقبل کہ پیش خواہد آمد ایشاں را روشن می گردد باشد کہ بر بعضے ایں معنی نکشاید و از ایں جا قدحے لازم نیاید در حال ایشاں کہ قدح در حال ایشاں گشتن بود از استقامت و ہرچہ بر صدیقاں کشایند آں سبب مزید یقین ایشاں باشد و داعی بود ہر صدق مجاہدہ و خوے گرفتن با خلاق گزیدہ باشد، و اگر بر کسے کشاید کہ اندر سیاست شرع نباشد آں سبب مزید بعد غرور و حماقت بود و براں معانی مردماں را از یوں دست و حقیر دارد و ہم چنیں می باشد تا رشتۂ اسلام از گردنش بیروں افتد و از حدود و احکام و حلال و حرام منکر گردد و پندار مقصود از عبادت بجز ذکر خدائی نیست ترک متابعت سنت پیش گیرد تا در الحاد و زندقہ افتد، نعوذ باللہ منہا[1]۔

ہونے والے واقعات میں سے جو واقعات ان پر منکشف ہو جاتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں پر اس طرح کی چیزیں منکشف نہ ہوں لیکن اس سے ان پر کوئی اعتراض اور ان کے کمالات میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا، اعتراض اور نقص کی چیز جادۂ استقامت سے ہٹ جانا ہے۔ صدیقین پر اس طرح کی جو چیزیں منکشف ہوتی ہیں وہ ان کے یقین کے اضافہ کا سبب ہوتی ہیں اور اس سے ان کے مجاہدہ میں اور پختگی اور اخلاق حمیدہ میں اور ترقی ہوتی ہے، اگر یہ حالات ایسے کسی شخص کو پیش آئیں جو احکام شریعت کا پابند نہیں وہ اسکے بُعد کا سبب اور اسکے فریب و حماقت کا ذریعہ بن جاتے ہیں وہ اسکے دھوکہ اور غرور میں لوگوں کو مغلوب اور حقیر سمجھنے لگتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسلام کا رشتہ اس کی گردن سے باہر

[1] مکتوب نود و ششم (۹۶)۔

ہوجاتا ہے، اور وہ احکامِ الٰہی کے حدود اور حلال وحرام کا منکر بن جاتا ہے، اور سمجھنے لگتا ہے کہ عبادت کا مقصد ذکرِ الٰہی کے سوا کچھ نہیں، وہ سنت کی پیروی چھوڑ دیتا ہے اور الحاد و زندقہ کا شکار ہوجاتا ہے نعوذ باللہ منہا۔

فضیلت خدمت :-

یک کار بزرگ مردرا خدمت است، در خدمت فائدہا وخاصیتہا است کہ در ہیچ عبادت وطاعت دیگر نیست یکے آنست کہ نفس مردہ شود وکبر ونخوت خواجگی را ببرد وتواضع وعجز در وے پدید آید واورا مودب گرداند واخلاقہا را نیکو گرداند وعلوم سنن طریقت درآموزد وتیرگی وگرانی نفس از وے ببرد واو لطیف وسبک روح گردد وظاہر وباطنش روشن شود وایں فوائد مخصوص است بخدمت بزرگے را پرسیدند کہ راہ بحق چند است گفت بعدد ہر ذرہ از موجودات راہے است بحق اما ہیچ راہ نیکوتر ونزدیک تر از راحت رسانیدن

سالک کے لئے ایک اونچا کام خدمت ہے، خدمت میں وہ فوائد اور خاصیتیں ہیں جو کسی دوسری عبادت وطاعت میں نہیں ایک یہ کہ نفس مردہ ہوتا ہے اور بڑائی وسرداری کبر ونخوت نکال دیتی ہے، اور تواضع وعجز پیدا ہوتا ہے، خدمت اس کو مہذب اور مودب بنا دیتی ہے، اخلاق کو آراستہ کرتی ہے اور سنت وطریقت کے علوم سکھاتی ہے نفس کی ظلمت اور گرانی کو دور کرتی ہے، انسان کو لطیف اور سبک روح بناتی ہے اور اس کا ظاہر وباطن روشن ہوجاتا ہے، یہ سب فوائد خدمت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا خدا تک پہونچنے کے کتنے راستے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ موجودات

بدلہا نیست وما بدیں راہ یافتیم وبدیں مرید آں را وصیت کردیم وگفتہ بزرگانست کہ اوراد وطاعات ایں طائفہ زیادت از آنست کہ در بیاں آید وچوں ازاں ہمہ فارغ شوند ہیچ ورد وطاعت فاضل تر وبا فائدہ تر از خدمت کردن یک دیگر نیست[1]

اور دنیا میں جتنے ذرات ہیں اتنی ہی خدا تک پہونچنے کی راہیں ہیں، لیکن کوئی راستہ دلوں کو راحت پہونچانے سے زیادہ بہتر اور نزدیک تر نہیں، اور ہم نے اسی راہ سے خدا کو پایا ہے، اور اپنے تعلق والوں کو یہی کی وصیت کی ہے، بزرگوں نے کہا ہے کہ اس گروہ کے اوراد وطاعات بیان سے باہر ہیں، وہ جب ان سب سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر کوئی ورد وطاعت ایک دوسرے کو خدمت کرنے سے زیادہ افضل اور مفید نہیں۔

نفس کی اصلاح کا معیار

نفس کی اصلاح کا معیار ان حضرات کی نظر میں بہت بلند ہے، حقیقتاً اس بات کا اطمینان بہت مشکل ہے کہ نفس دعویٔ خدائی سے دست بردار اور خواہشات وشہوات کی گرفتاری سے آزاد ہوگیا ہے اور تربیت واصلاح کے اس مقام پر پہونچ گیا ہے کہ اب اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین کے نزدیک اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش سے قدم نہ اٹھائے، شریعت کے حکم پر چلے اور احکام شریعت میں رخصت وتاویل سے کام نہ لے، اگر نفس پر کسی خاص نفسانی خواہش اور طبیعت کا غلبہ ہے تو حقیقتاً وہ اس جانور کے مشابہ ہے جو اس خواہش کا سب سے بڑا نمائندہ اور مظہر ہے۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :-

[1] مکتوب ہشتاد و یکم (۸۱)۔

"اے برادر نفس آدمی مکارہ و فریبندہ است ہمہ دعویٰ دروغ کند و لاف زند کہ ہوا زیر دست منست از وے برہان باید طلبید، و ہیچ برہانے نیست مگر آنکہ بحکم خود قدمے نہ زند بحکم شرع رود کہ اگر ہمیشہ مطوع تن در تواند و او راست می گوید اگر در احکام شرع رخصت و تاویل می طلبد موافق ہوا و شہوت آں مدبر ہنوز اسیر ہوا است اگر اسیر خشم است سگے است در صورت آدمی و اگر اسیر شکم است بہیمے است و اگر اسیر شہوت ہائے زشت است خوکے است و اگر اسیر جامہ و تجمل است زنے است در صورت مرد، مگر کسے کہ خود را احکام و امر شرع بیارآید و بیازماید و عنان خود بدست شریعت دہد تا چنانکہ او می گردد می تواند گشتن آنگاہ صفات او اسیر او شدہ باشد پس کسانیکہ ارباب بصیرت بودہ اند

میرے بھائی! آدمی کا نفس مکار دھوکا دینے والا ہے، وہ ہمیشہ جھوٹے دعوے اور لاف زنی کرتا ہے کہ خواہش نفس میری محکوم ہو گئی ہے، اس سے اس کا ثبوت مانگنا چاہئے، اور اس کا ثبوت صرف یہ ہے کہ وہ اپنے حکم سے ایک قدم نہ اُٹھائے، شریعت کے حکم سے چلے، اگر ہمیشہ وہ شریعت کی اطاعت میں سرگرمی دکھاتا ہے تو صحیح کہتا ہے اگر احکام شریعت میں اپنی ہوا و خواہش کے موافق رخصت و تاویل چاہتا ہے تو وہ بے اقبال ابھی تک اسیر کمندِ ہوا ہے، اگر غصہ کا غلام ہے تو وہ ایک کتا ہے آدمی کی شکل میں، اگر پیٹ کا غلام ہے تو ایک جانور ہے، اور اگر وہ فاسد خواہشات نفس کا اسیر ہے تو وہ ایک سور خنزیر ہے، اور اگر وہ لباس و زینت کا غلام ہے تو وہ عورت ہے مرد کی صورت میں، لیکن جو شخص اپنے کو احکام شریعت کے مطابق آراستہ کرتا ہے اور نفس کا امتحان

و کارہا را چنانکہ بود بدیدند تا نفس باز پسیں لگام تقویٰ از شر نفس خود فرو د نیاوردند[1]

لیتا رہتا ہے اور اس نے اپنی باگ شریعت کے ہاتھ دے دی ہے، جس طرف وہ پھیرتی ہے اسی طرف وہ پھر جاتا ہے، اُس وقت اس کو کہا جا سکتا ہے کہ اس کی صفات اُس کی محکوم اور زیر فرمان ہو گئی ہیں، پس جن لوگوں کو اللہ نے بصیرت دی تھی، اور جو حقائق پر نظر رکھتے تھے وہ دمِ واپسیں تک اپنے نفس کو تقویٰ اور خوف الٰہی کی لگام دیے رہے۔

[1] مکتوب نود و ششم (۹۶)۔

بابِ دہم

حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت

ایک اصلاحی و تجدیدی کارنامہ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا تمام تر کارنامہ یہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا، معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت واہمیت دل نشین کی، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشق آلٰہی وخدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوک ومعرفت کے اسرار ونکات اور لطیف وبلند علوم کا اظہار فرمایا، بلکہ بعض دوسرے مصلحین امت اور محققین کی طرح اُن کا یہ بھی عظیم وروشن کارنامہ ہے کہ انھوں نے بروقت دین کی حفاظت کا فرض انجام دیا، مسلمانوں کے دین وایمان کو غالی صوفیوں کی بے اعتدالیوں، ملحدین کی تحریفات اور باطنیت وزندقہ کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطوں کا پردہ چاک کیا جو بداعتقاد صوفیوں جاہل مشائخ اور فلسفہ وباطنیت سے متاثر اشراقیین کی دعوت وتبلیغ سے ہندوستان جیسے دُور افتادہ ملک میں (جہاں اسلام بہت جلد کاٹ کر پہونچا تھا، اور جہاں کتاب وسُنّت سے براہِ راست واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شروع سے کمزور اور محدود رہے) سحر کا اثر رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے مکتوبات میں ان سب عقائد وخیالات پر ضرب کاری لگائی، جس کے پردہ میں یہاں الحاد وزندقہ پھیل رہا تھا

اور اسلامی عقائد متزلزل ہو رہے تھے، اور اسلام کے عقائد صحیحہ اور اہل سنت کے مسلک کی نہایت مؤثر وطاقتور وکالت اور تبلیغ کی، وہ چونکہ حقائق ومعارف میں بلند ترین پایہ رکھتے تھے، اشراق اور کشف وشہود کے اعلیٰ مقام پر پہونچ چکے تھے، ریاضات ومجاہدات کی طویل ترین ودشوار ترین گھاٹیاں طے کر چکے تھے، اور اس میدان میں اُن کا مرتبہ "امامت واجتہاد" تک پہونچنا سب کو تسلیم تھا اسلئے اس بارے میں ان کی تصریحات وتحقیقات خاص وزن اور قیمت رکھتی ہیں، اور ان کی تردید بلکہ تحقیر کسی بڑے سے بڑے صاحب "اشراق وکشف" کے لئے آسان نہیں کہ اُن کا معاملہ یہ تھا کہ ؎

ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ

اِدھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

نبوت ولایت سے افضل ہے

ایک عرصہ دراز سے تصوف کے بعض حلقوں میں اس خیال کی اشاعت ہو رہی تھی کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے افضل ہے، اور یہ کہ ولایت تمام تر توجہ الی الحق اور انقطاع عن الخلق کا نام ہے، اور نبوت کا موضوع دعوت ہے جس کا تعلق خلائق سے ہے اسلئے ولی رو بحق ہوتا ہے اور نبی رو بخلق، اور رو بحق ہونے کی حالت رو بخلق ہونے کی حالت سے اعلیٰ اور افضل ہے، بعض لوگوں نے اس میں اتنی احتیاط کی کہ انھوں نے یہ کہا کہ ولایت عام طور پر نبوت سے افضل نہیں بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، اور نبی جب مشغول بالخالق ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت اس حالت سے افضل ہوتی ہے جب وہ دعوت کے سلسلہ میں مشغول بالخلق ہوتا ہے۔

لیکن اس کی جو بھی تاویل کی جائے اس عقیدہ وخیال سے نبوت کی تحقیر کا پہلو نکلتا تھا اسکی اہمیت وعظمت کم ہوتی تھی اور الحاد وزندقہ کا ایک دروازہ کھلتا تھا حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اس عقیدہ کی پر زور تردید فرمائی اور بڑی قوت ووضاحت سے ثابت فرمایا کہ نبوت کا مقام ولایت سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے، نبی کے تمام احوال واوقات ولی کے احوال واوقات سے افضل ہیں، بلکہ انبیاء کی ایک سانس اولیاء کی تمام عمر سے

افضل ہے، اسی سلسلہ میں انھوں نے بڑی محققانہ اور عارفانہ باتیں لکھی ہیں، اور چونکہ وہ خود ولایت و معرفت کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے اسلئے ان کا فرمانا محض ذہانت اور علم کے زور کا نتیجہ نہیں، تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، کہ۔ ع

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"برادر اعز شمس الدین کو معلوم ہو کہ باتفاق جملہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام اوقات و احوال میں اولیاء پیغمبروں کے تابع ہیں اور انبیاء اولیاء سے افضل ہیں ہر ولایت کی نیابت ہے، وہ نبوت کی ہدایت ہے، تمام انبیاء ولی ہوتے ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی نبی نہیں ہوتا علماء اہل سنت والجماعت اور اس طریق کے محققین میں اس مسئلہ کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں ملحدین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں، اور وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ اولیاء تمام اوقات میں مشغول بحق رہتے ہیں اور انبیاء اکثر اوقات دعوت خلق میں رہتے ہیں پس جو شخص مشغول بحق ہو وہ افضل ہوا اُس سے جو کسی کسی وقت مشغول بحق ہوتا ہے، ایک گروہ (جس کو صوفیہ سے محبت کا دعویٰ ہے اور وہ اُن سے نیک گمان رکھتا ہے اور انکی پیروی کا دم بھرتا ہے) اس کا قائل ہے کہ مقام ولایت مقام نبوت سے برتر ہے، نبی کو علم وحی ہوتا ہے اور ولی کو علم اسرار، ولی کو ایسے اسرار معلوم ہوتے ہیں جن سے انبیاء بے خبر ہوتے ہیں، انھوں نے اولیاء کے لئے علم لدنی ثابت کیا اور اس کا استنباط حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے

قصہ سے کیا، انھوں نے کہا کہ خضرؑ ولی تھے اور حضرت موسیٰؑ نبی، حضرت موسیٰؑ پر وحی ظاہر آتی تھی جب تک وحی نہ آتی، اُن کو کسی واقعہ کا راز اور کسی بات کا بھید معلوم نہ ہوتا، حضرت خضرؑ کو علم لدنی حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ بغیر وحی کے غیب تک جان لیتے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کو ان کا شاگرد بننے کی ضرورت پیش آئی، اور سب کو معلوم ہے کہ اُستاد شاگرد سے افضل ہوتا ہے ———

لیکن یہ یاد رہے کہ اس طریق کے پیشوا جن کے دین پر اعتماد کیا جا سکتا ہے وہ ایسے اقوال و عقائد سے بیزار ہیں، وہ اس کو ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ کسی کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہو سکتا ہے یا ان کے برابر بھی ہو سکتا ہے، باقی موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصہ کا جواب یہ ہے کہ خضرؑ کو فضیلت جزئی حاصل تھی، اور وہ خاص واقعات کا علم لدنی ہے، اور حضرت موسیٰؑ کو مطلق فضیلت حاصل تھی، فضیلت جزئی فضیلتِ مطلق کو منسوخ نہیں کرتی، جیسے کہ مریمؑ، کہ اُن کو ایک طرح کی فضیلت حاصل تھی کہ مرد کے تعلق کے بغیر حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے، لیکن یہ فضیلت حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کی فضیلت پر غالب نہیں، اسلئے کہ ان کو فضیلتِ مطلقہ حاصل تھی تمام دنیا کی عورتوں پر، یاد رکھو اگر تمام اولیاء کے تمام احوال و اعمال، انفاس و زندگی کو نبی کے ایک قدم کے مقابلہ میں تصور کیا جائے تو وہ ہیچ اور معدوم نظر آئیں گے۔ اولیاء جس چیز کے طالب ہیں اور جس چیز کے لئے سفر طے کرتے ہیں اور محنتیں کرتے ہیں، انبیاء اُس مقام پر پہونچ چکے ہیں اور اس کو پا چکے ہیں، انبیاء دعوت کا کام بحکم الٰہی انجام دیتے ہیں اور ہزاروں

لاکھوں بندگانِ خدا کو خدا رسیدہ اور واصل بناتے ہیں۔

انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے:۔

پس انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی تمام زندگی اور عمر سے افضل ہے، اس لئے کہ جب اولیاء نہایت کو پہونچتے ہیں تو مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں اور حجابِ بشریت سے خلاصی پاتے ہیں، اگرچہ وہ اس حالت میں بھی بشر ہی رہتے ہیں پیغمبر پہلے قدم میں مقام مشاہدہ پر فائز ہوتے ہیں جو اولیاء کی انتہا ہوتی ہے وہ انبیاء کی ابتداء، انبیاء کو اولیاء پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا۔ خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ انبیاء کے حالات کے بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: "توبہ توبہ ہمارا اس عالم میں کوئی دخل نہیں"۔ پس جس طرح اولیاء کا مرتبہ مخلوق کے ادراک و تصور سے مخفی ہے، اسی طرح انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے بالاتر ہے۔ اولیاء انبیاء کے مقابلہ میں اپنے قدموں سے تیز چلنے اور دوڑنے والے ہیں اور انبیاء، اولیاء کے مقابلہ میں اُڑنے والے ہیں، دوڑنے والا اُڑنے والے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

انبیاء کا جسم اور اولیاء کا قلب:۔

انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی اور پاکیزگی اور قربِ خداوندی میں اولیاء کرام کے دل اور ان کے سرّ اور راز و نیاز کے برابر ہے، بس عظیم الشان فرق ہے، اس شخص کے درمیان جس کے جسم کو وہاں لے جائیں جہاں دوسرے کا

راز و نیاز پہونچ سکتا ہے۔[1]

شریعت کا لزوم و دوام

اسی طرح تصوف کے بعض حلقوں میں ایک مغالطہ یہ پھیلا ہوا تھا کہ شریعت کی پابندی اور پیروی کی ضرورت ایک خاص وقت اور ایک خاص حد تک رہتی ہے۔ جب سالک مقامِ تحقیق اور مرتبۂ یقین پر پہونچ جاتا ہے اور واصل باللہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ شریعت کی پابندیوں اور فرائضِ شرعی سے آزاد اور مستغنی ہو جاتا ہے، اس عقیدہ نے اچھی خاصی مقبولیت حاصل کر لی تھی، اور بہت سے ملحد اور بے عمل صوفیوں اور جاہل مشائخ نے اس کے ذریعہ بڑا فتنہ برپا کر رکھا تھا، اور بعض حلقوں میں اس سے نہ صرف انتشار و بے عملی بلکہ الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا، بعض پڑھے لکھے لوگ بھی اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی مشہور آیت "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين[2]" سے استدلال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عبادت و اتباعِ شریعت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہنا چاہئے جب تک یقین حاصل ہو جائے، یقین حاصل ہو گیا تو پھر تمام تکالیفِ شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدینؒ نے اس گمراہ کن عقیدہ اور مغالطہ کی زبردست تردید کی۔ اُن کے متعدد مکتوبات اس موضوع پر ہیں جن میں انھوں نے پوری قوت اور جوش کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ شریعت کی پابندی دمِ واپسیں تک رہتی ہے اور کسی حال اور کسی وقت میں بھی نہ تکالیفِ شرعیہ اور فرائضِ دینیہ ساقط ہوتے ہیں اور نہ کوئی انسان اس سے مستغنی ہے۔

[1] مکتوب بستم۔

[2] اس آیت کی صحیح تفسیر کے لئے محققین کی تصنیفات (مستند تفاسیر ملاحظہ ہوں) مشہور تفسیر یہ ہے، کہ یقین سے مراد موت ہے۔ ۱۲۔

شریعت کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"برادرِ اعز، شمس الدین کو معلوم ہو کہ شیطان کبھی کبھی صوفیوں اور اہلِ ریاضت پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ترکِ معصیت کا مقصد یہ ہے کہ خواہشاتِ نفس شکستہ اور صفاتِ بشریت مغلوب ہو جائیں، اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد ان پر غالب آجائے اور دل ظلماتِ بشریت سے ذکرِ الٰہی کے اثر سے صاف ہو جائے اور اسکے نتیجہ میں معرفتِ خداوندی کی حقیقت اس کو حاصل ہو جائے، شریعت کی پابندی کعبۂ وصال تک پہونچنے کی ایک راہ ہے، جو شخص کعبۂ وصال کو پہونچ گیا اُس کو راستہ، توشے اور سواری کی اب کیا ضرورت ہے؟ بس شیطان اس گروہ کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر وہ نماز پڑھیں گے تو وہ اُن کے لئے حجاب ہو جائے گی اسلئے کہ اُن کو وصول حاصل ہو چکا ہے، ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو دائمی مشاہدہ میں رہتے ہیں اور نماز رکوع و سجود کا مقصود یہ ہے کہ غافل دل کو حضوری ہو جائے، ہم خود ایک لمحہ بھر غافل نہیں ہوتے، عالمِ ملکوت کو آشکارا دیکھتے ہیں، انبیاء کے جوارِ مقدس میں رکھے جاتے ہیں، ہم کو ان عبادات اور فرائضِ شرعی کی کیا ضرورت ہے ـــــ

درحقیقت یہ خود ابلیس کا حال اور اس کا واقعہ ہے اس نے اپنا کمال قرب دیکھا اور کہا کہ آدمؑ کو سجدہ سے کیا حاصل، آدمؑ اس سے کم ہیں، مجھے اس کا سجدہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا قصہ افسانہ کے طور پر نہیں بیان کیا ہے، وہ انھیں لوگوں کی

عبرت کے لئے بیان کیا جو اس مغالطۂ شیطانی میں گرفتار ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کسی مقرب کو شریعت کی فرمانبرداری سے چارہ نہیں بزرگانِ دین نے جو یہ فرمایا ہے کہ شریعت کی پیروی حق تعالیٰ تک پہونچنے کا راستہ ہے، انھوں نے سچ فرمایا ہے۔

بقاءِ شریعت کا راز :۔

شیطان نے یہاں ایک نکتہ اس گروہ کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے اس نے یہ باور کرایا کہ شریعت کا مقصود صرف اتنا ہے کہ حضوری حاصل ہو جائے، لیکن یہ غلط ہے شریعت کا اسکے علاوہ بھی مقصود ہے، مثلاً پانچ وقت کی نمازیں ایسی ہیں جیسے کسی دریچہ کمال میں پانچ کیلیں لگی ہوں، اگر کیلیں الگ ہو جائیں تو وہ دریچہ کمال سے جدا ہو کر گر جائے، جیسے خود ابلیس گر گیا، اگر کوئی کہے کہ یہ پانچ نمازیں کس طرح پانچ کیلوں کی طرح ہیں جن سے کمال کا یہ دریچہ تھما ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پہچاننا انسان کی طاقت میں نہیں، یہ درحقیقت ایسا ہی ہے جیسے اشیاء اور ادویہ کے خواص، عقل اس کی وجہ دریافت نہیں کر سکتی، جیسے سنگ مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے۔

ایک بلیغ مثال

فرائضِ شرعی اور شریعت کے احکام کی پابندی میں کیا کیا حکمتیں ہیں، اور وہ انسان کے دین و ایمان اور اپنے خالق کے ساتھ تعلق کی اور منصب بندگی کی کس طرح حفاظت کرتے ہیں اور اُن کے ترک سے کس طرح انسان کا دین و ایمان اور اس کا تعلق برباد

ہوجاتا ہے اور وہ کس طرح نفس و شیطان کا شکار، درجۂ اعتبار سے ساقط اور راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے، اس کی ایک بلیغ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اس کو ایسا سمجھو کہ ایک شخص نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر محل تعمیر کیا، وہاں انواع و اقسام کی نعمتیں جمع کیں، جب اس کا آخیر وقت ہوا تو اس نے لڑکے کو وصیت کی کہ اس محل میں جو ترمیم و تصرف چاہنا کرنا، لیکن ایک خوشبودار گھانس کا ایک حصہ جو میں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ چاہے خشک ہو جائے اُس کو باہر نہ کرنا، جب پہاڑ کی چوٹی پر بہار آئی، تو پہاڑ و میدان سب سرسبز ہو گئے، بہت سی تازہ اور خوشبودار گھانس پیدا ہو گئی جو اس پرانی گھانس سے زیادہ تر و تازہ تھی، اس میں سے بہت سی گھانس اور پھول اس محل میں آئے جن کی خوشبو نے سارے محل کو معطّر کر دیا اور ان کے سامنے اس پرانی سوکھی ہوئی گھانس کی خوشبو دب گئی، لڑکے نے سوچا کہ میرے والد نے یہ پرانی گھانس اس محل میں اسلئے رکھی تھی کہ اس کی خوشبو پھیلے اور یہ جگہ اس سے معطّر ہو، اب یہ سوکھی گھاس کس کام آئے گی، اس نے حکم دیا کہ اس گھاس کو باہر پھینک دیا جائے، جس وقت محل اُس گھاس سے خالی ہو گیا ایک کالے سانپ نے سوراخ سے سر نکالا اور لڑکے کو ڈس لیا اور اُس کا کام تمام ہو گیا، سبب اس کا یہ تھا کہ اس گھاس کے دو فائدے تھے :- ایک یہ کہ وہ خوشبو دے، اور دوسرے اس میں خاصیت تھی کہ وہ جہاں ہوتی ہے سانپ اسکے قریب نہیں جا سکتا، گویا وہ سانپ کا تریاق تھی، یہ خاصیت کسی کو معلوم نہیں تھی، لڑکے کو اپنی ذہانت پر ناز تھا وہ سمجھا کہ جو اس کے

معلومات کے دائرہ میں نہ ہو گویا کہ قدرتِ خداوندی کے خزانہ میں موجود نہیں ہے اس کو اس آیت کا مفہوم نہیں معلوم تھا : "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" وہ اپنی ذہانت کے غرہ میں مارا گیا ______

اسی طرح یہ صاحب کشف و کرامت گروہ اس مغالطہ کا شکار ہوا کہ شریعت کا جو راز ہم پر منکشف ہو گیا اور اس کی جتنی حکمت انھوں نے سمجھی اسکے علاوہ نہ کوئی راز ہے اور نہ کوئی حکمت، حالانکہ یہ ایک بڑی زبردست غلطی ہے، جو اس راہ کے سالکین کو کبھی کبھی پیش آتی ہے، اور بہت سے لوگ اس کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکے ہیں، ان لوگوں نے راہِ شریعت کا ایک ہی مقصود سمجھا، اور یہ نہیں سمجھے کہ اس میں دوسرے اسرار بھی ہیں، انھوں نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اگر دوسری حکمتیں نہ ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی نمازوں کی کیا ضرورت تھی جس سے پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اُمت پر واجب ہے پیغمبر پر نہیں[1]

علماء اور مشائخ کاملین کا اسوہ :—

وہ علماء و مشائخ و صوفی جو درجۂ کمال پر پہونچے، انھوں نے سمجھا کہ شریعت کی پابندیوں میں ہر پابندی ایک راز ہے جس سے آخرت کی سعادت مربوط اور وابستہ ہے یہاں تک کہ ان بزرگوں نے اپنے دم واپسیں تک آداب شریعت

[1] مکتوب ہفتدہم - ۱۱

میں سے ایک ادب بھی ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خادم انتقال کے وقت وضو کرا رہا تھا وہ داڑھی میں خلال کرانا بھول گیا آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ سنت بجا لائے، لوگوں نے کہا کہ حضرت ایسے وقت میں اتنی بھی رخصت نہیں فرمایا: "ہم خدا تک اسی کی برکت سے پہونچے ہیں" اہلِ کمال کا یہی شعار تھا اور فریب خوردہ لوگ جلدی دھوکہ میں آجاتے ہیں، جس چیز کو وہ نہیں دیکھ سکے اور جو چیز اُن کی سمجھ میں نہیں آئی وہ سمجھے اس کا وجود نہیں، فجر کی نماز دو رکعت ہے ظہر کی نماز چار رکعتیں عصر کی نماز چار رکعتیں، مغرب کی تین، عشاء کی چار، پھر ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں، ان سب میں ایک سر اور خاصیت ہے جن کا حصولِ کمال میں خاص دخل ہے، اور انتقال کے وقت تک اُن کی پابندی کرنے کا اثر ظاہر ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی کمال مفید نہیں، اگر سالک ان کو چھوڑے گا اور دنیا سے چلا جائے گا، اپنے کو تباہ دیکھے گا اُس وقت کہے گا کہ وہ میرا کمال کیا ہوا؟ جواب دیا جائے گا کہ کمال کے تخم میں کیلیں نہیں تھیں، مرنے کے وقت وہ جڑ سے اُکھڑ گیا، جیسے کہ ابلیس کے تمام کمالات ایک نافرمانی کی وجہ سے خاک میں مل گئے۔[1]

حضرت شیخ شرف الدین اس بارہ میں اتنے راسخ الاعتقاد اور متشدد تھے کہ ایک مکتوب میں اس عقیدہ کی (کہ شریعت کی پابندی خاص حالات و مقامات پر ضروری نہیں) تردید کرتے ہوئے

[1] مکتوب ہژدہم ۔۱۲

فرماتے ہیں :-

"وایں غلط است و مذہب ملحداں آنست کہ گویند یکے بے دیگرے روا باشد و گویند چوں حال حقیقت کشف گشت شریعت برخیزد و لعنت بریں اعتقاد باد و بریں مذہب۔"[1]	یہ غلط ہے اور ملحدین کا مذہب ہے جو کہتے ہیں، ایک دوسرے کے بغیر روا ہے، اور کہتے ہیں جب حقیقت تک رسائی ہو گئی اور کشف و شہود حاصل ہو گیا تو شریعت کا حکم اُٹھ گیا، لعنت ہو اس عقیدہ اور اس مذہب پر

شریعت کی شرط

وہ تمام محققین صوفیہ کی طرح شدت کے ساتھ اس بات کے قائل اور داعی ہیں کہ سلوک و طریقت شریعت کی پیروی اور پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :-

"جو شخص طریقت میں شریعت کا تابع نہیں ہوگا اُس کو طریقت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، یہ ملحدین کا مذہب ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر جائز ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو گئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی، خدا کی لعنت ہو اس عقیدہ پر، ظاہر بے باطن نفاق ہے، اور باطن بے ظاہر زندقہ، ظاہر شریعت بے باطن نقص ہے اور باطن بے ظاہر ہوس، ظاہر ہمیشہ باطن کے ساتھ پیوستہ ہے، ظاہر باطن کے ساتھ ایسا پیوستہ ہے کہ کوئی شخص اس کو علیحدہ نہیں کر سکتا۔"[2]

[1] مکتوب بست و ششم ۔۱۲

[2] مکتوب بست و ششم (۲۹) ۔۱۲

اتباعِ محمدیؐ سے چارہ نہیں

حضرت مخدومؒ مکتوبات میں بڑے جوش و خروش اور بڑے شوق و یقین کیساتھ اس بات کی تبلیغ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو محبوب ربّ العالمین ہیں آپ کی پیروی کے بغیر نہ نجات ممکن ہے نہ حقیقت تک رسائی، نہ کمالات و سعادتِ اخروی کا حصول۔ ایک مکتوب میں قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کی تلقین و تفسیر کرتے ہوئے کسی بشیر و شاعر عارف کے یہ اشعار جو خود اُن کے دلی جذبات و کیفیات کے ترجمان ہیں نقل کرتے ہیں۔ سہ

اودلیل توبس تو رہ جوئی ٭ اوزبان تو بس تو یاوہ گوئی
ہرچہ او گفت زراز مطلق داں ٭ ہرچہ او کرد، کردۂ حق داں
خاک او باش بادشاہی کن ٭ آن او باش ہرچہ خواہی کن
ہرکہ چوں خاک نیست بر در او ٭ گر فرشتہ است خاک بر سر او[1]

[1] مکتوب پانزدہم۔ ۱۲

سلسلۂ فردوسیہ کی اشاعت اور اسکے بعض مرکز

حضرت مخدوم الملکؒ کے بعد سلسلۂ فردوسیہ نے کیا ترقی کی اس کی تفصیل کسی کتاب میں مرتب طریقے سے نظر سے نہیں گزری۔ آپکے بعد مولانا مظفر بلخی (مدفون عدن) جانشین ہوئے اور بہار کی خانقاہ میں یہ سلسلہ جاری ہوا ——— اپنے دور میں مخدوم شاہ شعیب فردوسی بن مخدوم جلال منیریؒ ابن عم مخدوم الملک نے شیخپورہ ضلع مونگیر (بہار) میں خانقاہ قائم کی، آپکے خاندان کے افراد سے ابتک یہ سلسلہ وہاں قائم ہے۔ مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی ایک کتاب 'بزرگانِ فردوسیہ کے حالات میں "مناقب الاصفیاء" ہے، جو طبع ہو چکی ہے، اور اس کتاب میں اس سے خاص مدد لی گئی ہے ——— مخدوم الملک کے بعد منیر میں سلسلۂ فردوسیہ نے ترقی کی جن میں آپکے خاندان کے مخدوم شاہ دولت منیری متوفی ۱۰۱۷ھ مشہور بزرگ گذرے، آپکے ایک مرید و خلیفہ امان اللہ صدیقی عاصی سندیلہ یوپی سے سلسلہ جاری ہوا ——— تقریباً دسویں صدی میں تھما ضلع پٹنہ میں فردوسیہ سلسلے کی ایک خانقاہ قائم ہوئی اور اب تک سلسلہ جاری ہے۔ صوبۂ بہار میں کوئی خانقاہ ایسی نہیں جہاں یہ سلسلہ نہیں ہے، اور جہاں بھی یہ سلسلہ ہے مخدوم الملکؒ کی ذات سے ہے ——— محلہ شمار بھٹکل میسور اسٹیٹ" میں بھی اس سلسلہ کی خانقاہ ہے[1]

حضرت مخدوم صاحبؒ کے بعض دوہے اور ہندی فقرے :—

بہار اور اس کے اطراف میں حضرت مخدوم صاحبؒ کے بہت سے دوہے اور ہندی فقرے زبان زدِ عوام ہیں ——— جیسے :

[1] افادہ مولوی سراد اللہ صاحب منیری ندوی۔ ۱۲

شرفا بھٹکا مت پھرے اور چت مت کیجے اداس ÷ سائیں بسے سر ریں کہ جیوں پھولن میں باس

شرفا گور ڈراونی اور نس اندھیاری رات ÷ واں نہ کوئی پوچھے کہ کون تو ہاری ذات

ہمہ گشتا در در پھرے، در در ڈر ڈر ہوئے ÷ ایک در کو تھام لے، کہے نہ در در کوئے[1]

مولانا سید سلیمان ندویؒ "نقوش سلیمانی" میں لکھتے ہیں: ــــــــ

حضرت شیخ شرف الدین احمد منیریؒ کے بہت سے ہندی دوہے ہیں، جن میں بعض بیماریوں کی مجرب دوائیں بتائی گئی ہیں۔ مثلاً۔ ؎

لودھ پھٹکری مردا سنگ ÷ ہلدی زیرا ایک ایک ٹنگ

افیون چنا بھر، مرچیں چار ÷ ارد بھر تھوتھا اس میں ڈار

پوست کے پانی پوٹلی کرے ÷ نینا پیر ابل میں ہرے

ہمارے وطن (دیسنہ ضلع پٹنہ) کے کتب خانۂ اصلاح میں ایک فالنامہ کے دو صفحے پرانے کاغذ کے ہیں، جن میں اسی زبان میں مختلف اعداد کے جوابات بتائے گئے ہیں، اور اسکے سر نامہ پر اس فالنامہ کی نسبت حضرت مخدوم صاحبؒ کی طرف کی گئی ہے، اس میں کل ستائیس فقرے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں: ۔

۱۱۱ ۔ جو سن کی منسی کیا ہوئی سو ہوئی ۔

۱۱۲ ۔ ناہیں کچھ کرو نصیب لاگی بات ہے ۔

۱۳۱ ۔ ابھیں ابھیں ناہیں ۔

۳۱۱ ۔ ابھیں ناہیں، سوت رہو جائے ۔

۳۳۱ ۔ راج پاٹ اپل کے دیا تمکوں ۔

۲۳۲ ۔ ابھیں ناہیں آگو ہو یگا ۔

۳۱۱ ۔ تورے دن کے اب سکھ سو جتا ناہیں[2]

---

[1] افادہ مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی ۔۱۲

[2] نقوش سلیمانی" از مولانا سید سلیمان ندوی ص۳۸ و ص۳۹ ۔

اشاریہ

(انڈکس)

مرتبہ

شاہ محمد شبّیر عطا ندوی

اعلام

الف

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۱۰، ۲۵۱، ۲۷۱، ۲۷۲، ۳۰۴

(حضرت سید) آدم بنوری ۱۸۹

(مولانا) آدم حافظ ۲۳۸

(مولانا) آزاد ۲۹

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۷۷، ۲۵۱، ۲۷۲

(سلطان) ابراہیم شرقی ۱۶۵، ۱۷۱

ابراہیم قوام (مصنف شرف نامہ)

(مولانا) ابراہیم ۲۲۶، ۲۳۰

ابن جوزی ۲۴۱، ۲۴۲

ابن حجر مکی ۱۸۹

ابن خلدون ۲۴۱

ابن شداد ۲۴۱

ابن عربی (شیخ محی الدین) ۲۴۱

ابن عمید ۲۴۱

ابن قیم ۲۴۱

ابن یمین ۲۲۶

(خواجہ) ابواحمد چشتی ۲۳

(خواجہ) ابواسحاق چشتی ۲۳، ۲۴

(خواجہ) ابوبکر ۱۵۰

(مولانا) ابوالحسن (خلیفہ مخدوم الملک) ۲۳۸

(مولانا) ابوالحسن علی ندوی ۱۸

(مولانا) ابوحفص اوشی ۳۱

ابوحیان توحیدی ۲۴۱

(خواجہ) ابوسعید ابوالخیر ۱۱۴، ۱۴۰

ابوالفضل ۳۰، ۲۴۲

(مولانا) ابوالقاسم ۲۳۸

(فقیہہ) ابواللیث سمرقندی ۳۱

(خواجہ) ابومحمد چشتی ۲۳

(خواجہ ناصر الدین) ابویوسف ۲۳

(مولانا) احمد آموں ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۹

(حضرت مخدوم) احمد عبدالحق ردولوی ۴۸

احمد بن علی (پدر حضرت محبوب الٰہی) ۵۲

شیخ احمد تھانیسری ۱۵۱، ۱۷۱

(خواجہ) احمد (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸

احمد سعید بات (مرید مخدوم الملک) ۲۳۹
(سید) احمد الحلیم حسینی ۱۵۳
(حضرت سید) احمد شہید ۱۸۹
(مولانا خواجہ) احمد نصیر آبادی ۱۸۹
اخی سراج (مولانا سراج الدین عثمان اودھی) ۱۲۹
۱۵۰، ۱۵۲، ۱۷۱
ارنلڈ ۱۶۷
(راجہ) ارونا ۲۵
اسعد لاہوری (والد حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی)
۱۵۲
(حضرت سید) اشرف جہانگیر سمنانی ۱۵۲، ۱۶۵
۱۷۲، ۲۳۶، ۲۳۷
(حکیم الامت مولانا) اشرف علی تھانوی ۴۹
خواجہ اقبال ۱۲۱
اقبال خادم ۹۵، ۹۹
اقبالؔ ۱۶۶، ۲۸۱
(مولوی) اقبال احمد اعظمی ۱۸
(سلطان شمس الدین) التمش ۳۱، ۳۲
۳۳، ۳۴، ۵۳، ۱۸۰، ۱۸۹
(حضرت مولانا محمد) الیاس کاندھلوی ۴۹
امام اعظم ۸۹، ۹۲، ۱۱۵
(مولانا) امام الدین ۲۳۷
امان اللہ صدیقی ۳۱۱

(حضرت حاجی) امداد اللہ مہاجر مکی ۴۹، ۱۵۳
امین خاں (مکتوب الیہ حضرت مخدوم الملک) ۲۴۷
انند پال ۲۵
(مولانا) اوحد الدین ۲۳۹
(خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسی)
(خواجہ) اویس قرنی رضی اللہ عنہ ۲۰۶
ایشوری پرشاد ۲۶
(ب)
بارکہ (مخدوم الملک کی پوتی) ۲۳۷
(خواجہ) بایزید بسطامی ۱۴۶، ۳۰۲
ڈاکٹر بکینن ہملٹن ۱۹۸
مولانا بدر الدین اسحاق ۴۰، ۴۴، ۴۶
۶۱، ۶۳، ۷۴، ۱۲۳
شیخ بدر الدین غزنوی ۴۳
(خواجہ) بدر الدین سمرقندی ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳
(قاضی) بدر الدین ظفر آباد ۲۳۹
(مولانا) برہان الدین باقی ۵۶
(شیخ) برہان الدین غریب ۱۵۲، ۱۶۲، ۱۶۳
برہما ۲۶
بغرا خان ۷۵
(غیاث الدین) بلبن ۴۰، ۴۱، ۵۵، ۷۵، ۸۲
۱۶۹، ۱۸۰، ۲۳۸
بلعم باعور ۲۶۰

(شیخ) بوعلی قلندر ۱۸۴
(مولانا) بہاء الدین اودھی ۱۵۰
(مولانا) بہاء الدین ۱۸۸
(ت)
امیر کبیر تاتار خاں ۱۹۵
(امام) تاج الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸
(خواجہ) تاج الدین مادری ۱۵۰
(مولانا محمد) تاج فقیہہ ۱۷۷، ۱۷۸
(مولانا) تقی الدین اودھی ۲۲۸، ۲۳۸
(ج)
(مولانا) جامی ۲۳
(شیخ شہاب الدین) جگ جوت ۱۷۸
(شیخ) جلال الدین تبریزی ۵۳، ۵۴
(شیخ) جلال الدین حسین بخاری معروف بہ مخدوم
جہانیاں جہاں گشت ۱۵۱
(مولانا) جلال الدین ۹۲، ۱۴۸، ۱۵۰
(خواجہ حافظ) جلال الدین ۲۳۸
(سید) جلال الدین (خواہر زادہ شیخ نجیب الدین)
۲۳۹
(سلطان) جلال الدین خلجی ۸۲، ۸۳
(مخدوم) جلال منیری ۳۱۱
(شیخ) جلیل الدین (برادر مخدوم الملک) ۱۷۹
۱۸۴، ۱۸۵، ۲۲۶، ۲۳۴، ۲۳۵

(شیخ) جمال الدین خطیب ہانسوی ۳۸، ۴۶
۶۷، ۱۵۶
(شیخ) جمال الدین مکی ۱۸۸
(مولانا) جمال اولیا چشتی ۱۷۲
حضرت جنید ۹۱، ۱۴۶، ۲۸۸، ۳۰۸
جھجو ۱۰۵
ملا جیون ۱۷۲
جی، بی، اسٹریچ ۲۴
جے چند ۲۵
(چ)
(حضرت خواجہ نصیر الدین محمود) چراغ دہلی ۱۲
۴۹، ۵۰، ۷۷، ۸۸، ۹۸، ۱۰۵، ۱۰۹
۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲
۱۷۱، ۲۰۰
(شیخ احمد) چرم پوش ۱۷۸
(مولانا رکن الدین) چغر ۱۲۶
چنگیز خاں ۱۵۸، ۱۵۹
(ح)
(امیر) حاجی (فرزند امیر خسرو) ۱۲۱
(شیخ) حبیب الدین (برادر مخدوم الملک) ۱۷۹
حریری ۲۴۱
(حضرت شیخ) حسام الدین حسام الحق مانکپوری
۱۵۲، ۱۵۳

(مولانا) حسام الدین ملتانی ۱۴۹
(مولانا) حسام الدین (امام بہست خانی) ۲۳۹
ملک حسام الدین ۲۳۳
(شیخ زادہ) حسام ۸۹،۹۰،۹۱
حسن بہدی قوال ۱۲۰،۱۲۱
حسن سر برہنہ ۱۵۷
(امیر) حسن علاء سجزی ۱۲،۱۷،۵۰،۵۸
۷۸،۱۰۳،۱۰۵،۱۰۸،۱۰۹،۱۱۴
۱۲۲،۱۳۴،۱۵۰
(حضرت مولانا) حسین احمد مدنی ۴۹
(سید) حسین کرمانی ۹۸،۹۹،۱۰۰،۱۱۲
(شیخ) حسین معز شمس بلخی ۲۰۲
حسین معز بلخی الملقب بہ نوشتۂ توحید ۲۳۷،۲۳۸
(حضرت قاضی) حمید الدین ناگوری ۳۸،۱۱۵
(مولانا) حمید الدین ۹۱
(شیخ) حمید الدین ۲۱۵
حمید الدین سوداگر ۲۳۹

خ

(مسند عالی) خان محمد ۱۶۴
ابوبکر خراطہ ۵۴
امیر خسرو ۱۲، ۱۷،۴۷،۶۴،۷۶،۸۲،۸۳،۸۶
۸۸،۹۳،۹۴،۹۵،۱۱۴،۱۲۱،۱۲۷
۱۴۸،۱۴۹،۱۵۰
خسرو خان ۸۷،۸۹
خضر خاں ۷۹،۸۳،۸۶
حضرت خضر علیہ السلام ۳۰۰
ملک خضر ۲۴۷
(پروفیسر) خلیق احمد نظامی ۴۹،۱۶۵،۱۷۰
(حضرت مولانا) خلیل احمد سہارنپوری ۴۹
(شیخ) خلیل الدین (برادر مخدوم الملک) ۱۷۹
۲۲۴،۲۳۱،۲۳۲،۲۳۸
(مولانا) خواجگی ۱۷۱
(ابوبکر) خوارزمی ۲۴۱
امیر خورد (سید محمد مبارک علوی) ۱۷،۴۷،۵۰
۷۰،۹۰،۹۴،۹۸،۱۱۲،۱۱۴،۱۲۰،
۱۳۴،۱۴۷

د

(حضرت) درویش بن محمد قاسم اودھی ۱۵۳
(شاہ) دولت منیری ۳۱۱

ذ

شاہ ذکی الدین ۱۸۲،۱۸۳،۲۳۷،۲۳۹

ر

(حضرت) رابعہ بصری ۱۳۳
رائے پتھورا (پرتھوی راج) ۲۵،۲۶،۲۷
(شیخ) رستمؒ ۲۳۹
رستم ۲۸۰
(حضرت مولانا) رشید احمد گنگوہی ۴۹

(حضرت علامہ) محمد رشید جونپوری ۱۵۳،۱۷۲
(مولانا) رفیع الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸
شیخ رضی الدین علی لالہ ۱۸۴
شیخ رکن الدین ابوالفتح ۴۲،۱۰۱،۱۴۲
حضرت شیخ رکن الدین فردوسی ۱۹۰،۱۹۳
۱۹۴
حاجی رکن الدین ۲۳۲،۲۳۹
(مولانا جلال الدین) رومی ۱۹۴

ز

(قاضی) زاہد ۱۹۸،۲۲۴،۲۲۷،۲۳۴
۲۴۷
(حضرت) زبیر بن عبد المطلبؓ ۱۷۷
(مولانا فخر الدین) زرادی ۹۰،۹۸،۱۲۹
۱۴۹،۱۵۹،۱۶۰،۲۰۰
(حضرت) زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۵۱
شیخ الاسلام بہاء الدین) زکریا ملتانی ۱۵
۴۱،۵۴،۹۱،۱۰۱،۱۶۷،۱۹۱
زکریا غزیب (مرید مخدوم الملک) ۲۳۹
(شیخ الحدیث مولانا) محمد زکریا صاحب کاندھلوی
۴۹
علامہ زمخشری ۱۲۷
مولانا زین الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۳۹
شیخ زین الدین ۱۵۳،۱۶۲،۱۶۴
زین بدر عربی ۲۰۳،۲۲۴،۲۲۵،۲۲۶
۲۳۱،۲۳۶،۲۳۸،۲۴۵

س

خواجہ سالار ۱۵۰
سراج عفیف ۱۶۰،۱۶۲
سراج بقال ۷۱
سرہنگا ۳۸
سرسید ۷۵
سعد کاغذی ۷۱
شیخ سعد الدین حموی ۱۸۴
شیخ سعد الدین خیر آبادی ۱۵۳
شیخ سعدی ۱۳۱،۱۳۴،۲۱۴
سلطان شاہ ۲۳۳
شیخ بدر الدین سلیمان ۴۵،۴۶
خواجہ سلیمان تونسوی ۱۵۱
شیخ سلیمان (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸،۲۴۷
مولانا سید سلیمان ندوی ۳۱۲
حکیم سنائی ۲۶۷
سومیشور ۲۵
(شیخ الشیوخ شہاب الدین) سہروردی ۹۲
۱۴۰،۱۷۸،۱۸۶
(خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب) سہروردی
۱۸۶،۱۹۰

خواجہ سیف الدین باخرزی ۱۴۰، ۱۸۸، ۱۹۰

(ش)

شادی گلابی ۷۲

امام شافعیؒ ۹۳

شاہ بکیھہ ۲۳۸

شاہ پیر محمد سلونی ۱۵۳

شاہ پیر محمد لکھنوی ۱۵۳، ۱۷۲

شاہ شبیر عطا ۱۸

شاہ عالم گجراتی ۱۵۳

(حضرت) شبلی

مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری
۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۹۴، ۱۹۶،
۲۲۲، ۲۲۵، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۴۵،
۲۴۷، ۲۶۸، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۹۵، ۲۹۸،
۲۹۹، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۱۲

مولانا شرف الدین ابوتوامہ ۱۸۰، ۱۸۱

خواجہ شرف الدین ۱۰۹، ۱۱۰

قاضی شرف الدین ۱۵۰

قاضی شرف الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۲۸

حاجی شریف زندنی ۲۳

بی بی شریفہ ۴۵

مخدوم شاہ شعیب فردوسی ۱۸۱، ۳۱۱

قاضی شعیب ۳۷

شیخ شعیب ۲۳۹

مولوی محمد شفیع صاحب ۵۳

شیخ شمس الدین ترک پانی پتی ۴۷

مولانا شمس الدین خوارزمی (مستوفی الممالک) ۵۵
۵۶، ۱۲۶

مولانا شمس الدین یحییٰ ۸۱، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۷۱، ۲۰۰

مولانا شمس الدین ۹۹، ۱۰۰

خواجہ شمس الدین ۱۵۰

قاضی شمس الدین ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۵، ۲۴۵،
۲۴۷

شمس الدین شراب دار ۷۲

شمس الدین خوارزمی ۲۳۸

شمس الدین ۳۰۰، ۳۰۴

ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی ۱۷۱

شیخ شہاب الدین (فرزند حضرت گنج شکر) ۴۵

مولانا شہاب الدین ملتانی ۹۱

مولانا شہاب الدین (خلیفہ مخدوم الملک) ۱۵۰

مولانا شہاب الدین ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۳۲

مولانا شہاب الدین ناگوری ۲۳۸

امیر شہاب الدین ۲۳۳

شہاب الدین علوی طوسی ۲۳۷

سید شہاب الدین (مرید مخدوم الملک)
۲۳۹

شیر شاہ ۱۸۰

(ص)

ابواسحاق الصابی ۲۴۱

الصاحب ابن عباد ۲۴۱

سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے ۱۴۱

قاضی صدر الدین ۲۳۸

مولانا صدر الدین ۲۴۷

علامہ صغانی ۵۷، ۱۲۶

(ض)

مولوی سید ضمیر الدین صاحب ۲۰۰

ضیاء برنی ۲۱، ۸۴، ۸۵، ۹۲، ۱۳۹، ۱۴۱،
۱۵۰، ۱۵۸

مولانا ضیاء الدین ۲۴۷

(ط)

طباطبائی ۸۷

ملک طغی ۱۶۲

طہرا ۲۳۷

شیخ طیب بنارسی ۱۵۳

(ظ)

ظہوری ۲۴۲

مفتی سید ظہیر الدین ۲۳۴

سید ظہیر الدین ۲۳۲، ۲۳۳

(ع)

حضرت عائشہؓ ۳۰۱

خواجہ عابد ظفرآبادی ۲۲۱

شیخ عارف ۴۶، ۴۷

مولانا عالم ۱۹۵

قاضی عالم احمد ۲۳۳، ۲۳۴

عالمگیر ۲۴۲

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۴۸، ۱۲۷

عبدالحمید الکاتب ۲۴۱

مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب ۱۵، ۱۷، ۱۸۹

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری ۴۹

خواجہ عبدالرحیم ۹۶

شیخ عبدالصمد عرف صفی الدین صفی پوری ۱۵۳

شیخ عبدالعزیز ۱۸۱

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ۱۳۵

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ۱۱، ۴۹

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ۴۹، ۱۵۳

حضرت شیخ عبدالکریم مانک پوری ۱۵۳

عبداللہ ابن ابی ۲۵۳

شیخ عبدالمقتدر کندی ۱۵۱، ۱۷۱

حضرت خواجہ عثمانی ہارونی ۲۳

خواجہ عرب ۵۲

ملک عزیز الدین ۳۲

خواجہ عطاء اللہ ۱۰۷

خواجہ فرید الدین عطار ۱۸۸، ۱۹۴، ۲۶۷، ۲۷۹

عقیق ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۵
سلطان علاء الدین خلجی ۲۰، ۷۹، ۸۳، ۸۴
۸۵، ۸۶، ۱۲۱، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۶
۱۵۵
حضرت شیخ علاء الدین صابر ۳۷، ۴۲، ۴۶، ۴۷، ۴۸
شیخ علاء الدین اجودھنی ۴۶
مولانا علاء الدین اصولی ۵۳
مولانا علاء الدین نیلی ۱۴۹
شیخ علاء الدین علاء الحق پنڈوی ۱۵۲، ۱۶۵، ۲۳۷
شیخ علاء الدین سمنانی ۱۸۹
شیخ علاء الدین جیوری ۱۸۹
حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی رائے بریلوی ۱۸۹
مولانا علم الدین ۹۱
قاضی علیم اللہ ۱۷۲
شیخ علیم الدین ۲۲۷
مولانا علی اصغر قنوجی ۱۷۲
خواجہ علی ۵۲، ۵۳
امیر سید علی ہمدانی ۱۸۹
شیخ علی ۳۵
امیر المومنین سیدنا عمرؓ ۲۵۳، ۲۶۰
سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ ۱۳۶
شیخ عمر (مرید مخدوم الملک) ۲۲۸
عماد حاتقی ۲۳۹

شیخ عماد الدین دہلوی ۱۹
خواجہ عماد الدین قلندر ۱۵۳
نور الدین محمد عوفی ۱۵
عین القضاۃ ہمدانی ۱۹۴

(غ)

۲۔ امام غزالی ۲۴۱، ۲۸۹
۱۔ (مولانا برہان الدین) غریب ۱۵۰
غلام حسین ۱۶۵
سلطان غیاث الدین تغلق ۲۰، ۸۸، ۸۹، ۹۲
(ملک غازی) ۱۳۷، ۲۰۰
سلطان غیاث الدین شاہ بنگال ۲۲۲
میر غیاث الدین شیرازی ۱۷۱

(ف)

حضرت فاطمہؓ ۳۰۱
بی بی فاطمہ ۴۵
فتوح بادرچی ۲۱۲
مولانا فخر الدین زرادی ۹۰، ۹۲
مولانا فخر الدین مروزی ۱۵۰
مولانا فخر الدین میرٹھی ۱۵۰
مولانا فخر الدین دہلوی ۱۵۱
(شیخ زادہ حسام الدین) فرجام ۸۹، ۹۰، ۹۱
حضرت خواجہ فرید الدین (گنج شکر) ۳۶، ۴۰
۴۱، ۴۲، ۴۶، ۴۸، ۴۹، ۵۴، ۵۵، ۵۶

۶۰، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷
۶۸، ۷۳، ۷۴، ۸۲، ۱۰۲، ۱۱۳، ۱۲۲
۱۲۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۶۱
شیخ فرید الدین ۲۳۴، ۲۳۸
مولانا فصیح الدین ۱۰۴، ۱۵۰
مولانا فضل اللہ (ملک زادہ) ۲۳۶، ۲۳۸
فیروز تغلق ۱۵۱، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۹۵
۲۰۱، ۲۱۵
رکن الدین فیروز شاہ ۵۳
سلطان المشرق فیروز شاہ ۲۲۱، ۲۴۷

(ق)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ۴۹
محمد قاسم (مصنف تاریخ فرشتہ) ۹۳
قاضی خاں ۲۳۲، ۲۳۹
قاضی الفاضل ۲۴۱
قتلغ خاں ۷۴
ملک قرابیگ ۸۴، ۸۵
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۳۰-۳۸
۴۳، ۷۴، ۱۴۴، ۱۹۰، ۱۹۲
شیخ الاسلام سید قطب الدین احمد مدنی ۱۸۹
شیخ قطب الدین دبیر ۱۵۹، ۱۶۰
قطب الدین (مرید مخدوم الملک) ۲۳۸
شیخ قطب الدین ۲۴۷

سلطان قطب الدین (مبارک شاہ) ۸۶، ۱۳۰
قطب الدین ایبک ۵۳، ۱۸۹
قطب عالم عبد اللہ الحسینی ۱۵۳
مولانا قمر الدین ۲۳۸
امیر قیر بیگ ۱۲۰

(ک)

مولانا کاشانی ۱۱۶
ملک کافور ۸۴
مولانا کرم الدین ۲۳۸
خواجہ کریم الدین سمرقندی ۱۵۰
حضرت کعب بن مالکؓ ۶۳
شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی ۱۵۱، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲
علامہ کمال الدین ۱۵۱
شیخ کمال الدین ناگوری ۱۵۳
شیخ کمال الدین (مالوی) ۱۵۳
مولانا کمال الدین سنتوکی ۲۴۷
بابا کمال الدین جنیدی ۱۸۴
راجہ کنس ۱۶۵
جزا کنگھم ۱۹۸
معز الدین کیقباد ۷۵، ۸۲

(گ)

علامہ گازرونی ۱۷۱
گنج شکر (دیکھئے حضرت خواجہ فرید الدین)

گوتم بدھ ۱۹

حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز ۱۲، ۱۳۱، ۱۵۱

(ل)

مولانا لطف اللہ کوڑوی ۱۷۲

مولانا لطف الدین ۲۳۹

(م)

(شیخ محمد بن احمد) الماریکلی مشہور بہ

کمال الدین زاہد ۵۷، ۱۲۶

اخی مبارک ۱۰۰

شیخ مبارک گوپاموی ۱۵۰

نور الدین مبارک ۵۰، ۷۰، ۷۱

شیخ مجد الدین بغدادی ۱۸۴

مجد الملک ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۱۵

تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری ۱۵۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام ۲۷۲، ۳۰۰

حضرت مریم علیہا السلام ۳۰۱

حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی ۴۹

خواجہ محمد امام ۴۷، ۱۲۳

محمد ابن قاسم ثقفی ۲۱

(سلطان) محمد تغلق ۴۵، ۴۶، ۹۳، ۱۰۰

۱۰۶، ۱۰۸، ۱۶۲

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی ۱۳۰، ۱۸۹

۲۰۴، ۲۴۲، ۲۸۳، ۲۸۴

صوفی محمد حسین صاحب ۲۲۴

سلطان محمد شاہ بہمنی ۱۶۲، ۱۶۴

علامہ محمد طاہر فتنی ۱۲۷

شہاب الدین محمد غوری ۲۲، ۲۴ـ۲۷، ۵۲

۱۷۷، ۱۷۹

سید محمد کالپوی ۱۷۲

حضرت شاہ محمد مینا ۱۰۴، ۱۵۳

محمد میوہ فروش ۷۲

سلطان محمود غزنوی ۲۲ـ۲۴

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب ۴۹

مولانا محمود صوفی ۲۳۴

مولانا محی الدین کاشانی ۹۰، ۹۲، ۱۵۰

مخلص الملک ۱۵۶

مولوی مراد اللہ صاحب ۱۸، ۳۱۱، ۳۱۲

علامہ برہان الدین مرغینانی ۵۷، ۱۲۶

شیخ شرف الدین المزوقانی ۱۸۹

بی بی مستورہ ۴۵

مولوی سید مشرف علی ندوی ۱۸

مولانا مظفر بلخی ۲۳۲، ۲۲۹، ۲۳۸، ۳۱۱

خواجہ معز الدین ۲۳۲، ۲۳۹

حضرت خواجہ معین الدین چشتی ۱۵، ۲۲ـ۲۴

۲۷ـ۳۰، ۳۲، ۳۴ـ۳۶، ۴۴

۸۲، ۱۲۲، ۱۶۶، ۱۹۲

شاہ معین الدین کرجوی ۱۵۳

مولانا مغیث الدین ۱۵۳

قاضی مغیث الدین بیانوی ۸۴، ۸۵

خواجہ ملک ۲۲۶، ۲۳۱

مولانا مناظر احسن گیلانی ۱۷، ۶۴، ۶۸، ۷۹

۱۲۲

قاضی منتخب ۶۷

منور ۲۳۳، ۲۳۵

شیخ قطب الدین منور ۴۶، ۹۸، ۱۴۹، ۱۵۶

۱۵۷، ۱۵۸، ۲۰۰

قاضی منہاج الدین جوزجانی ۱۵، ۲۵

مولانا منہاج الدین ترمذی ۳۷

خواجہ قطب الدین مودود ۲۳

خواجہ محمد موسیٰ ۴۷، ۱۲۳

مولانا روم ۱۰۳، ۲۶۷

خواجہ موید الدین کردی ۱۵۰، ۱۵۵

خواجہ موید الدین انصاری ۱۵۰

قاضی مینا ۲۳۰

(ن)

سلطان ناصر الدین محمود ۴۰، ۵۵، ۱۲۹

مولانا قطب الدین ناقلہ ۵۶

شیخ نجم الدین رازی ۱۸۸

شیخ نجم الدین صغریٰ ۳۲، ۱۹۲

خواجہ نجم الدین کبریٰ ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۷۹، ۲۰۵

مولانا سید نجم الہدیٰ ندوی ۱۸

شیخ نجیب الدین فردوسی ۱۸۲، ۱۸۵

۱۹۴ـ۱۹۷، ۲۳۷

شیخ نجیب الدین متوکل ۵۹، ۶۰، ۶۳، ۶۴

۱۰۷

شیخ نصر الدین ۴۵

مولانا نصیر الدین جونپوری ۲۲۹، ۲۳۸، ۲۴۷

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ۱۲، ۱۵، ۱۷

۳۶، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۴، ۴۵ـ۴۸

۵۰، ۵۲، ۵۳، ۵۷، ۶۱، ۶۴، ۶۵

۶۸، ۷۳، ۸۲، ۸۹، ۹۷، ۹۸، ۱۰۲

۱۰۹، ۱۲۲، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۴۲، ۱۴۳

۱۴۶، ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰

۱۸۴، ۱۸۵، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۹، ۲۰۰

۲۳۸، ۲۳۹

خواجہ نظام الدین ۴۵

مولانا نظام الدین شیرازی ۱۵۰

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی ۱۶۹

ملا نظام الدین ۱۷۲

مولانا نظام الدین کوہی ۲۳۰

مولانا نظام الدین ۲۳۳

مولانا نظام الدین مفتی ۲۳۳

مولانا نظام الدین مفتی ۲۳۳
مولانا نظام الدین (خال زادہ مخدوم الملک) ۲۳۹
مولانا نظام مولی بہاری ۱۹۹،۲۰۱
حاجی نظام غریب ۲۳۶
نعمت خان عالی ۲۴۲
حضرت خواجہ نقشبند ۲۰۵
حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۵۱
مولانا نور ترک ۳۸
صاجزادہ نور الدین ۱۵۷
قاضی نور الدین ۲۳۰،۲۳۵
حضرت نور قطب عالم ۱۵۲،۱۶۵،۱۷۲
خواجہ نور محمد ۱۵۱

شاہ نیاز احمد بریلوی ۱۵۱

(و)

شیخ وجیہہ الدین پاٹلی ۱۵۰
شیخ وجیہہ الدین یوسف ۱۵۳
سید وحید الدین رضوی ۲۳۷،۲۳۹
قاضی جلال الدین الولواجی ۸۹،۹۰
حضرت شاہ ولی اللہ ۲۴۲
ولیسل دیو ۲۵

(ہ)

ہلال ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۵
ڈاکٹر ہنٹر ۱۹۷
ہیون سانگ ۱۹۸

کتابیات

(الف)

آثار الصنادید ۷۵
آئین اکبری ۳۰
اجمیر گزیٹیر ۲۶
اجوبہ ۲۳۹
احسن التقاسیم ۲۴
احیاء العلوم ۱۴۶،۲۸۹
اخبار الاخیار ۳۴،۴۱،۴۶
ارشاد السالکین ۲۳۹
ارشاد الطالبین ۲۳۹
ازالۃ الخفا ۲۴۲
افضل الفوائد ۱۲
انسائکلوپیڈیا آف اسلام ۵۳
انیس الغربا ۱۵۲

(ب)

بحر المعانی ۲۳۹
بزم صوفیہ ۴۴،۱۴۱

(ت)

تاریخ دعوت وعزیمت ۱۱،۱۳۵،۱۳۷
تاریخ فرشتہ ۲۶،۳۲،۳۴،۸۸،۹۳،۹۴،۱۶۰
۱۶۴
تاریخ فیروز شاہی (ضیاء برنی) ۲۰،۲۱،۵۵
۸۵،۱۳۹،۱۴۱،۱۴۶
تاریخ فیروز شاہی (سراج عفیف) ۱۵۱،۱۶۰
تاریخ مشائخ چشت ۴۹،۱۵۱،۱۵۶
رسالہ تبصرہ ۱۸۷
تحفہ اثنا عشریہ ۲۴۲
تحفہ غیبی ۲۳۹
ترجمہ احیاء العلوم ۱۴۶
تذکرۃ الرشید ۱۵۴
تذکرۃ العاشقین ۴۵،۶۶
تغلق نامہ ۸۰
تمہید ابوشکور سالمی ۶۲

(ث)

الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ۱۲۷

(ج)

جغرافیہ خلافت مشرقی ۲۴
جوامع الکلم ۱۲،۷۳،۱۳۱

(ح)

حسرت نامہ ۹۲،۱۴۱

خ

خزینۃ الاصفیاء ۳۱، ۴۵، ۶۶، ۱۸۶، ۱۹۳، ۱۹۴

خمسہ نظامی ۱۲۷

خوان پر نعمت ۱۸۱، ۲۲۴، ۲۳۹

خیر المجالس ۴۹، ۸۹، ۱۳۴

د

دعوت اسلام ۱۶۸

راحۃ القلوب ۳۷، ۲۳۹

رسالہ در طلب طالبان ۲۳۹

رسالہ قشیری ۱۴۶

رسالہ مکیہ ۲۳۹

رقعات عالمگیری ۲۴۲

رقعات السلاطین ۱۶۵

ز

زاد سفر ۲۳۹

س

سراج المجالس ۵۰، ۵۴، ۷۷

سیرت سید احمد شہیدؒ ۱۷

سیرۃ الشرف ۱۷، ۱۷۸، ۱۸۲، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۳۸، ۲۳۹

سیر العارفین ۴۴، ۵۵، ۵۶، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۰

سیر الاقطاب ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۱۱۵

سیرۃ الاولیاء ۱۷، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۶، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۵۰، ۵۲، ۵۴، ۵۷، ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۷۰، ۷۲، ۷۴، ۷۶، ۷۸، ۸۱، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۸، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۶۰

ش

شرح آداب المریدین ۲۳۹

شرح تعرف ۱۴۶

شرح کافیہ ۱۷۱

شرف نامہ ابراہیمی ۱۷۸

شرف نامہ احمد منیری ۱۷۸

ص

صید الخاطر ۲۴۲

ط

طبقات ناصری ۱۵، ۲۵، ۲۶

ع

عقائد اشرفی ۲۳۹

عوارف المعارف ۶۲، ۱۴۶، ۱۸۶

ف

فتاوی تاتارخانی ۱۹۵

فرہنگ ابراہیمی ۱۷۸

فوائد رکنی ۲۳۹

فوائد الفواد ـ ۱۲، ۱۷، ۵۰، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۸ـ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۶۶، ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۷۴، ۷۸، ۱۰۴ـ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۲ـ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۲ـ۱۳۴، ۱۴۶، ۱۶۷، ۱۶۸

فوائد مریدین ۲۳۹

ق

قوت القلوب ۱۴۶

ک

کشاف ۱۲۶

کشف المحجوب ۱۴۶

کنز المعانی ۲۳۹

گ

گل رعنا ۱۵

گل فردوس ۱۹۳

گنج لایخفی ۲۱۵، ۲۳۹

ل

لباب الالباب ۱۵

لطائف اشرفی ۲۳۶، ۲۳۷

لطائف المعانی ۲۳۹

لوائح حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ۱۴۶

م

مآثر الکرام ۲۷، ۲۹

مخبر الواصلین ۴۵، ۶۶

المدہش ۲۴۲

مرصاد العباد ۱۴۶

مشارق الانوار ۵۷، ۱۲۷

مشکوٰۃ ۱۳۷

مصباح الہدایت ۱۱۷

معجم البلدان ۳۱

معدن المعانی ۱۷۹، ۲۰۳، ۲۲۹

مفتاح اللغات ۱۷۹

مفصل ۱۲۶

مقامات حریری ۵۷

مکتوبات سہ صدی ۲۴۵

مکتوبات صدی ۲۴۵

مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ۲۴۵

مکتوبات عین القضاۃ ۱۴۶

مکتوبات کلیمی ۱۶۹

ملفوظات ۲۳۹

مناقب الاصفیاء ۸۱، ۱۸۳ـ۱۸۵، ۱۸۷

۱۸۸، ۱۹۰–۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۵
۲۰۶، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۱۵، ۳۱۱
منتخب التواریخ ۲۰، ۲۶
المنقذ من الضلال ۱۱۲
مونس المریدین ۲۳۹
مونس الفقراء ۱۵۲
مونس القلوب ۲۱۵

(ن)

النافع ۳۷
نزہۃ الخواطر ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۴۶، ۴۷، ۵۳
۱۵۲، ۱۸۲، ۱۸۹، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۳۹
نفحات الانس ۲۳
نقوش سلیمانی ۳۱۲

(و)

وفات نامہ ۲۲۴، ۲۳۶

(ہ)

ہدایہ ۵۷
ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت
۶۵، ۶۹، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۷، ۸۸
۱۲۲

مقامات وعمارات

(الف)

اجمیر ۲۵–۲۷، ۳۰، ۳۲–۳۴، ۱۶۷
اجودھن ۳۹، ۴۰، ۴۵، ۵۵، ۶۰، ۶۵
۶۶، ۶۸–۷۰، ۷۴، ۸۳
احمد آباد ۱۵۲، ۱۶۹
افغانستان ۲۴
انگلی ۲۴۷
اوچ ۴۰
اودھ ۱۴۸، ۱۵۲، ۱۵۳
اوش ۳۱
ایران ۲۰، ۲۴، ۵۲، ۱۷۳

(ب)

باغ حیرت ۷۵
بام ہزار ستون ۸۸، ۱۴۷
بخارا ۱۹، ۴۶، ۴۷، ۵۲
بدایوں ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۶۰، ۶۹، ۷۱
برہان پور ۱۵۲
بشنالہ ۷۵

بغداد ۱۹، ۴۶، ۴۷، ۵۲
بنسی ۱۵۶، ۱۵۷
بنگال ۱۲۹، ۱۵۲، ۱۶۵، ۱۷۹، ۲۲۱، ۲۳۷
بہار شریف ۲۳۷
بہار ۱۵۲، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۹، ۲۰۰
۲۳۸، ۳۱۱
بہیا ۱۹۷
بیت المقدس ۱۷۷، ۲۵۵

(پ)

پاک پٹن ۳۹، ۴۵، ۱۶۷
پاکستان ۳۹
پانی پت ۱۸۴
پٹنہ ۱۷۸، ۲۴۵
پٹیالی ۷۴
پشکر ۲۶
پنجاب ۱۶۷
پنڈوہ ۱۲۹، ۱۵۶، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۱
۱۷۲
پنیام ۱۸
پونا ۱۶۴
پھلواری شریف ۱۵۳
پیران کلیر ۴۷

(ت)

ترائن ۲۶
ترکستان ۲۰، ۱۵۸، ۱۷۳
تلونڈی ۲۶
تلنگانہ ۸۴
تھانیسر ۲۶

(ٹ)

ٹھٹھہ ۱۶۲
ٹیلہ والی مسجد ۱۷۲

(ج)

جامع میری ۸۶
جون پور ۱۵۳
جھٹلی ۱۷۸

(چ)

چوسہ ۲۴۵
چھپر والی مسجد ۷۱

(ح)

حبش ۲۶۵
حصار اندرپت ۱۰۵
حوض رانی ۷۵

(خ)

الخلیل ۱۷۷، ۱۷۸
خراسان ۲۴، ۵۲، ۱۵۸

خوارزم ۱۹، ۱۸۶، ۱۸۸

د

دکن ۱۵۳، ۱۶۲
دمشق ۶۹، ۱۰۳
دہلی ۲۱، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۳، ۴۷، ۵۳، ۵۵، ۵۹، ۶۷-۷۳، ۷۶، ۷۹، ۸۲، ۸۹، ۹۰، ۹۳، ۹۴، ۱۱۳، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۹، ۱۴۱، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۸، ۱۸۰-۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۲، ۲۰۰، ۲۱۵، ۲۳۷
دلینہ ۳۱۲
دیگری ۴۸
دلوگیر ۹۳، ۹۴، ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۶۳

ڈ

ڈھاکہ ۱۸۰

ر

راج شاہی ۱۶۵
راج گیر ۱۹۷-۲۰۰
راج گربھا ۱۹۸
رائے بریلی ۱۷
رائے پور ۴۹
رکاب دار کی سرائے ۷۱
روم ۹۱
روہیل کھنڈ ۵۲
رے ۱۹

ز

زاہدان ۲۴
زرنج ۲۴
زنجان ۱۹
زین آباد ۱۵۲

س

سجز ۲۴
سجستان ۲۴
سلون ۱۵۲، ۱۷۲
سمرقند ۱۹
سنارگاؤں ۱۸۰-۱۸۳، ۲۲۱
سندھ ۲۱
سندیلہ ۳۱۱
سومنات ۲۳
سوستان ۴۷
سستان ۲۴

ش

شام ۹۱
شاہ آباد ۲۴۵
شیخ پورہ ۳۱۱

شیراز ۲۱

ص

صفی پور ۱۵۲

ط

طور سینار ۲۶۵

ع

عدن ۳۱۱
عراق ۲۰

غ

غزنین ۲۴
غزنین دروازہ ۳۷
غیاث پور ۷۰، ۷۵، ۷۶، ۸۶، ۱۰۵، ۱۴۴، ۱۶۸

ف

فتوحہ ۳۱۱
فرغانہ ۳۱

ق

قرطبہ ۲۱
قزوین ۱۹
قصور ۳۷
قطب صاحب ۳۶
قنوج ۲۵
قیصرلی ۷۱

ک

کابل ۳۷
کاشغر ۱۷۸
کپوٹیکا ۱۹۸
کڑا ۱۸۹
کشمیر ۱۸۹
کعبہ مکرمہ ۲۵۵
کمال دروازہ ۷۴
کہنوال ۳۷، ۳۸
کیلوکھڑی ۳۲، ۷۵

گ

گل برگہ ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۶۴، ۱۶۹، ۱۷۲

ل

لاہور ۱۲، ۳۷، ۵۳
لکھنوتی ۱۲۹، ۱۵۲
لکھنؤ ۱۸

م

مالوہ ۱۵۳
مان سرور ۲۶
مانڈو ۱۵۲
مانک پور ۱۵۲، ۱۷۲
مخدوم کنڈ ۱۹۸
مرو ۱۹

مرہٹ واڑہ	۱۶۴
مسجد نبوی	۲۶۰
مگدھ	۱۹۸
ملتان	۲۱، ۳۷، ۳۸، ۴۰، ۵۴
منگری	۳۹
منڈھ پل	۷۱
منڈھ دروازہ	۷۱
منیر	۱۷۷–۱۸۳، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۳۸، ۳۱۱
مونگیر	۳۱۱
میاں بازار	۷۱
میدان پور	۱۷
میوات	۱۶۸
(ن)	
نیشاپور	۱۹
نیمروز	۲۴
(و)	
ورنگل	۸۴، ۸۵
(ہ)	
ہانسی	۲۸، ۳۶، ۶۷، ۷۲، ۱۵۶، ۱۵۸
ہلمند	۲۴
ہمایوں کا مقبرہ	۷۵
ہمدان	۱۹
ہندوستان	۱۶، ۲۰–۲۳، ۲۵–۳۱، ۳۴، ۳۵، ۳۷، ۴۶، ۴۸، ۶۸، ۷۲، ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۱۰۱، ۱۱۲، ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۴۱، ۱۴۷، ۱۵۱–۱۵۳، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۸، ۱۷۹–۱۸۱، ۱۸۴، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۴۲، ۲۹۸

مدرسے، خانقاہیں اور کتب خانے

انڈیا آفس	۱۷۸	درگاہ شیخ ضیاء الدین رومی	۷۶
خانقاہ بہار	۳۱۱	کتب خانہ اصلاح	۳۱۲
خانقاہ مجیبی	۱۵۳	مدرسہ معزیہ	۴۷
خانقاہ رشیدی	۱۵۳	مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ	۱۸
دارالعلوم دیوبند	۴۹	مظاہر العلوم	۴۹

سلسلے

سلسلہ جنیدیہ	۱۸۹	سلسلہ شطاریہ	۱۹۱
سلسلہ چشتیہ	۸۱، ۱۱۳، ۱۵۱، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۹۰، ۲۳۷	سلسلہ صابریہ	۱۵۳
سلسلہ چشتیہ نظامیہ	۱۲۹، ۱۵۳، ۱۵۴	سلسلہ فردوسیہ	۱۸۶، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۴، ۳۱۱
سلسلہ سہروردیہ	۱۷۸، ۱۸۶	سلسلہ کبرویہ	۱۸۹
		سلسلہ ہمدانیہ	۱۸۹، ۲۰۵

مطابع

مطبع احمدی	۱۸۱	مطبع مفید عام آگرہ	۲۳۶
مطبع شرف الاخبار	۱۷۹	مطبع نور الآفاق	۱۸۳

سکے اور بانٹ

تنکہ ۱۵۸
جیتل ۷۲
دانگ ۱۵۸

ساز

چنگ ۱۱۹
دف ۹۱
رباب ۱۱۹
شبابہ ۹۱

APPROVED
By WWW.ATTABLIG.COM at 11:19 am, Oct 26, 2010